الشیخ العام الاجل سراج الملۃ والدین محمد بن عبدالرشید السجاوندی

کی شاہکار تصنیف **السراجی** کی اردو شرح بنام
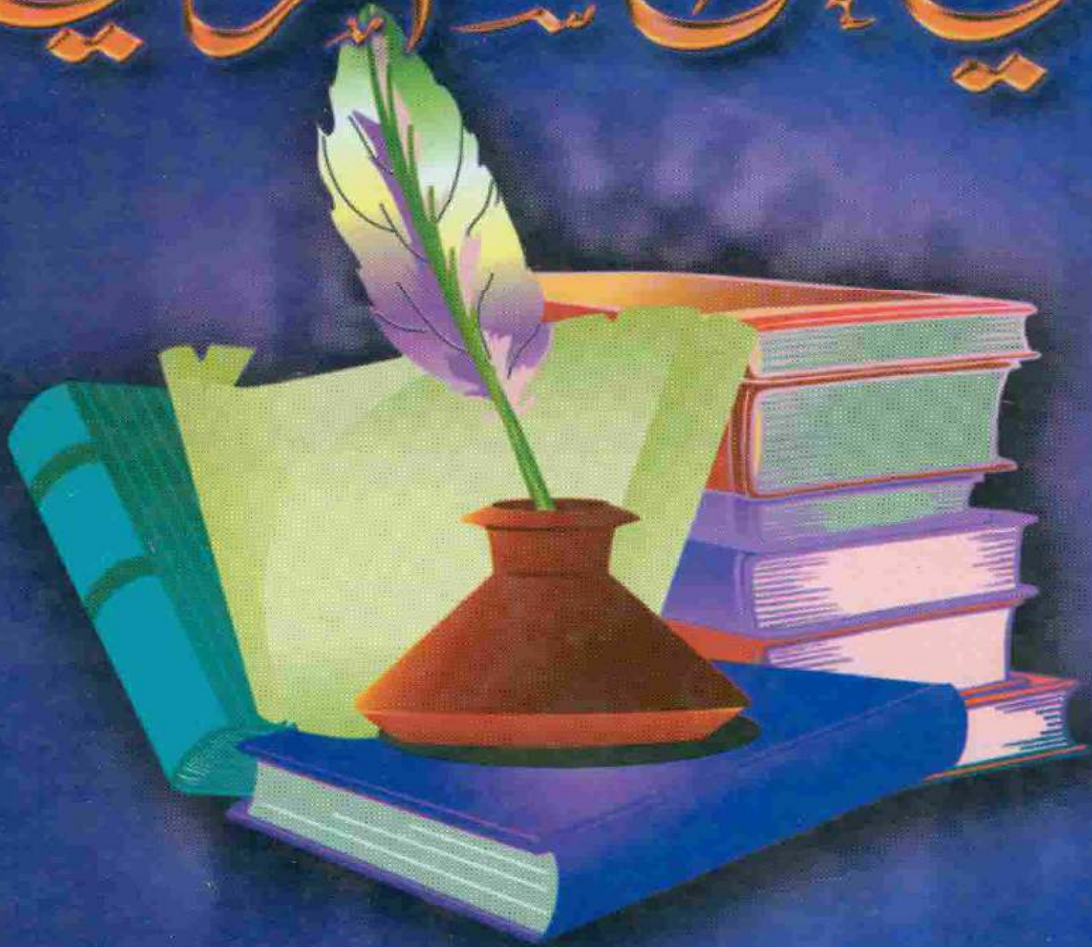
الشرح الناجی فی حل السراجی

بفیض نظر

عارف باللہ مناظر اسلام فقیہ الامت

مفتی اللہ ڈنو جمارانی نقشبندی

نفع اللہ المسلمین والمکتسبین بعلمہ وفیوضہ

شارح

مولینا مفتی محمد فاروق خاصخیلی مدظلہ العالی

رئیس دارالافتاء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، کراچی

تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهَا النَّاسَ فَإِنَّهَا نِصْفُ الْعِلْمِ (الحدیث)

الشرح الناجي
في حل السراجي

بفیض نظر عارف باللہ، مناظر اسلام، فقیہ الامت

مفتی اللہ ڈنو جمارانی نقشبندی

نفع الله المسلمین والمکتسبین بعلمه وفیوضه

شارح

مفتی محمد فاروق خاصخیلی مدظلہ العالی

رئیس دارالافتاء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، کراچی

حسب فرمائش

خطیب اہلسنّت حضرت علامہ خلیل الرحمٰن چشتی زید مجدہ

ناشر

مکتبہ برکات المدینہ

سلسلہ اشاعت نمبر 19

تصحیح ونظر ثانی .... خطیب اہلسنّت حضرت علامہ خلیل الرحمٰن چشتی مدظلہ العالی

کمپوزنگ .... جناب محمد اشرف (متعلّم درجہ خامسہ)

پروف ریڈنگ .... علامہ محمد عمران عربی

طبع اوّل .... شوال 1429ھ/اکتوبر 2008ء

صفحات 192

تعداد 1100

قیمت 185/-

email:barkatulmadina@yahoo.com

ناشر

مکتبہ برکات المدینہ

جامع مسجد بہار شریعت، بہادر آباد، کراچی

فون: 021-4219324

انتساب

میں اپنی اس حقیری سی کاوش کو وادیٔ مہران کی ان دو عظیم روحانی شخصیات کی جانب انتساب کر کے روحانی کیفیت محسوس کرتا ہوں جن کی نظرِ ولایت سے لاکھوں بھٹکے ہوئے راہِ راست پر آ گئے اور ہزاروں مردانِ راہِ سلوک منزلیں طے کر کے اپنے مطلوب تک پہنچ گئے، میری مراد

سراج السندھ فقیہ اعظم

حضرت پیر محمد قاسم محقق مشوری قدس سرہ

اور

سیدنا و مرشدنا مخدوم اہل سنت، مسیح الامت

حضرت سید غلام حسین شاہ بخاری نقشبندی نفع اللہ المسلمین بطول حیاتہ وفیوضاتہ

ہیں

☆☆☆

اور اسی طرح سرزمین سندھ ہی کی دو عظیم علمی شخصیات کے نام کرتا ہوں یعنی

استاذی المکرّم سعدیٔ زماں، شامیٔ دوراں، مفتیٔ ملت

مفتی عبد الرحمٰن پنہور قاسمی حسینی رحمہ اللہ

اور

استاذی المحترم مناظرِ اسلام فقیہ الامت

مفتی اللہ ڈنو جمارانی نقشبندی دامت فیوضہم

جن کے نظرِ کرم سے یہ فقیر پر تقصیر، صاحبِ قلم وقرطاس بنا۔

حقیر الامت محمد فاروق عفی عنہ

فہرست

متفرق مسائل

پیش لفظ

جب انسان دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس سے تعلق رکھنے والی صرف دو ہی چیزیں پیچھے رہ جاتی ہیں، ایک قرابتدار اور دوسرا مال۔ زندگی میں تو ہر انسان خود ان کی حفاظت کرتا ہے لیکن بعد از وفات ان کی محافظت کیسے کی جائے، اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ قرابتداروں کے ذریعے مال محفوظ کیا جائے اور مال کے ذریعے قرابتداروں کی معاشی حالت مضبوط و محفوظ کی جائے۔ چنانچہ ان کی محافظت کے جو قوانین اسلام نے پیش کئے ہیں وہ نہ صرف عین عقل کے مطابق ہیں بلکہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو دنیا کے آدھے سے زیادہ فتنے خود بخود ختم ہو جائیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک بھی یہ بات اتنی اہم ہے کہ کلام پاک میں دیگر احکام کی بنسبت اسے قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے، چناں چہ ایک رکوع سے زائد فقط مسائل میراث کے متعلق نازل فرمایا، اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا

﴿من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیمة﴾

یعنی جو اپنے وارث کو اپنا ترکہ پہنچنے سے بھاگے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے گا۔

(رواہ ابن ماجۃ، ابواب الوصایا، ص ۱۹۸)

اور ساتھ ہی معلم اعظم رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میراث کی تعلیم وتعلم کی بھی خاص تاکید فرمائی ہے، انہی وعیدات وتاکیدات کے پیش نظر ہر دوَر میں علمائے اسلام نے مسائل میراث کی جمع وترتیب اور توضیح وتشریح کی جانب خاص توجہ دی اور اپنے اپنے انداز میں قانون الٰہی عزوجل کو عوام الناس کے سامنے پیش کیا۔ ان علمائے کرام میں سے ایک نام سراج الملت و الدین سراج الدین محمد بن محمود عبدالرشید السجاوندی رحمہ اللہ ہے، جنہوں نے مسائل میراث کے پھول چن کر ایک ایسا گلدستہ پیش کیا جس کی خوشبو نے سیکڑوں سالوں سے طالبین علم وعمل کو مسحور کر رکھا ہے، اور صدیوں سے علماء، طلباء، صلحاء محققین ومجتہدین اس سے مستفیض ہوتے چلے آرہے ہیں۔

علامہ سجاوندی کی اس پرخلوص کاوش کو اتنی قبولیت عامہ حاصل ہوئی کہ اب تک دنیا کے بیشتر زبانوں میں بے شمار شروحات وحواشی لکھی گئیں ہیں، فقیر کے دل میں بھی یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اس عظیم بزرگ کی عظیم تصنیف کے شارحین میں اپنا نام بھی درج کرا کے سعادت ابدی حاصل کی جائے، اور ویسی بھی پچھلے چند سالوں سے مسلسل اس کتاب کے پڑھنے پڑھانے کی وابستگی سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا کہ کتاب کی خالصتاً فنی حساب وکتاب اور اونچ نیچ کو دوَر حاضر کے طلباء کے مزاج کے مطابق حل کرنا از حد ضروری ہے، لہٰذا اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے فقیر نے شرح لکھنے کا عزم مصمم کیا، گو کہ اس قحط

الرجال کے زمانے میں اب بھی بازار علم میں فن میراث کے بڑے بڑے ماہر اسپیشلسٹ اساتذہ موجود ہیں اور فقیر بھی اپنی کم علمی کا معترف ہے بقول صاحب نام حق حضرت علامہ شرف الدین بخاری رحمہ اللہ کے:

من بعجز و قصور معترفم ☆ نے چو ناداں احمق و خرفم

پیش ازیں گفتہ اند اہل سلف ☆ عذر من صنف قد استھدف

لیک بر قدر خویش کوشیدن ☆ بہ زبے کاری و خموشیدن

اسپ تازی اگرچہ بہ تازد ☆ لاشہء خر خویشتن نیندازد

لہذا فقیر بھی اس بازار علم میں ایک پھیری لگانے والے کی حیثیت سے داخل ہوا ہے کہ شاید ان عظیم ہستیوں کے بدولت اس حقیر کی سعی کو بھی کوئی پذیرائی حاصل ہو جائے۔

اور جہاں تک شرح کا تعلق ہے تو فقیر اس کے متعلق صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ شرح لکھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا کہ تطویل و تقصیر سے دامن بچا کر فقط نفس مسئلہ سلجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ طلباء کے اذھان طویل ابحاث کی وجہ سے مشوش نہ ہو جائیں نیز مشق کے ذریعے اور بھی آسانی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ ازیں فقیر نے دوران شرح اپنے اسلاف کی کتب بالخصوص شریفیہ، بہار شریعت اور معلم الفرائض سے استفادہ کیا ہے تاکہ طلباء اپنے روحانی بزرگوں کی کاوشوں سے بھی مستفیض ہو کر آسانی سے کتاب کے پیچیدہ مسائل کو حل کر سکیں، نیز چونکہ یہ شرح تدریسی وافتاء اور دیگر اہم مصروفیات سے وقت بچا کر قلیل عرصے میں لکھی ہے، اس لئے لامحالہ کوئی غلطی کوتاہی رہی ہوگی، لہذا قابل احترام اساتذہ وطلباء سے امید ہے کہ فقیر کی کوتاہیوں سے صرف نظر کر کے اصلاح کی کوشش کریں گے۔

یہ عاجز آخر میں ان تمام محسنوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے جنہوں نے اس شرح کو منظر عام پر لانے میں پر خلوص تعاون کیا بالخصوص دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے پرنسپل اور جماعت اہلسنت کراچی کے ناظم اعلیٰ خطیب اہلسنت علامہ خلیل الرحمٰن چشتی دامت برکاتہم عالیہ اور بانی دارالعلوم جناب محمد اسلم صاحب کا مشکور ہے جنہوں نے فقیر کی ہر مقام پر حوصلہ افزائی فرمائی، اسی طرح دارالعلوم کے ہی کہنہ مشق استاذ حضرت علامہ عمران عربی زید مجدہ کا بھی بے حد ممنون ہے جنہوں نے کتاب کی کمپوزنگ و پروف ریڈنگ کر کے فقیر کی کافی حد تک مشکل کو آسان کر دیا، ساتھ ہی دارالعلوم کے درجہ خامسہ کے طالب علم محمد اشرف کا بھی شکر گذار ہے جنہوں نے مسلسل کئی روز تک اس کتاب کو کمپوز کیا، اللہ تعالیٰ مذکورہ حضرات کے تعاون کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے۔ امین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

حقیر الامت محمد فاروق خاصخیلی عفی عنہ

خادم الافتاء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کراچی

تقریظ جلیل

استاذی المکرم مناظر اسلام فقیہ الامۃ عارف باللہ **مفتی اللہ ڈنو جمارانی نقشبندی غفاری**

نفع اللہ المسلمین بعلمہ وعملہ

جناب مفتی محمد فاروق صاحب ایک بہترین عالم، فاضل، مدرس ہیں انہوں نے فقیر کے پاس درس نظامی کی کچھ اہم کتابیں پڑھیں ہیں جن میں سے ایک سراجی بھی ہے مولانا صاحب میرے پاس مسلسل تین سال ہر ماہ مبارک رمضان شریف میں سراجی کی مشق بھی کرتے رہے ہیں۔ اور پچھلے چند سالوں سے اس کتاب کو پڑھا بھی رہے ہیں۔ اب انہوں نے اس اہم کتاب کی اردو زبان میں شرح لکھی ہے جو نہایت ہی سلیس اور آسان انداز میں ہے۔ امید ہے کہ دینی مدارس کے طلبائے کرام اور نو آموز مدرسین حضرات اس سے بھر پور استفادہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی اس محنت کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے اور اس کاوش کو قبولیت عامہ عطا فرمائے۔ آمین۔

فقیر اللہ ڈنو جمارانی نقشبندی غفاری عفی عنہ الماثم والمغرم

گاؤں داؤد کاندہڑہ لاڑکانہ سندھ

تقریظ جلیل

استاذی المحترم سلطان المعقول والمنقول **علامہ غلام رسول افغانی نقشبندی** مدظلہ عالی

ایک وہ سنہری دور تھا جب طلباء حضرات متن کتب کو سمجھنے کے لئے اپنے قابل اساتذہ کی تقاریر کو کافی ووافی سمجھتے تھے۔ لیکن پھر جب طلباء کی ہمتوں مین کمی واقع ہونے لگی تو متون پر حواشی کی ضرورت پیش آنے لگی اور طلباء اساتذہ کی تقاریر کے ساتھ حواشی کے بھی محتاج ہو گئے۔ پھر زمانہ نے کچھ عجب رنگ دکھایا کہ اساتذہ کی تقاریر اور حواشی بھی ناکافی لگنے لگی اور شروحات کو کتب کے حل کرنے لے لئے جز ولاینفک سمجھا جانے لگا۔ اب تو حال یہ ہے کہ یہ شروحات عربی وفارسی کی بجائے اردو میں منظر عام پر آنے لگی ہیں۔ شاید یہ بھی ایک وقت کا تقاضا ہے، کیونکہ آج کے اس تیز رفتار دور میں مطالعہ کے لئے وقت نکالنا انتہائی دشوار ہو گیا ہے، اور یہ چیز تو دینی مدارس کے طلباء کے لئے اور بھی مشکل تر ہے، کیونکہ یہ طلباء کالج اور یونیورسٹی کے طلباء کی بنسبت معاشی تنگی کا زیادہ شکار ہوتے ہیں جس کی بنا پر انہیں تعلیم کے علاوہ امامت وخطابت جیسی دیگر ذمہ داریاں بھی

اٹھانی پڑتی ہیں۔بس یہی وجہ ہے کہ قلیل وقت سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے اردو شروحات کی اشد ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔چنانچہ صد آفرین ہے ان اساتذہ پر جنھوں نے وقت کی ضرورت کومحسوس کرتے ہوئے اس پر تشویش مسئلے کوحل کرنے کے لئے انتھک محنت کر کے ضایع ہوتی ہوئی دینی تعلیم کو بچانے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ان میں سے ایک حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب بھی ہیں جولائق فائق مدرس ہونے کے ساتھ فقہ میں بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔اب انھوں نے درس نظامی کی ایک اہم کتاب سراجی کی اردو شرح بنام الشرح الناجی فی حل السراجی لکھی ہے جو نہ صرف سھل تر ہے بلکہ طلباء ونو آموز مدرسین کے لئے ایک تحفہء خاص ہے کیونکہ اس میں متن سراجی کے حل کے علاوہ بھی میراث سے متعلق بہت سے اضافی مسائل درج کئے ہیں جو یقیناً ایک اہم علمی اضافہ ہے۔اللہ تعالیٰ اس شرح کو اصل کتاب کی طرح قبولیت عامہ عطا فرمائے آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

فقط

غلام رسول افغانی نقشبندی کراچی

تقریظ جلیل

استاذ العلماء مفتی انام شیخ الحدیث والقرآن علامہ مفتی خالد محمود دامت برکاتہم العالیہ

چیئرمین ادارۂ معارف القرآن، کراچی

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میراث کے علم کو نصف علم فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے اس موضوع پر بے شمار کتب تصنیف فرمائی ہیں اور مسائل میراث کو احسن انداز میں عوام الناس تک پہنچانے کی کوشش کی ہے اسی کڑی کا تسلسل عزیزم مکرمی جناب حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فاروق صاحب ہیں۔آپ نے سراجی کی شرح سہل انداز میں تحریر فرما کر طلباء کرام کو فن میراث میں مہارت حاصل کرنے کیلئے راستہ ہموار کیا۔انشاء اللہ العزیز یہ شرح اہل علم کے حلقے میں شرف قبولیت پائے گی اور طلباء اس سے بھرپور استفادہ فرمائیں گے۔اللہ تعالیٰ شارح کی عمر دراز فرمائے اور مزید علمی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خالد محمود

خادم ادارۂ معارف القرآن، کراچی

رائے گرامی

ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت کراچی، خطیب اہل سنت علامہ خلیل الرحمٰن چشتی مدظلہ العالی

پرنسپل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کراچی

اسلام اللہ تعالیٰ کا محبوب وپسندیدہ دین، ایک عالمگیر مذہب اور مکمل ضابطہء حیات ہے جس نے انسان کو تمام شعبہ ہائے زندگی میں مکمل رہنمائی، واضح ہدایات وتعلیمات عطا فرمائی ہیں۔ اسلام ایک ایسا کامل واکمل نظام ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ اسلام اگر ایک طرف ہماری انفرادی زندگی کا محافظ ہے تو دوسری طرف ہماری اجتماعی زندگی کا بھی نگھبان ہے۔ ایک طرف حقوق سے آگائی دیتا ہے تو دوسری طرف فرائض کی نشان دہی بھی کرتا ہے۔ اسلام جس طرح انسانی زندگی میں قدم قدم پر رہبری کرتا ہے اسی طرح انسان کی موت کے بعد بھی میت کے تمام حقوق کو ادا کرنے کا درس دیتا ہے۔

اسلام میت کی تجہیز تکفین کے تمام مسائل کی ساتھ ساتھ لواحقین کے حقوق کی ادائیگی پر بھی زور دیتا ہے اسلامی معاشرہ میں تقسیم وراثت اتنا اہم اور ضروری مسئلہ ہے کہ اسے نصف علم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن افسوس ناک امر یہ ہے کہ اس علم کو سیکھنا تو در کنار ہم نے وراثت کی تقسیم میں جس لاپرواہی کا مظاہرہ کیا ہے اسکی وجہ سے نہ جانے کتنے مسائل پیدا ہو رہے ہیں، کتنے ہی مسلمان لاشعوری طور پر دوسروں کا مال ناحق کھا رہے ہیں، لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ میت کی تجہیز وتکفین اور تدفین کے اخراجات اور قرض کی ادائیگی اور وصیت کو پورا کرنے کے بعد بقیہ مال فالفور ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے۔

تقسیم وراثت اور ورثاء کی تقسیم جس علم میں بیان کی جاتی ہے اسے علم میراث یا علم الفرائض کہا جاتا ہے۔ اس علم کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر تمام دینی مدارس میں علم الفرائض سیکھنے اور سیکھانے کیلئے علامہ سراج الدین محمد بن محمود بن عبدالرشید سجاوندی علیہ الرحمہ کی مشہور ومقبول کتاب "السراجیہ" پڑھائی جاتی ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اس کتاب کو سمجھنے اور مسائل حل کرنے میں طلباء کو دشواری ہوتی ہے، اس لئے طلباء ومبتدی اساتذہ کی رہنمائی کیلئے ہمارے ادارے کے رئیس دارالافتاء نوجوان عالم دین حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فاروق خاصخیلی دامت فیوضہم نے اس کتاب کی اردو زبان میں مکمل شرح بنام "الشرح الناجی فی حل السراجی" تحریر فرمائی ہے

یقیناً سراجی کے دیگر تراجم وحواشی موجود ہیں لیکن یہ کتاب کئی اعتبارات سے طلباء کیلئے بہت مفید ہے مثلاً:

☆ متن کو اعراب سے مزین کیا گیا ہے تاکہ عبارت پڑھنے اور بیان کرنے میں غلطی سے بچا جائے۔

☆ تحریر میں سادہ اور سلیس انداز تدریس کو اختیار کیا گیا ہے۔

☆ مثالیں دیگر مسائل کو ذہن نشین کروانے کی سعی کی گئی ہے۔

☆ ترجمے اور تشریح میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ کسی بھی مقام پر مشکل عبارت کا ترجمہ چھوڑا نہ جائے بلکہ اسے آسان کر کے تحریر کیا گیا ہے تاکہ عبارت کے ہر ہر جملے کا فہم حاصل ہو سکے۔

☆ طلباء کو مسائل کے حل میں دلچسپی کیلئے کثیر الاستعمال قواعد کی مشق بھی جا بجا دی گئی ہے۔

☆ مختلف مقامات پر علم میراث کے متعلق متفرق مسائل کا ذکر کیا گیا ہے جو کتاب سے تعلق تو نہیں رکھتے مگر معلومات اور فوائد سے خالی نہیں۔

☆ سراجی میں ذکر کی جانے والی احادیث کی شرح میں اسماء الرجال پر خاص طور پر کلام کیا گیا ہے۔

☆ افادہ عام کیلئے کتاب کے آخر میں وراثت سے متعلق کثیر الوقوع مسائل پر مشتمل ضمیمہ تحریر کیا گیا ہے۔

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فاروق خاصخیلی دامت فیوضہم سندھ کے عظیم اور اپنے وقت کے بہت بڑے عالم سعدیٔ زماں، رومیٔ دوراں، مفتیٔ ملت حضرت مفتی عبدالرحمٰن پنہور قاسمی حسینی رحمہ اللہ تعالیٰ اور فقیہ الامت مناظر اسلام حضرت مفتی اللہ ڈنو جمارانی کے شاگرد ارجمند ہیں اور اسی طرح مفتی صاحب نے یادگار سلف حضرت علامہ مولانا فیض احمد اویسی مدظلہ العالی سے بھی اکتساب فیض کیا ہے۔

کتب بنی اور مسائل کے حل سے بہت شغف رکھتے ہیں۔ 2003ء سے ہمارے ادارے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ سائٹ کراچی میں منصب تدریس پر فائز ہیں اور دارالافتاء میں آنے والے مسائل کا حل بھی تلاش کرتے ہیں۔ ان کے تمام ہی فتاوی تحقیق وتخریج سے مزین ہوتے ہیں۔

سراجی کی شرح بھی بہت محنت اور لگن سے تحریر فرمائی ہے اور ایک ایسی شرح وجود میں آئی جسے ایک عرصے تک یاد رکھا جائے گا اور طلباء واساتذہ اس سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کی اس سعی وکوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

والسلام

خلیل الرحمٰن چشتی

پرنسپل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ سائٹ کراچی۔

ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت پاکستان، کراچی۔

تقریظ جلیل

ناظم تعلیمات دارالعلوم محمدیہ غوثیہ حضرت علامہ محمد ناصر خان ترابی زید مجدہ

عبادت اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت کا دوسرا نام ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں زندگی میں اپنے والدین، عزیز، رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ارشاد فرمایا اور مرنے کے بعد بھی انکے حقوق کی پاسداری کا حکم ارشاد فرمایا، خواہ وہ انکی تجہیز و تکفین کی صورت میں ہو یا انکے چھوڑے ہوئے مال کو صحیح حقداروں تک پہنچانے کی صورت میں ہو۔ چنانچہ سورہ نساء، آیت نمبر ۱۱ تا ۱۲ اور سورہ نساء، آیت نمبر ۱۷۶ میں وراثت کے احکام تفصیلاً ذکر کئے گئے ہیں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم وراثت کو سیکھنے سیکھانے کی خاص تاکید فرمائی ہے، لیکن اسکے باوجود خوش قسمتی کہیں یا بد قسمتی، درس نظامی کے نصاب میں جہاں صرف ونحو اور منطق و فلسفہ کی متعدد کتب پڑھائی جاتی ہیں وہیں علم المیراث میں فقط ایک کتاب السراجیہ رکھی گئی ہے اور اسکے بھی سمجھانے کیلئے قابل اساتذہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ بھی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ناپید ہوتے جارہے ہیں۔

اس فن میراث کی ترویج کی خاطر ہمارے دارالعلوم کے استاذ اور رئیس دارالافتاء مفتی محمد فاروق رضوی خانحیلی مدظلہ العالی نے سراجیہ کی سہل تر اردو شرح تحریر فرما کر نو آموز مدرسین وطلباء کو ایک ایسا تحفہ عطا کیا ہے کہ جس سے انشاء اللہ اس فن میں طلباء کی رغبت بڑھے گی۔ اور امید ہے کہ یہ شرح اہل علم کے مابین پسند کی جائے گی، اللہ تعالیٰ مصنف کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

فقط

محمد ناصر خان قادری ترابی

خادم دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، نیو لیبر کالونی، کراچی۔

صاحب سراجی کا تحقیقی تعارف

شارح سراجی مفتی محمد فاروق خاصخیلی

دنیا میں بہت سی ایسی ہستیاں گزر چکی ہیں جن کا کام تو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا لیکن ان کے نام گمنام ہی رہے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایسی شخصیات خود بھی نام وری سے دلچسپی نہیں رکھتی تھیں، گویا یہ مقدس ہستیاں نام پر نہیں کام پر یقین رکھتی تھیں۔

انھیں جواہر پاروں میں سے ایک حضرت سراج الدین محمد بن محمود بن عبد الرشید سجاوندی حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں جن کی تصنیف کو اللہ تعالیٰ نے ایسی مقبولیت و بقاء عطا فرمائی کہ ہر دور میں علماء و صلحاء اس سے فیض حاصل کرتے چلے آرہے ہیں۔

اس عظیم شخصیت کے تعارف سے جہاں سراجی کے کبار شارحین کے اقلام خاموش ہیں وہیں کتب سیرت و تواریخ بھی آپ کے تذکرے سے خالی ہیں۔

راقم الحروف نے **هدية العارفين، اكتفاء القنوع بما هو مطبوع، مفاتيح العلوم، ايضاح المكنون، الفهرست، فهرس الفهارس، معجم المطبوعات، ابجد العلوم، كشف الظنون، الرسالة المستطرفة** اور اسکے علاوہ دیگر سیرت و تواریخ کی ۱۴۸ کتب کھنگالنے کے باوجود حضرت سجاوندی علیہ الرحمۃ کے تفصیلی حالات پر واقف نہ ہو سکا، تاہم مذکورہ کتب میں سے بعض نے آپ اور آپ کے شارحین کے اسماء پر ہی اکتفاء کیا ہے۔

فقیر نے مزید تلاش و بسیار سے کام لیا تو محض اتنا معلوم ہو سکا کہ آپ کا پورا نام **امام سراج الدین محمد بن محمود بن عبد الرشید السجاوندی الحنفی** رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے[1]

اور آپ کی نسبت سجاوند میں بھی تین اقوال منقول ہیں:۔

۱۔ سجاوند خراساں کے علاقوں میں سے ایک علاقہ ہے۔

۲۔ افغانستان کے دار الخلافہ قابل کے کسی نواحی علاقے کا نام ہے۔

۳۔ ملک سیستان کے ایک پہاڑ کا نام سگاوند ہے جس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس پہاڑ میں کتے کثرت سے پائے جاتے

[1] كشف الظنون، ج۲، ص۲۲۳، دار الفكر، بيروت

ہیں، اس لئے اسے سگاوند کہا جاتا ہے اور عربی میں اسے سجاوند کہا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان تین مقامات میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتے ہیں۔ رہا آپ کا زمانہ حیات تو اسکے متعلق بھی کوئی حتمی رائے منقول نہیں ہے، کسی نے تیسری، کسی نے چوتھی، تو کسی نے چھٹی اور ساتویں ہجری کا اندازہ لگایا ہے غالباً اسی اختلاف کے پیش نظر صاحب کشف الظنون جناب حاجی خلیفہ الشہیر ملا کاتب چلپی متوفی ۱۰۶۷ھ نے آپکے سن وفات کو خالی چھوڑ دیا ہے [۱]

البتہ زیادہ تر حضرات کی رائے چھٹی یا ساتویں صدی کی ہے، لیکن حضرت حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں سراجی کے شارحین کی جو طویل فہرست ترتیب دی ہے ان میں سب سے قدیم شارح حضرت ابو الحسن حیدرہ بن عمر الصغانی کا ذکر کیا ہے جن کی سن وفات ۳۵۸ھ بیان کی ہے [۲] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سجاوندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوتھی یا تیسری صدی یا اس سے پہلے ہو گذرے ہیں۔

لیکن بعض سوانح نگاروں [۳] نے اس پر یہ کہہ کر اعتراض کیا ہے کہ صاحب کشف الظنون کا، حضرت علامہ ابو الحسن کو سراجی کے شارحین میں شمار کرنا کسی طرح درست نہیں، کیونکہ سراجی کے شارحین میں سے کوئی بھی شارح ساتویں صدی ہجری سے پہلے کا نہیں ہے، لیکن فقیر کے نزدیک یہ اعتراض بالکل بے سند اور لغو ہے کیونکہ

اولاً: تو اس اعتراض کی کوئی قوی دلیل نہیں،

ثانیاً: حضرت علامہ ابو الحسن کو سراجی کے شارحین میں شمار کرنے میں صاحب کشف الظنون تنہا نہیں ہیں، بلکہ طبقات القاری اور صاحب ہدیۃ العارفین بھی ہیں، چنانچہ صاحب ہدیۃ العارفین "البابانی" لکھتے ہیں:۔

> ابو الحسن حیدره بن عمر بن الحسن الصغانی الحنفی المتوفی سنة 358 ثمان وخمسین وثلاثمائة. له شرح الجامع الصغیر للشیبانی. صنف فرائض السراجیة. مختصر فی الفقه علی مذهب داود. " من طبقات القاری" . [۴]

نیز اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سراجی کے شارحین میں احناف کا ایک بہت بڑا نام شمس الائمہ علامہ سرخسی کا بھی آتا ہے جن کی وفات ۴۹۰ ہجری میں ہوئی ہے [۵]

---

[۱]، [۲] کشف الظنون، ج۲، ص۲۳۳، دار الفکر، بیروت [۳] اختر راہی: مؤلف تذکرہ مصنفین درس نظامی

[۴] هدیة العارفین، باب الخاء، ج۱، ص ۱۸۰ [۵] مشکوٰۃ السراج ص۴

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب سراجی ساتویں صدی ہجری سے پہلے کے ہیں اور صاحب کشف الظنون کا علامہ ابوالحسن کو سراجی کے شارحین میں شمار کرنا درست ہے۔

اس کے علاوہ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض سوانح نگاروں مثلاً: ظفر المحصلین باحوال المصنفین کے مصنف مولوی محمد حنیف گنگوہی، فاضل دارالعلوم دیوبند نے صاحب سراجی علامہ سراج الدین کا تعارف کراتے ہوئے بہت بڑی ٹھوکر کھائی ہے، موصوف نے صاحب سراجی کے تعارف میں علامہ سجاوندی علیہ الرحمہ کے بجائے انکے ہم نام ایک اور چھٹی صدی ہجری کے حنفی بزرگ کا تعارف درج کر دیا ہے جو کہ بہت بڑے محدث ومفسر گزرے ہیں، جبکہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ صاحب سراجی چوتھی صدی یا اس سے پہلے کے ہیں، حضرت حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

السجاوندی – محمد بن محمد بن عبد الرشید بن طیفور سراج الدین ابو طاهر السجاوندی الحنفی المتوفی فی حدود سنة ٦٠٠ ستمائة وقیل سنة ٧٠٠ من تصانیفه تجنیس فی الحساب، ذخائر نثار فی اخبار السید المختار ﷺ، رسالة فی الجبر والمقابلة، عین المعانی فی تفسیر السبع المثانی ای تفسیر الفاتحة واختصره وسماه انسان عین المعانی، فرائض السراجیة، کتاب الوقف والابتداء وغیر ذلک [1]

اسکے علاوہ حاجی صاحب نے سراجیہ کے تعارف میں صاحب سراجی کی کنیت ذکر نہیں کی جبکہ یہاں اس سجاوندی کی کنیت ابوطاہر ذکر کی ہے، اسی طرح صاحب سراجی کے دادا کا نام محمود اور اِنکے دادا کا نام محمد ذکر کیا ہے اور صاحب سراجی کا سن وفات چھوڑ دیا ہے اور ان کے شارحین میں علامہ ابوالحسن متوفی ۳۵۸ کا ذکر کیا ہے جبکہ یہاں اس بزرگ کی سن وفات چھٹی یا ساتویں ہجری بیان کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لقب ابوطاہر سے ملقب مروجہ سراجی کے مصنف مراد نہیں ہے بلکہ یہ اور حنفی بزرگ ہیں جو سجاوندی ہونے کے ساتھ فرائض سراجیہ نامی کتاب کے مصنف بھی ہیں۔

اسی طرح فاضل دیوبند اور کچھ دیگر حضرات نے سراجی کو متن میں شمار کیا ہے جبکہ یہ بھی خطاء فاحش ہے کیونکہ سراجی خود حضرت قاضی علاؤ الدین السمرقندی کی دوورقہ فرائض کی شرح ہے جیسا کہ سید السند الشریف الجرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: **ان المصنف لما خرج من فرغانة الی بخارا وجد فیها الفرائض المنسوبة الی القاضی الامام**

[1] کشف الظنون ٦/٨٥ دارالفکر، بیروت

علاء الدين السمرقندی فی ورقتین فاستحسنھا واخذ فی تصنیف ھذا الکتاب شرحا لھا [1]

مصنف علیہ الرحمہ جب فرغانہ سے بخارا گئے تو وہاں قاضی امام علاء الدین السمرقندی کی طرف منسوب فرائض کو دو ورقوں میں پایا جو انھیں پسند آئے تو ان کی شرح کے طور پر اس کتاب سراجیہ کو لکھنا شروع کیا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے سراجیہ کو ایسی مقبولیت عامہ عطا فرمائی کہ دنیا کی تمام زندہ زبانوں میں اس کی شروحات اور حواشی لکھی گئی یہاں تک کے سن ۱۷۹۲ء میں انگریزی زبان میں بھی ترجمہ اور شرح لکھی گئی [2]۔ اس کے علاوہ صرف حضرت حاجی خلیفہ نے لگ بھگ سراجی کے پچاس شارحین ومحشین کا ذکر کیا ہے جن میں سے چار ایسے بزرگ ہیں جنھوں نے نظم کی صورت میں شرح لکھی ہے جبکہ اس فقیر کی حقیرانہ تحقیق کے مطابق گیارہ بزرگوں نے سراجی کی بطور نظم شروحات لکھی ہیں، جن کے اسماء درج ذیل ہیں:۔

۱۔ ابوعبداللہ تاج الدین عبداللہ بن علی سنجاری	متوفی ۷۹۹ھ
۲۔ فخرالدین احمد بن علی بن الفصیح الہمدانی	متوفی ۷۵۵ھ
۳۔ محمود بن عبداللہ الگلستانی الحنفی	متوفی ۸۰۱ھ
۴۔ ابوالعز عزالدین طاہر بن حسن المعروف بابن حلبی	متوفی ۸۰۸ھ [3]
۵۔ عمر بن مصطفیٰ بن ابی اللطف الحنفی الطرابلسی الشہیر بابن الکرامۃ	متوفی [4]
۶۔ احمد بن علی بن احمد الکوفی البغدادی	متوفی
۷۔ محمود بن محمود الشمس الحنفی المدعو بشیخ البخاری	متوفی
۸۔ عبداللہ بن علی تاج ابوعبداللہ بخاری الحنفی	متوفی ۷۷۹ھ [5]
۹۔ عبدالملک بن عبدالوہاب بن صالح الفتنی الگجراتی	متوفی ۱۹۰۹ء [6]
۱۰۔ عبدالاول بن میر علائی الحسینی الزیدپوری الہندی الدہلوی	متوفی ۹۶۸ھ [7]
۱۱۔ شیخ عطاء اللہ بن عبدالرحمن	متوفی [8]

---

[1] شریفیه شرح سراجیه، ص۹۶ [2] اکتفاء القنوع بما هو مطبوع، الباب المختصر فی الفقه ج۱، ص۵۱

[3] کشف الظنون، ج۲، ص۱۲۳۳ [4] معجم المؤلفین، ج۷ص۳۲۰ [5] هدیة العارفین، باب العین، ج۱،ص۲۴۳

[6] الاعلام للزرکلی، ج۴، ص۱۶۱ [7] هدیة العارفین، باب العین، ج۱،ص۲۵۷

[8] معجم المطبوعات، ج۲، ص۱۵۷۶

تعارف شارح سراجی

مولانا عصمت نواز نقشبندی

سندھ دنیا کا وہ زرخیز خطہ ہے، جہاں ہر دوَر میں جید عامل کامل اولیاء وعلمائے کرام کا وجود مسعود رہا ہے مثلاً: حضرت شاہ عبد اللطیف بھٹائی، حضرت لعل شہباز قلندر، حضرت علامہ عابد انصاری محشی صحاح ستہ، مجدد وقت مخدوم محمد ہوشم ٹھٹوی اور حضرت علامہ عبدالواحد سیوستانی رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔

دوَر حاضر میں بھی بہت سے مستند جید علمائے کرام موجود ہیں، جن میں سے ایک استاذنا، سیدنا، سندنا رئیس المدرسین زینۃ المحققین حضرت علامہ ومولانا مفتی محمد فاروق رَضوی حسَینی خاصخیلی دامت برکاتھم عالیہ بھی ہیں۔

ولادت وابتدائی تعلیم: آپ کی ولادت باسعادت سندھ کے مشہور ومعروف شہر لاڑکانہ سے چند کلومیٹر دور گھوگھارو نامی گاؤں میں ۱۱۰ اکتوبر ۱۹۷۹ کو ایک دین شناس اور نیک سیرت گھرانے میں ہوئی۔ آپ کی تعلیم کی خشت اول آپ کی محترمہ والدہ ماجدہ نے رکھی، چناں چہ ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ اور اپنے ماموں جناب حافظ حاجی خان خاصخیلی سے حاصل کی۔ میٹرک تک اسکول کی تعلیم بھی اپنے ہی گاؤں گھوگھارو میں حاصل کی، بعدازاں قریبی شہر نصیرآباد کے کالج میں آپ نے داخلہ لیا، اور پھر وہیں سے آپ کا میلان مذہب کی جانب ہوا جس کے نتیجے میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا شوق بھی دامن گیر ہوا۔ چناں چہ آپ نے لاڑکانہ شہر کی قدیم دینی درسگاہ دارالعلوم سید غلام مرتضٰی شاہ جیلانی میں داخلہ لیا۔ جہاں آپ نے استاذ العلماء شیخ الفضلاء عمدۃ الفقہاء سعدی زماں مفتی ملت حضرت مفتی عبدالرحمٰن پہنور قاسمی حسینی رحمہ اللہ کے پرشفقت سائے میں رہ کر چند ہی سالوں کے اندر مروجہ نصاب مکمل کر کے فارغ ہوئے، بعد از فراغت اپنے شفیق استاذ کے زیرسایہ مبتدی طلباء کے پڑھانے پر مقرر ہوئے اور ساتھ ہی فتویٰ نویسی کی تربیت بھی حاصل کرتے رہے۔

آپ کے دیگر اساتذہ میں فقیہ الامت مفتی اللہ ڈنو جمارانی، فیض ملت محمد فیض احمد اویسی اور علامہ عبدالقادر مدنی دامت فیوضہم سرفہرست ہیں۔

بیعت: ۔ دوَران تعلیم ہی آپ نے سندھ کی مشہور ومعروف روحانی شخصیت الشیخ الکامل پیر طریقت، رہبر شریعت مخدوم اہل سنت حضرت پیر سید غلام حسین شاہ بخاری نقشبندی مجددی دامت برکاتھم عالیہ (قمبر شریف) کے دست اقدس پر سلسلہء عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ آپ دوَران درس اکثر اپنے پیرومرشد اور کامل اساتذہ کرام کے مشاہداتی کرامات و

فیوضات کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے پیرومرشد و اساتذہ سے کتنی دلی وابستگی ہے۔

طبعی مزاج: آپ نہایت ہی سادہ طبیعت کے مالک ہیں، آپ میں اپنے مشفق استاذ حضرت مفتی ملت عبد الرحمٰن رحمہ اللہ کی طرح نہ تصنع ہے اور نہ ہی خود ساختہ رکھ رکھاؤ، بلکہ نری سادگی ہی سادگی ہے، آپ اپنے اساتذہ کا عکس و پرتو ہیں۔

تصنیف: آپ نہ صرف یہ کہ با کمال مدرس ہیں بلکہ بہترین مصنف بھی ہیں، آپ کی عمر ابھی اتنی زیادہ نہیں، تقریباً تیس سال ہے لیکن پھر بھی ایک عمدہ مصنف کی حیثیت سے سر بلند ہوئے ہیں۔ آپ کی تصانیف میں سراجی کے علاوہ۔ النبی الطاہر حاضر و ناظر۔ کتاب التوحید والرسالت۔ حضرت آصف بن برخیا اور عقائد اہل سنت بھی ہیں۔ ابھی آپ شرح عقائد نسفی کی نہایت ہی شاندار اور سہل تر شرح تحریر فرما رہے ہیں، انشاء اللہ عنقریب وہ بھی منظر عام پر آ کر علماء وطلباء کے حلقوں میں شرف قبولیت حاصل کرے گی۔

فی الوقت استاذی المکرّم پچھلے چھ سالوں سے دار العلوم محمدیہ غوثیہ سائیٹ کراچی میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور ساتھ ہی دار الافتاء کی سرپرستی بھی فرما رہے ہیں۔ آخر میں بارگاہ ایزد متعال میں بصد عجز و انکسار التجاء ہے کہ آپ کی حیات و عافیت میں برکت دے اور آپ کا سایہ عطوفت ہمارے سروں پر تا دیر سلامت رکھے آمین یا رب العالمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

خویدم علمائے حق

بندہ ناچیز عصمت نواز نقشبندی

مدرس جامعہ اسلامیہ وخطیب

جامع مسجد نور مصطفیٰ شیر شاہ کراچی

تقدیم

استاذ العلماء عمدۃ الفقہاء محمد عطاء اللہ نعیمی نقشبندی زید مجدہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم الانبياء والمرسلين
وعلى اله واصحابه اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين اما بعد

علم الفرائض اجل اور نفیس علوم میں سے ایک علم ہے، اس کا ہماری زندگیوں میں بھرپور دخل ہے اور ہمارے روزمرہ کے معاملات کے ساتھ اس کا پورا ربط ہے اس لیئے کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ جس میں اموات واقع نہ ہوتی ہوں اور لوگ وارث نہ بنتے ہوں، اسی لئے قرآن کریم میں وراثت کے احکام، تقسیم ترکہ کے اصول، حقدارانِ ترکہ اور ان کے حصص کو بیان کیا گیا اور علامہ علاؤالدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں: وسمى فرائض لان الله تعالى قسمه بنفسه واوضحه وضوح النهار بشمسه[1]

یعنی اسے فرائض کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود تقسیم فرمایا اور دن کے سورج کی طرح واضح فرمادیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حدیں قرار دیا، چنانچہ ارشاد ہوا ﴿تلک حدود اللہ الایۃ﴾[2]

ترجمہ: یہ اللہ کی حدیں ہیں (کنزالایمان) اور ساتھ ہی ماننے والوں، حکم کی بجاآوری کرنے والوں کو جنت کا مژدہ اور نہ ماننے والوں، کل حدوں سے آگے بڑھ جانے والوں کو عذابِ نار کی وعید سنائی گئی:

چنانچہ ارشاد ہوا﴿ومن يطع الله ورسوله يدخله جنات تجرى من تحتها الانهار خالدين فيها وذلك الفوز العظيم ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله نارا خالدا فيها وله عذاب مهين﴾[3]

اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی اور جو اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے اور اسکی کل حدوں سے بڑھ جائے اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا۔ اور اس کے لئے خواری کا عذاب ہے۔ (کنزالایمان)

اور اسی لئے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس علم کی اہمیت وفضیلت کو بیان کرتے ہوئے اس کے سیکھنے اور سکھانے پر زور دیا گیا، چنانچہ امام ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ[4] امام عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ[5] امام علی

---

[1] الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الفرائض ۷۵۸/۶، دارالفکر بیروت [2] النساء ۱۳/۴ [3] النساء ۱۳/۴، ۱۴

[4] الجامع و السنن الترمذی، کتاب الفرائض، باب مأجاء فی تعلیم الفرائض، رقم ۲۰۹۱، ۱۶۱/۳، دارالکتب العلمیة

[5] سنن ابن ماجه، کتاب الفرائض، باب الحث على تعليم الفرائض، رقم ۲۷۱۹، ۳۲۲/۳، دارالکتب العلمیة، بیروت

بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ ۶، حافظ عبد القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ ۷، امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ ۸ اور امام ابو بکر محمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ ۹ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ﴿تعلّموا الفرائض و علّموہ فانّہ نصفُ العلمِ وانّہ یُنسٰی و ھو أولُ مَا یُنزَعُ مِن أمّتِیْ. واللفظ للحاکم﴾

یعنی تم علم الفرائض سیکھو بے شک یہ آدھا علم ہے اور یہ بھلوا دیا جائے گا اور یہی پہلا علم ہے جو میری امت سے چھین لیا جائے گا۔

اور امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ ۱۰، امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری ۱۱، اور امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی متوفی ۲۵۵ھ ۱۲ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ﴿تعلّموا الفرائضَ و علّموہُ النّاسَ فَانّی امرءٌ مقبوضٌ و انّ العلمَ سیُقبَضُ حتیٰ یختلفَ الاثنانِ فِی الفَرِیضۃِ لایجِدَانِ احدًا یفصِلُ بینھُما﴾ ولفظ للحاکم

یعنی تم علم الفرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ پس بے شک میرا عنقریب وصال (باکمال) ہونے والا ہے اور یہ علم عنقریب اٹھا لیا جائے گا، حتی کہ دو افراد جائیداد کے حصے میں اختلاف کریں گے تو کسی ایسے کو نہ پائیں گے جو ان کے مابین فیصلہ کرے۔

اور امام بیہقی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے فرمایا کہ ﴿تعلّموا الفرائضَ فانّہ مِن دِینِکم﴾ ۱۳ یعنی تم علم الفرائض سیکھو بے شک یہ تمہارے دین سے ہے۔

اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ یہ جلیل القدر علم لوگوں کو سکھانے کیلئے خود شام تشریف لے گئے ۱۴

---

۶ سنن الدار قطنی، کتاب الفرائض والسیر وغیر ذالك، رقم ٤٠١٤، ٤/٣٧ دارالکتب العلمیۃ، بیروت

۷ المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ محمد، رقم ٥٢٩٣، ٤/٨٤، دارالفکر بیروت

۸ المستدرك علی الصحیحین، کتاب الفرائض، رقم ٨٠١٨، ٥/٤٧٤، دارالمعرفہ بیروت

۹ السنن الکبری للبیھقی، کتاب الفرائض، باب الحث علی تعلیم الفرائض، رقم ١٢١٧٥، ٦/٣٤٣ دارالکتب العلمیۃ

۱۰ السنن الکبری النسائی، کتاب الفرائض، باب الامر بتعلیم الفرائض، رقم ٦٣٠٥، ٤/٦٣ دارالکتب العلمیۃ، بیروت

۱۱ المستدرك علی الصحیحین، کتاب الفرائض، رقم ٨٠٢١، ٥/٤٧٥، دارالمعرفۃ بیروت

۱۲ سنن الدارمی، المقدمۃ، باب الاقتداء بالعلماء، رقم ٢٢١، ١/٥١ دارالکتب العلمیۃ، بیروت

۱۳ السنن الکبری للبیھقی، کتاب الفرائض، باب الحث علی تعلیم الفرائض، رقم ١٢١٧٧، ٦/٣٤٤ دارالکتب العلمیۃ

۱۴ المیراث فی المذاھب الاربعۃ، مقدمۃ المیراث، الفصل الاول، ص ٩، دارالفکر، بیروت

حدیث شریف میں اس کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہی وہ علم ہے جو سب سے پہلے اٹھالیا جائے گا، اسکے جاننے والے ناپید ہو جائیں گے اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ کسی کو ترکہ میں اپنا حق معلوم کرنا ہوگا تو اسے ایسا شخص نہیں ملے گا جو ترکہ میں اس کا حصہ بتا سکے۔

وَانّــه اوّلُ عــلــمٍ يفتَـقـدُ ☆ فِي الأرْضِ حتّى لايَكادُ يُوجَدُ

یعنی یہ پہلا علم ہے جو روئے زمین سے ایسا مفقود ہوگا کہ پھر نہ پایا جائے گا۔

اور ہمارا مشاہدہ بھی یہی ہے کہ ہر سال بے شمار اہل اسلام مروجہ علوم دینیہ سے فراغت حاصل کرتے ہیں مگر ان میں گنتی کے چند لوگ ایسے ہوں گے جو اس علم کو جانتے ہوں گے۔

اور حدیث شریف میں اسے نصف علم قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس کا تعلق موت کے ساتھ ہے، جبکہ دیگر علوم کا تعلق انسان کی زندگی کے ساتھ ہے [15]

یا یہ وجہ ہے کہ جتنی محنت ومشقت تمام علوم کے سیکھنے میں ہوتی ہے اتنی صرف اس علم کے حاصل کرنے میں ہوتی ہے، اور علامہ علاؤالدین حصکفی فرماتے ہے کہ **ولذا سماه صلى الله عليه وسلم نصف العلم بثبوته بالنص لاغير واما غيره فبالنص تارة وبالقياس اخرى** [16]

یعنی اس لئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے نصف علم فرمایا کیونکہ اس کا ثبوت نص سے ہے نہ کہ اس کے غیر سے اور جبکہ دیگر کا کبھی نص سے ہوتا ہے اور کبھی قیاس سے۔

اور لوگ اصحاب فروض اور فروض کی معرفت کیلئے مجبور ہیں لیکن ورثاء کے متعدد ہونے اور حصوں کے متنوع ہونے کی وجہ سے ورثاء میں سے ہر ایک کے حصے کی پہچان مشکل ہوگئی اس لئے ضرورت پیش آئی کے نصوص میں تطبیق دے کر اس سے اصول وضع کئے جائیں جس سے اس مشکل کا حل اور پریشانی کا تدارک ہو، لہذا ائمہ فقہاء نے یہ خدمت انجام دی اور پھر ہر فقیہ کے فقہی مسائل کو جمع کیا، ابواب کو ترتیب دیا اور فرائض کے نام سے ایک مستقل عنوان قائم کیا۔

تعریف: فرائض فریضہ کی جمع ہے اور مکلّف پر جو فرض ہو اسے فریضہ کہا جاتا ہے اور فرائض سے مراد سہام مقدرہ ہیں اور اصطلاح شرع میں علم الفرائض ایسے قواعد وضوابط کا نام ہے کہ جن کے ذریعے سے ورثاء میں سے ہر ایک کے حق کی پہچان

---

[15] الدرالمختار، ٦/٧٥٨، دارالفکر بیروت

[16] الدرالمختار، ٦/٧٥٨، دارالفکر بیروت

ہو یعنی یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ترکہ میں سے کتنے کا مستحق ہے [17]

موضوع: اسکا موضوع ترکہ ہے اور غایت مستحقین تک حقوق پہچانا۔

ارکان: تین ہیں: ۱۔ وارث ۲۔مورث ۳۔موروث

شرائط: تین ہیں: ۱۔حقیقاً یا حکماً مورث کی موت ۲۔اسکی موت کے وقت حقیقاً یا تقدیراً وارث کا زندہ موجود ہونا ۳۔جہت ارث معلوم ہونا [18]

اس کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر بعض علماء کرام نے اس موضوع پر مستقل کتب ورسائل تصنیف فرمائیں ہیں، انہیں میں سے ایک حضرت علامہ سراج الدین محمد بن عبدالرشید سجاوندی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں، جنھوں نے اس اہم ترین موضوع پر "السراجیہ" کے نام سے مفید تصنیف فرمائی۔اس موضوع پر کی گئی تصانیف میں سے جو شہرت اور قبول تام اسے حاصل ہوا وہ کسی اور کتاب یا رسالہ کو نہ مل سکا۔

علم الفرائض سمجھنے اور سمجھانے، سیکھنے اور سکھانے اور ترکہ تقسیم کرنے میں یہ جتنی مفید ہے شاید ہی کوئی اور اتنی مفید ہو، یہی وجہ ہے کہ علماء دین نے جب مدارس کا نصاب ترتیب دیا تو علم الفرائض کیلئے اسی سراجیہ کا انتخاب کیا، اس لئے دینی تعلیم حاصل کرنے والا ہر طالب علم اسے پڑھتا ہے، ہر دارالافتاء کی یہ ضرورت ہے۔

اگر چہ سراجیہ کا شمار ابتدائی کتب میں ہوتا ہے اور فقہی اصطلاح میں جنہیں متون کہا جاتا ہے یہ ان میں سے نہیں ہے۔چنانچہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت، مجدد ملت امام احمد رضا خاں حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں: سراجیہ اگر چہ ابتدائی کتاب ہے مگر اصطلاح فقہ پر متن نہیں، اسکا مرتبہ فتوی یا غایت درجہ شروح کا ہے [19] لا جرم علامہ سید شریف نے نقل فرمایا کہ سراجیہ درحقیقت فرائض امام احمد علاء الملت والدین سمرقندی کی شرح ہے، چنانچہ سید فرماتے ہیں: مصنف (سجاوندی) علیہ الرحمہ جب فرغانہ سے بخارا تشریف لائے تو وہاں دو اوراق میں تحریر شدہ امام علاؤالدین سمرقندی کی طرف منسوب فرائض کو دیکھا تو اسے بہت پسند کیا اور اس فرائض کی شرح کے طور پر اس کی تصنیف میں شروع ہو گئے [20]

یہ کتاب علماء کے مابین متداول ہے جب سے اس کی تصنیف ہوئی متعدد علماء اس کی شرح اور اس پر حواشی وتعلیقات کی

---

[17] ردالمحتار علی الدرالمختار، ٦/٧٥٧، دارالفکر بیروت

[18] ردالمحتار علی الدرالمختار، ٦/٧٥٨، دارالفکر بیروت

[19] الفتاوی الرضویة، ٢٦/٣٨٤، رضا فاؤنڈیشن، لاھور

[20] الشریفیة شرح السراجیة، ص٩٦، المکتبة الحقانیة، بشاور

طرف متوجہ ہوئے، کہا جاتا ہے کہ اس کے شروح وحواشی تیس سے متجاوز ہے اور ایسے ہی اسے دوسری زبانوں میں بھی منتقل کیا گیا جیسا کہ ترکی، فارسی، اردو، سندھی وغیرہ۔ اسکی چند شروح وحواشی اور منظومات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ شرح السراجی للشیخ مجد الدین حسن بن احمد الحلبی المشہور بابن امین الدولہ المتوفی ۶۰۸ھ

۲۔ ضوء السراج للشیخ محمود بن ابی بکر بن ابی العلاء علی البخاری الکلاباذی الحنفی المتوفی ۷۰۰ھ

۳۔ فرائد التاجی للشیخ عبدالکریم بن محمد بن حسن الہمدانی المتوفی ۷۰۰ھ

۴۔ المواہب المکیہ للشیخ ربوہ محمد بن احمد بن عبدالعزیز دمشقی قونوی ۷۶۴ھ

۵۔ ارشاد الراجی للشیخ شمس الدین محمود بن احمد بن ظہیر اللازندی ۷۲۵ھ

۶۔ شرح السراجیہ للشیخ ابی الحسن حیدر بن عمر

المنظومہ

۷۔ المنظومہ للشیخ فخر الدین احمد بن علی بن الفصیح الہمدانی ۷۵۵ھ

۸۔ " للشیخ ابی عبداللہ تاج الدین عبداللہ بن علی السنجاری ۷۹۹ھ

۹۔ " للشیخ محمود بن عبداللہ بدر الدین گلستانی ۸۰۱ھ

۱۰۔ " للشیخ عبدالعزعز الدین طاہر بن حسن المعروف بابن حبیب الحلبی ۸۰۸ھ

سراجیہ ہمارے ہاں درس نظامی اور پھر تنظیم المدارس کے نصاب میں شامل ہے، لیکن تدریسی تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ طلباء کو اسے سمجھنے میں پریشانی ہوتی ہے اور اساتذہ میں سے بھی جو ان سے منسلک رہا ہوگا وہی پڑھا سکے گا دوسرا پڑھا نہیں سکتا، لہذا اساتذہ طلباء کی رہنمائی کیلئے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان ﴿تعلّموا الفرائضَ و علّموہُ النّاسَ﴾ پر عمل کرتے ہوئے دار العلوم محمدیہ غوثیہ کراچی کے استاذ اور دار الافتاء محمدیہ غوثیہ کے مفتی برادرم مفتی محمد فاروق رضوی خاصخیلی صاحب نے اس مفید کتاب کا اردو زبان میں آسان ترجمہ اور شرح تحریر فرمائی ہے، دیگر تراجم اور حواشی دیکھنے کا اتفاق بھی ہوا ہے مگر احقر نے اس ترجمہ وشرح کو طلباء واساتذہ کیلئے زیادہ مفید پایا ہے، اسکے مسائل سمجھانے کیلئے

آسان اور سہل طریقہ اپنایا گیا ہے اور ساتھ ہی مثالوں کے ذریعے مسائل ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے اور طلباء کے فائدے کیلئے ہر بحث کے بعد مشق کی صورت میں سوالات اور بیچ بیچ میں کتب فتاوی سے نادر مسائل ذکر کئے گئے ہیں، جو کہ یقیناً فائدے سے خالی نہیں ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ مترجم وشارح اور معاونین کی سعی علماء اور طلباء کیلئے سودمند ثابت ہوگی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے طفیل اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

فقط
محمد عطاء اللہ النعیمی النقشبندی
خادم دارالافتاء وجامعۃ النور
جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)
نور مسجد میٹھادر کراچی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ حَمۡدَ الشّٰاكِرِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى خَيۡرِ الۡبَرِيَّةِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ الطَّيِّبِيۡنَ الطَّاهِرِيۡنَ

ترجمہ: شکرگزار بندوں کی تعریف کی مثل تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں، اور رحمت کاملہ اور سلامتی نازل ہو، مخلوق میں سب سے بہتر پر، جن کا نام نامی اس گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اور آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی آل پر، جو ظاہر و باطن کے اعتبار سے پاک ہیں۔

تشریح: اسلامی آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ ہر کام کی ابتداء اللہ جل مجدہٗ کے بابرکت نام سے کرنی چاہئے یہاں تک کہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **غلق بابک و اذکر اسم اللہ و اطفیء مصباحک و اذکر اسم اللہ و خمد اناء ک و اذکر اسم اللہ و اوک و اذکر اسم اللہ** [1] یعنی: تم اپنا دروازہ بند کرو تو اللہ کا نام لیا کرو، دیا بجھاؤ تو اللہ کا نام لیا کرو، برتن ڈھانپوں تو اللہ کا نام لیا کرو، اپنی مشک کا منہ باندھو تو اللہ کا نام لیا کرو۔

نیز علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **قد اتفقت الامۃ علیٰ کتبھا فی اوائل الکتب و الرسائل** [2]

یعنی: کتب و رسائل کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کرنا امت کا متفقہ عمل ہے۔

چنانچہ مصنف اعلام اعلم العلماء المتبحرین افضل الفضلاء المتورعین ینبوع الفضل والیقین الشیخ سراج الدین محمد بن عبد الرشید السجاوندی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب کا آغاز اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے کیا ہے۔

تسمیہ میں نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ قرطبی رحمہ اللہ اپنی مایہ ناز تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں:

ان معنی 'الرحیم' ای بالرحیم وصلتم الی اللہ و الی الرحمٰن' فالرحیم نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' و قد نعتہ تعالیٰ بذالک فقال 'روء ف رحیم' فکان المعنیٰ ان یقول: بسم اللہ الرحمٰن' و بالرحیم' ای وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم و صلتم الی [3]

''تسمیہ میں الرحیم کا معنی یہ ہے کہ اے لوگوں تم رحیم کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ اور رحمٰن تک رسائی حاصل کرو اور رحیم نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤف و رحیم کہہ کر نعت بیان فرمائی ہے یعنی گویا

---

[1] تفسیر قرطبی، مقدمۃ المؤلف ج ا ص ۶۹، [2] تفسیر قرطبی، مقدمۃ المؤلف ج ا ص ۶۹، [3] تفسیر قرطبی، ج ا ص ۷۵

کہ ارشاد فرماتا ہے "اللہ کے نام سے شروع جو بہت بڑا مہربان ہے اور رحیم یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے تم مجھ تک رسائی حاصل کرو"۔

الحمد لله رب العالمين: لطائف المنن میں ابن عطاء اللہ رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

قال الشيخ رحمه الله (يقصد ابو العباس المرسی) علم الله عجز خلقه فی حمده فحمدنفسه فی ازله، فلماخلق الخلق اقتضیٰ منهم ان يحمده فقال: "الحمد لله رب العالمين" ای قولوا الحمد لله رب العالمين ای الحمد الذی حمد به نفسه بنفسه هو له لا ينبعی ان يكون لغيره [1]

"شیخ ابوالعباس مرسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ مخلوق اسکی حمد کرنے سے عاجز رہے گی چنانچہ ازل ہی میں رب کریم نے خود ہی اپنی حمد بیان فرمائی، پھر جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو ان سے اپنی حمد کرنے کا تقاضا کرتے ہوئے فرمایا **الحمد لله رب العالمين** یعنی کہو کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس کا مطلب ہے کہ تمام تعریفیں اس ذات کے لیئے ہیں جس نے خود اپنی ایسی حمد بیان کی جو اس کی ذات کے ساتھ خاص ہے اس کے علاوہ کوئی اور اس کے لائق نہیں ہے"۔

چنانچہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتی ہے لیکن ان سب سے زیادہ مقبول حمد انبیاء، اولیاء اور علماء کرام کی ہے لہذا مصنف نے بھی حمد الشاکرین کہہ کر اپنی حمد کو ان متبرک و بزرگ ہستیوں کی حمد کے ساتھ ملا دیا تا کہ ان کے ساتھ مصنف کی حمد بھی بارگاہ ربوبیت میں مقبول ومنظور ہو جائے:

والصلوة و السلام: اہل ایمان کی یہ عادت مستمرہ رہی ہے کہ اپنی ہر تصنیف وتالیف کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اپنے پیارے ہادی ومرشد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود وسلام کے نذرانے پیش کرتے ہیں جیسا کہ حضرت علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف کتاب الشفاء الشریف میں لکھتے ہیں:

ومن مواطن الصلاة التی مضى عليها عمل الامة ولم تنكرها: الصلاة على النبی صلی الله عليه وسلم و آله فی الرسائل مايكتب بعد البسمله ولم يكن هذا فی الصدر الاول و احدث عند ولاية بنی هاشم فمضى به عمل الناس فی اقطار الارض ومنهم من يختم به ايضا الكتب، وقال صلی الله عليه وسلم "من صلی علی فی كتاب لم تزل الملائكه تستغفرله مادام السمی فی ذالک الكتاب" [2]

"جن مقامات پر درود وسلام پڑھنے پر امت کا عمل چلا آرہا ہے اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا ان میں سے ایک

---

[1] لطائف المنن ص ۱۲۵، [2] کتاب الشفاء الشریف، جز ۲ ص ۴۲۸

مقام کتب ورسائل کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد درود وسلام لکھنے کا معمول بھی ہے اور یہ معمول صدر اول میں نہیں تھا بلکہ دورہ بنی ہاشم میں اس کی ابتداء ہوئی بعد ازاں یہ عمل روئے زمین میں جاری وساری ہو گیا اور بعض مصنفین تو کتاب کی ابتدا اور انتہا میں بھی درود وسلام لکھتے ہیں۔

کتاب کی ابتدا میں درود وسلام لکھنے پر انعام

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "جس نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے گا اس وقت تک فرشتے اس کے لیئے مغفرت طلب کرتے رہیں گے"۔

چنانچہ حضرت علامہ سجاوندی نے بھی بہت ہی عمدہ انداز میں بارگاہ رسالت میں ھدیہء درود وسلام پیش کر کے اپنی تالیف کا آغاز کیا ہے۔

قَالَ: رسولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تعالی عَلَیہِ وَسلَّم ﴿تعَلَّمُوا الْفرَائِضَ وَعَلِّمُوهَا النَّاسَ فَإنَّها نِصفُ الْعِلْمِ﴾

ترجمہ: حضور پرنور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم الفرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اس لئے کہ یہ آدھا علم ہے۔

تشریح۔ مصنف رحمہ اللہ نے جس فن میں یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے اس کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیئے حمد وصلوۃ کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان نقل کیا ہے تاکہ طلباء کرام پر یہ واضح ہو جائے کہ جس متبرک فن کو وہ حاصل کرنے جا رہے ہیں وہ کتنا عظیم اور بزرگی والا ہے نیز ان کا یہ مقصد بھی ہے کہ لوگوں کا اس فن کے حصول میں شوق اور رغبت بڑھے کیونکہ یہی وہ علم ہے جو سب سے پہلے اٹھا لیا جائے گا جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دے دی تھی چنانچہ مستدرک للحاکم میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿قَال رسو لُ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ علیه وسلّم تعَلَّمُوا الفرائضَ وَ علِّمُوهُ فإنّه نِصفُ العِلمِ وإنّه يُنسٰی و هو أولُ مَا يُنزَعُ مِن أمّتِيْ﴾ [1]

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم فرائض سیکھو اور اسکو سکھلاؤ اس لیئے کہ یہ آدھا علم ہے اور یقیناً یہ علم بھلا دیا جائے گا اور یہی وہ علم ہے جو سب سے پہلے میری امت سے سلب کر دیا جائے گا۔

اسی طرح مستدرک ہی میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ﴿قَال رَسُو لُ اللّٰہِ صَلّی اللّٰہُ عَلَیہ وَسَلّم تَعلَّمُوا الفرائِضَ و عَلِّمُوهُ النّاسَ فَإنّي امرءٌ مقبوضٌ و إنّ العلمَ سيُقبَضُ حتیٰ يختلف الاثنَانِ فِي الفَرِيضةِ لايجِدَان احدًا يفصِلُ بينَهُما﴾ [2]

---

[1] مستدرک للحاکم، رقم الحدیث ۸۰۶۷ [2] مستدرک للحاکم، رقم الحدیث ۸۰۷۰

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم الفرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ میرا وصال ہونے والا ہے اور علم الفرائض بھی اٹھنے والا ہے یہاں تک کے فرائض (جائداد) کے مسئلہ میں دو شخص آپس میں اختلاف کریں گے اور کوئی ایسا عالم نہیں پائیں گے جو ان کے درمیان فیصلہ کرے۔

محترم طلبائے کرام: اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمانات کو سامنے رکھتے ہوئے آج اس بات کا بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے اس ملک میں سالانہ کتنے طلباء کرام مدارس سے فارغ التحصیل ہو رہے ہیں اور کتنے مدرسین پڑھا رہے ہیں لیکن اس کے باوجود چند ہی ایسے افراد ہیں جو اس اہم اور متبرک فن کے جاننے والے ہیں، حالانکہ آپ معلوم کر چکے کہ یہ نصف العلم ہے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سیکھنے اور سکھانے کی خاص تاکید فرمائی ہے۔

اس لیئے آپ طلباء کرام سے گزارش ہے کہ اس علم کی طرف توجہ دیں اور محنت و لگن کے ساتھ اسے سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں تا کہ اس نعمت عظمیٰ سے خود بھی مستفیض ہوں اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائیں۔

قَالَ عُلَماؤُنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تعالیٰ تَتَعَلَّقُ بِتَرِكَةِ الْمَيِّتِ حُقُوقٌ أَرْبَعَةٌ مُرَتَّبَةٌ الاوّلُ يُبْدَاءُ بِتكفينِهٖ و تجهيزِهٖ بِلا تبذيرٍ وَلا تقتيرٍ ثُمَّ تُقْضىٰ دُيُونُهٗ من جميعِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهٖ ثُمَّ تُنفذُ وصَايَاه مِنْ ثُلث مَا بقيَ بعدَ الدَّيْنِ ثُمَّ يُقسَمُ البَاقِي بَيْنَ وَرَثَتِهٖ بالكتابِ والسنَّةِ وإجماعِ الامَّةِ

ترجمہ: ہمارے علماء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میت کے چھوڑے ہوئے مال کے ساتھ ترتیب وار چار حقوق متعلق ہوتے ہیں، بغیر کسی اسراف و بخل کے، تجہیز و تکفین سے ابتداء کی جائے، پھر میت کے بقیہ تمام مال سے اس کے قرضے ادا کیئے جائیں، جو کچھ باقی رہے، اس کی ایک تہائی سے میت کی وصیتیں پوری کی جائیں، پھر بقیہ مال ورثاء میں، قرآن وسنت اور اجماع امت کے موافق تقسیم کیا جائے۔

تشریح: انسان کے فوت ہو جانے کے بعد اس کے چھوڑے ہوئے مال میں ترتیب وار چار حقوق متعلق ہوتے ہیں۔

اولاً: **تجہیز و تکفین**: تجہیز سے مراد وہ تمام افعال ہیں جن کا میت اپنی موت سے لے کر قبر تک محتاج ہوتا ہے مثلاً: غسل دینا، قبر کھودنا، چارپائی یا تابوت وغیرہ مہیا کرنا، اور تکفین سے مراد میت کو بقدر مسنون کفن دینا ہے، کفن کے کپڑوں میں فضول خرچی اور اسراف سے گریز کیا جائے اور اسی طرح وسعت ہوتے ہوئے بخل سے بھی پرہیز کیا جائے یہ بھی یاد رہے کہ میت کو کفن دینا فرض کفایہ ہے کفن کے تین درجے ہیں۔ ۱۔ سنت ۲۔ کفایت ۳۔ ضرورت

۱۔ **کفن سنت**: مرد کے لیئے سنت تین کپڑے ہیں لفافہ، ازار اور قمیص اور عورت کے لیئے پانچ ہیں جن میں سے تین

تو یہی ہیں اور دو اوڑھنی اور سینہ بند ہیں۔

۲۔کفن کفایت: مرد کے لیئے دو کپڑے ہیں لفافہ اور ازار۔ اور عورت کے لیئے تین ہیں لفافہ ازار اوڑھنی۔

۳۔کفن ضرورت: دونوں کے لیئے یہ ہے کہ جو میسر آئے وہی دیا جائے البتہ کم از کم اتنا ہو کہ سارا بدن ڈھک جائے [۱]

مسئلہ: عورت نے اگر چہ مال چھوڑا اس کا کفن شوہر کے ذمہ ہے بشرطیکہ موت کے وقت کوئی ایسی بات نہ پائی گئی جس سے عورت کا نفقہ شوہر پر سے ساقط ہو جاتا ہے اگر شوہر مرا اور اس کی عورت مالدار ہو جب بھی عورت پر کفن واجب نہیں [۲]

مسئلہ: ہندو پاک میں عام رواج ہے کہ کفن مسنون کے علاوہ اوپر سے ایک چادر اڑھاتے ہیں وہ تکیہ دار یا کسی مسکین پر تصدق کرتے ہیں اور ایک جانماز ہوتی ہے جس پر امام جنازہ کی نماز پڑھاتا ہے اگر یہ میت کے مال سے ہے تو دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ورثہ سب بالغ ہوں اور سب کی اجازت سے ہو جب بھی جائز ہے اور اگر اجازت نہ دی تو جس نے میت کے مال سے منگایا اور تصدق کیا اس کے ذمہ یہ دونوں چیزیں ہیں یعنی ان میں جو قیمت صرف ہوئی ترکہ میں شمار کی جائے گی اور وہ قیمت خرچ کرنے والا اپنے پاس سے دے گا۔ دوسری صورت یہ کہ ورثہ میں کل یا بعض نابالغ ہیں تو اب وہ دونوں چیزیں ترکہ سے ہرگز نہیں دی جاسکتیں اگر چہ اس نابالغ نے اجازت بھی دے دی ہو کہ نابالغ کے مال کو صرف کر لینا حرام ہے لوٹے گھڑے ہوتے ہوئے خاص میت کے نہلانے کے لیئے نئے خریدے تو اس میں یہی تفصیل ہے۔ تیجہ، دسواں، چالیسواں، ششماہی، برسی کے مصارف میں بھی یہی تفصیل ہے کہ اپنے مال سے جو چاہے خرچ کرے اور میت کو ثواب پہنچائے اور میت کے مال سے یہ مصارف اسی وقت کیئے جائیں کہ سب وارث بالغ ہوں اور سب کی اجازت ہو ورنہ نہیں مگر جو بالغ ہو اپنے حصہ سے کر سکتا ہے۔ [۳]

ثانیا: قرضہ ادا کرنا: میت کا دوسرا حق یہ ہے کہ اگر وہ مقروض ہو کر فوت ہوا ہے تو اس کے مال سے تجہیز و تکفین کے اخراجات نکالنے کے بعد جو بچا ہے اس سے اس کا قرضہ ادا کیا جائے گا۔

ثالثا: وصیت کو پورا کرنا: میت کا تیسرا حق یہ ہے کہ تجہیز و تکفین اور قرض ادا کرنے کے بعد جو کچھ باقی بچا ہے اس کے تہائی حصے سے اس کی وصیتوں کو پورا کیا جائیگا۔ تہائی حصے سے زیادہ میں وصیت پوری نہیں کی جائے گی ہاں اگر تمام ورثاء بالغ ہوں اور سب کے سب تہائی مال سے زائد میں وصیت پوری کرنے کی اجازت دیں تو جائز ہے اسی طرح اگر میت نے کسی وارث کے لیئے وصیت کی تھی تو یہ باطل ہے [۴] البتہ اگر دیگر ورثاء اس پر راضی ہوں تو جائز ہے۔

---

[۱] بہار شریعت، حصہ ۴، ص ۷۶، [۲] ایضاً ص ۷۷، [۳] ایضاً ص ۷۸، [۴] کیونکہ میت کی وصیت غیر وارث کے حق میں معتبر ہے وارث کیلئے وصیت جائز نہیں۔ ۱۲ رضوی عفی عنہ

رابعا: تقسیم ترکہ: میت کا چوتھا حق یہ ہے کہ مذکورہ بالا تینوں امور ادا کرنے کے بعد جو مال بچ جائے اسے قرآن وسنت اور اجماع امت کے مطابق ورثاء کے درمیان تقسیم کیا جائے۔

فيُبْدأُ باصحابِ الفرائضِ وهم الّذين لهم سِهامٌ مُقدَّرةٌ فِي كتابِ اللّٰهِ تعالىٰ

ترجمہ: اور تقسیم ترکہ کی ابتداء اصحاب فرائض سے کی جائے گی، اور اصحاب فرائض وہ ورثاء ہیں جن کے حصے کتاب اللہ میں متعین ہیں۔

تشریح: تقسیم ترکہ جن ورثاء سے کی جائے گی انھیں اصطلاح علم الفرائض میں اصحاب فرائض کہا جاتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں

۱۔ نسبی: وہ رشتہ دار جو خون گوشت پوست میں مشترک ہونے کی بنا پر وارث ہوتے ہیں جیسے ماں' باپ' دادا۔

۲۔ سببی: وہ رشتہ دار جو خون' گوشت پوست میں مشترک تو نہیں ہیں لیکن کسی عارضی سبب کی بنا پر ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں جیسے میاں' بیوی' جو ایک عارضی سبب یعنی نکاح کے ذریعے ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔

کل ملا کر اصحاب فرائض کی تعداد بارہ ہے جن میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں ان کے حصے قرآن پاک میں متعین ہیں اور ان سب کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔

ثم يُبدأُ بالعصباتِ مِنْ جهةِ النَّسبِ والعصبةُ مُطلقًا كُلُّ مَن يَأخذُ من التركَةِ ما ابقَتْهُ اصحابُ الفرائضِ وعندَ الانْفرادِ يُحرِزُ جميعَ الْمَالِ ثُمَّ يُبدأ بالعصبةِ من جهةِ السببِ وهو مولَى العَتاقةِ ثم عصبتهِ

ترجمہ: پھر تقسیم ترکہ اس عصبہ سے شروع کیا جائے گا جو نسب کی جہت سے ہو اور عصبہ ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے، جو اصحاب فرائض سے بچا ہوا ترکہ لے لیتا ہے۔ اور تنہا ہونے کی صورت میں کل مال کا مالک ہو جاتا ہے۔ پھر اس عصبہ کی باری ہے جو سبب کی جہت سے ہو، اور یہ عصبہ مولی العتاقہ ہوتا ہے، پھر مولی العتاقہ کے عصبہ سے علی الترتیب شروع کیا جائے گا۔

تشریح:۔ اصحاب فرائض کی طرح عصبات کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ عصبہ نسبی: وہ رشتہ دار جو خون، گوشت، پوست میں مشترک ہیں جیسے:۔ باپ' بیٹا' پوتا' بھائی وغیرہ۔

۲۔ عصبہ سببی: جو کسی سبب کی بنا پر وارث بنتے ہوں اسکی پھر دو قسمیں ہیں۔

(الف) مولیٰ العتاقہ: آزاد شدہ غلام کا آقا۔

(ب) مولیٰ الموالات: اس مجہول النسب شخص کو کہا جاتا ہے جو دوسرے سے کہے کہ تو میرا مولی ہے میری

موت پر تو میرا وارث ہوگا اور اگر میں کسی کو قتل کردوں تو تو میری طرف سے جنایت ادا کرنا دوسرے نے اسے قبول کیا تو یہ اس کا مولی الموالات ہو جائے گا۔

اس تفصیل کے بعد اصل مقصد کی طرف آیئے مصنف فرماتے ہیں کہ ① اصحاب فرائض کے بعد ان سے بچ جانے والا مال ② عصبہ نسبی کو دیا جائے گا اور اگر اصحاب فرائض میں سے کوئی وارث نہیں ہے صرف یہی عصبہ ہے تو تمام مال کا مستحق یہی ہوگا۔ اور اگر یہ نہ ہو تو اس مال کا وارث ③ عصبہ سببیہ میں سے مولی العتاقہ یعنی آزاد کرنے والا آقا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر ④ مولی العتاقہ کے عصبات پر علی الترتیب یعنی اولاً عصبہ نسبیہ یہ نہ ہو تو عصبہ سببیہ پر تقسیم کیا جائے گا۔

ثُمّ الرَّدِ عَلی ذَوِی الفروضِ النَّسبِیَّةِ بقدرِ حُقُوقِهم ثُمّ ذوی الارْحامِ ثُمّ مَولَی المَوالاةِ ثُم المُقَرُّ لَهٗ بالنسبِ علی الغیرِ بحیثُ لَمْ یثبُتُ نسبُه باقرارِهٖ مِن ذالك الغیرِ إذا ماتَ المُقِرُّ علی اقرارِهٖ ثُم المُوْصٰی لَهٗ بجمیع الْمالِ ثُم بیتِ الْمالِ۔

ترجمہ: اس کے بعد نسبی ذوی الفروض پر ان کے حقوق کے بقدر رد کیا جائے گا۔ پھر ذوی الارحام، پھر مولی الموالات، پھر ایسے شخص کی باری ہے جس کے نسب کا اقرار میت کے علاوہ کسی اور کے لئے بھی کیا گیا ہو، بایں طور کہ اس کے نسب کا اقرار اس غیر سے ثابت نہ ہو، جبکہ مقر اپنے اقرار پر فوت ہو جائے۔ اسکے بعد وہ شخص وارث ہوگا، جس کے لئے میت نے کل مال کی وصیت کی ہو، پھر آخر میں بیت المال کا نمبر ہے۔

تشریح: اگر ذوی الفروض سے مال بچ جائے اور عصبات کی کوئی قسم موجود نہ ہو تو پھر یہ باقی ماندہ مال ⑤ نسبی ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق دوبارہ تقسیم کیا جائے گا۔ نسبی ذوی الفروض کا ذکر پہلے گزر چکا ہے' اور اگر ذوی الفروض اور عصبات دونوں نہ ہوں تو پھر ⑥ ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں یہ وہ خونی رشتے دار ہیں جن کا نہ تو کوئی حصہ مقرر ہے اور نہ ہی عصبات میں داخل ہیں اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر ⑦ مولی الموالات وارث ہوگا اس کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔ ان کے بعد ان سب کی عدم موجودگی میں ⑧ وہ شخص وارث ہوگا جس کے نسب کا اقرار خود میت نے کیا ہو جس کی وجہ سے وہ مقر لہ کسی اور کی طرف بھی منسوب ہو جائے جبکہ اس دوسرے نے مقر لہ کے نسب کی تصدیق نہ کی ہو مثلاً: میت نے ایک شخص کے لیئے یہ اقرار کیا تھا کہ یہ میرا بھائی ہے جس کا مطلب ہے کہ میت مقر لہ کا نسب اپنے باپ سے ثابت کرنا چاہتا تھا جبکہ باپ نے اس کی تصدیق نہیں کی۔

اور اگر یہ بھی نہیں ہے تو کل مال ⑨ اس شخص کو دیا جائے گا جس کے لیئے میت نے کل مال کی وصیت کی تھی اور آخر میں مذکورہ تمام ورثاء کے نہ ہونے کی صورت میں میت کا مال ⑩ بیت المال میں ڈالا جائے گا لیکن چونکہ آج کل بیت المال کا درست نظام موجود نہیں ہے لہذا صدقہ کرنا بہتر ہے۔ -واللہ تعالی اعلم- محمد فاروق عفی عنہ

فصل فی الموانع

یہ فصل ان چیزوں کے بیان میں ہے جو وراثت سے محروم کردیتی ہیں

فصل المانع مِنَ الإرْث أربعةٌ الاولُ الرقُ وافرًا كان او ناقصًا والثّانى القتلُ الّذى يَتعَلّقُ به وُجوبُ القِصَاص أو الكفّارةِ والثّالثُ اختلافُ الدِيْنَينِ والرّابعُ اختلافُ الدّارَين إما حقيقةً كالحربى والذمّى أو حكمًا كالمُستَأمِن والذمّى أو الحربيَين من دارَينِ مُختلفَينِ والدّارُ إنّما تَختَلِفُ باختلافِ المنَعَة أى العسكر واختلافُ المَلكِ لانقطاع العِصْمَةِ فيما بينَهُم۔

ترجمہ: وراثت سے مانع چار چیزیں ہیں، غلامی چاہے کامل ہو یا ناقص، اور ایسا قتل جس کی وجہ سے قصاص یا کفارہ کا وجوب متعلق ہو اور اختلاف الدینین اور اختلاف الدارین چاہے حقیقی ہو جیسے: حربی اور ذمی۔ یا حکمی ہو جیسے: مستامن اور ذمی۔ یا دو ایسے حربی جو مختلف ملکوں کے باشندے ہوں اور ملک صرف فوجوں اور بادشاہ کے مختلف ہونے سے بدل جاتا ہے، کیونکہ انکے درمیان محافظت اور نگہبانی ختم ہو جاتی ہے۔

تشریح: چار اسباب ایسے ہیں جن کی وجہ سے وارث وراثت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اول غلامی: چاہے کامل ہو یا ناقص یعنی مطلق ہو خواہ غلام ہو یا لونڈی، کاتب ہو یا مدبر یا پھر ام ولد کیونکہ یہ خود مال مملوکہ ہوتے ہیں لہذا کسی چیز کے مالک نہیں بن سکتے۔

دوم قتل: عاقل بالغ وارث کا اپنے مورث کو اس طرح قتل کرنا جس سے قصاص یا کفارہ واجب ہو۔

یاد رہے صاحب سراجی نے قتل میں قصاص اور کفارے کی شرط اس لیئے ذکر کی ہے کہ بعض قتل ایسے ہوتے ہیں جن میں قصاص یا کفارہ لازم نہیں ہوتا جیسے کسی شخص نے اپنا دفاع کرتے ہوئے حملہ آور کو قتل کر دیا یا باغی کو کسی بغاوت کے پیش نظر قتل کر دیا یا قاضی یا حاکم کے حکم سے اپنے رشتہ دار کو قتل کر دیا، بچے یا مجنون نے کسی کو قتل کر دیا تو ان اقسام قتل میں نہ قصاص ہے اور نہ ہی کفارہ۔ لہذا اگر کوئی ایسے قتل کا مرتکب ہوا تو وہ اپنے مقتول کا وارث بنے گا۔

سوم اختلاف دینین: وارث سے محرومی کا تیسرا سبب یہ ہے کہ وارث اور میت کا دین جدا جدا ہو چنانچہ وارث مسلمان اور میت کافر ہو یا اس کے برعکس وارث غیر مسلم اور میت مسلمان ہو تو یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے۔

مسئلہ: گمراہ اور بدعتی لوگ جن کی تکفیر نہ کی گئی ہو وہ وارث بھی ہونگے اور مورث بھی[1]

[1] بہار شریعت، حصہ ۲۰، ص ۱۳

مسئلہ: مرتد عورت جب اپنے ارتداد پر مر جائے تو اس کے زمانہ اسلام اور زمانہ ارتداد کے تمام اموال اس کے وارثوں پر تقسیم کر دیئے جائیں گے [1]

مسئلہ: وہ لوگ جو انبیاء علیہم السلام کی صریح توہین کے مرتکب ہوں۔ یا شیخین رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیں وہ بھی وارث نہ ہوں گے [2]

مسئلہ: قادیانی بھی مرتد ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے [3]

چہارم: اختلاف الدارین: یعنی وارث اور مورث کے ملک الگ الگ ہوں اور یہ ملکوں کا اختلاف ہونا کبھی حقیقی ہوتا ہے تو کبھی حکمی ہوتا ہے.

حقیقی یہ ہے کہ کافر دار الحرب میں رہتا ہے تو اس کا رشتہ دار دار السلام میں ضمان لے کر رہتا ہے لہذا ان میں سے کوئی بھی دوسرے کا وارث نہیں ہوسکتا۔

اور حکمی اختلاف یہ ہے کی ایک ذمی کا فر دار السلام میں مستقل رہائش پذیر ہے اور دوسرا ویزہ لے کر عارضی طور پر کچھ عرصہ کیلئے اسلامی ملک میں مستامن ہو کر آیا اور یہ دونوں آپس میں رشتہ دار ہیں تو ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے۔

یہی حکم ان دو حربی کافروں کا ہے جو دو مختلف دار الحرب ممالک کے باشندے ہیں اور دار السلام میں امن لے کر آئے ہوں۔

یاد رہے کہ اختلاف دارین کی دو شرائط ہیں۔

۱۔ دو الگ الگ ملک ہوں اور دونوں کے بادشاہ بھی الگ ہوں۔

۲۔ ان دونوں ممالک کی آپس میں جنگ و جدل بھی جاری ہو جس کی وجہ سے ایک دوسرے کے مال و جان کی عصمت و حفاظت ختم ہو جائے اور ایک دوسرے کا خون حلال سمجھتے ہوں۔

تنبیہ: ملکوں کا اختلاف اور اس بنا پر ایک دوسرے کا وارث نہ ہونا صرف کفار کے حق میں ہے مسلمان خواہ کسی بھی ملک میں ہوں وہ اپنے مورث کے وارث ہونگے چنانچہ پاکستان کے مسلمان اور وہ مسلمان جو ہندوستان، امریکہ، یورپ، وغیرہ میں رہتے ہوں ایک دوسرے کے وارث ہونگے۔

---

[1] بہار شریعت، حصہ ۲۰، ص ۱۳، [2] ایضاً، [3] ایضاً

باب معرفة الفروض و مستحقیها

یہ باب فرض حصوں کی معرفت اوران کے مستحقین کے بیان میں ہے

الفُروضُ المقدّرةُ ستةٌ النّصفُ والرُّبعُ والثُّمُنُ والثُلثَان والثُلُث والسُدُس تنصيفًا و تضعيفًا واصحابُ هـذه السِّهَامِ اثنا عشرَ نفرا أربعةٌ من الرِجال وَهُمُ الاب والجدُّ الصّحيحُ وهو أبُ الأبِ وإن علا والأخ لامٍ وّالزوج و ثمانٍ من النّساءِ وهُنّ الزوجةُ والبنتُ وبنتُ الابنِ وإن سفُلَتْ والأُختُ لأبٍ وأمٍ والأختُ لأبٍ والأختُ لأمٍ والأمُّ والجدّةُ الصَّحيحةُ وهى الّتى لا يَدخُلُ فى نِسبتِها الَى المَيت جدٌّ فاسدٌ۔

ترجمہ: قرآن پاک میں مقررشدہ کل چھ حصے ہیں،نصف،ربع،ثمن،ثلثین،ثلث،سدس،دوگنا اورآدھا کرنے کے لحاظ سے اوران حصوں کے حقدارکل بارہ قسم کے لوگ ہیں،چارتو مرد ہیں اور یہ باپ،داداصحیح یعنی باپ کاباپ اگرچہ اس سے اوپر کاہو اورتیسرااخیافی بھائی،چوتھا شوہر ہے اورآٹھ حقدارعورتوں سے ہیں اور یہ بیوی،بیٹی،پوتی اگرچہ نیچے تک چلی جائیں،حقیقی بہن،باپ شریک بہن،اخیافی بہن،ماں اوردادی صحیحہ،یہ وہ دادی ہے جس کی نسبت میت کی طرف کی جائے تو درمیان میں جدّ فاسد کاواسطہ نہ آئے۔

تشریح: کلام مجید میں اصحاب فرائض کے لیئے جتنے حصے مقرر کیئے گے ہیں وہ کل چھ ہیں۔

۱ نصف (آدھا) ۲ ربع (چوتھائی) ۳ ثمن (آٹھواں) ۴ ثلثان (دوتھائی) ۵ ثلث (تھائی) ۶ سدس (چھٹا)

ان چھ حصوں میں سے پہلے تین حصے آپس میں تضعیف (دوگنے) اورتنصیف (آدھے) کی نسبت رکھتے ہیں اوراسی طرح بقیہ تین حصے بھی آپس میں تضعیف اورتنصیب کی نسبت رکھتے ہیں یعنی ثمن کا دوگنا ربع اور ربع کا دوگنا نصف ہے اور نصف کا آدھا ربع اور ربع کا آدھا ثمن اسی طرح سدس کا دوگنا ثلث اور ثلث کا دوگنا ثلثان ہے اورثلثان کا آدھا ثلث اور ثلث کا آدھا سدس ہے۔

ان چھ حصوں کے حقدارکل بارہ قسم کےلوگ ہیں جومتن سے واضح ہیں تاہم یہاں متن میں مذکور کچھ اصطلاحات کی وضاحت بیان کی جاتی ہے۔

ا۔جدصحیح: وہ دادا جس کی میت کی طرف نسبت میں مؤنث کا واسطہ درمیان میں نہ آئے جیسے باپ کا باپ اوردادا کا

باپ یعنی دادااور پردادا

۲۔جدہ صحیحہ: وہ دادی یا نانی جس کی میت کی طرف نسبت میں جدفاسد کا واسطہ درمیان میں نہ آئے چنانچہ باپ کی ماں اور ماں کی ماں جدہ صحیحہ ہیں۔

۳۔جد فاسد: وہ جد جس کی میت کی طرف نسبت میں مؤنث کا واسطہ آئے جیسے ماں کا باپ جسے نانا کہا جاتا ہے یا ماں کے باپ کا باپ یا دادی کا باپ

۴۔جدہ فاسدہ: وہ دادی یا نانی جس کی میت کی طرف نسبت میں جد فاسد آجائے جیسے نانا کی ماں اور دادی کے باپ کی ماں۔

۵۔عینی یا حقیقی بھائی بہن: جن کے ماں باپ ایک ہی ہوں۔

۶۔اخیافی یا ماں شریک بھائی بہن: ماں ایک ہو باپ الگ الگ ہوں۔

۷۔علاتی یا باپ شریک بھائی بہن: باپ ایک اور مائیں الگ الگ ہوں۔

أمَّا الابُ فلهٗ احوالٌ ثلثٌ الفرضُ المطلقُ وهو السُّدسُ وذالك مع الابنِ وابنُ الابنِ وإن سفُل والفرضُ والتَّعصِيبُ معًا وذالك معَ الابنةِ أو ابنةِ الابنِ وإن سفُلتْ والتَّعصِيبُ المَحْضُ وذالك عندَ عدمِ الولَدِ و ولدِ الابنِ وإن سفُل

ترجمہ: بہرحال باپ تو اس کے وارث ہونے کی تین صورتیں ہیں: ۱۔فرض مطلق: یہ چھٹا حصہ ہے اور باپ یہ حصہ میت کے بیٹے، پوتے، پڑپوتے اگر چہ نیچے تک چلے جائیں کی موجودگی میں۔ ۲۔فرض وعصبہ معاً: اور باپ کا یہ حصہ بیٹی، پوتی کی موجودگی میں ہے، اگر چہ یہ پوتیاں نیچے تک چلی جائیں۔ ۳۔صرف عصبہ: اور باپ کا یہ حصہ بیٹے، پوتے، پڑپوتے نیچے تک کی عدم موجودگی میں ہے۔

تشریح: حضرت مصنف رحمہ اللہ کتاب اللہ میں مقررہ فروض اور اس کے مستحقین کا اجمالی ذکر کرنے کے بعد اب ہر ایک کا تفصیلی ذکر کر رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کی باپ کے وارث ہونے کی تین حالتیں ہیں ۱۔فرض مطلق ۲۔فرض تعصیب ۳۔تعصیب محض

۱۔فرض مطلق: یعنی صرف وہ حصہ جو کتاب اللہ میں مقرر شدہ ہے اور یہ چھٹا حصہ ہے، یہ حصہ باپ کو اس صورت میں

ملے گا جب مرنے والے کے ورثاء میں باپ کے ساتھ بیٹا، پوتا، پڑپوتا آگے تک موجود ہو۔

مثال: مسئلہ ۶

میت

باپ	بیٹا
۱	۵

۲۔فرض وتعصیب: یہ اس صورت میں ہے کہ جب ورثاء میں باپ کے ساتھ بجائے مذکر اولاد کے صرف مؤنث اولاد یعنی بیٹی، پوتی، پڑپوتی... نیچے تک موجود ہو۔ اولاً باپ کو چھٹا حصہ بطور فرض ملیگا اور بیٹی یا پوتی کا حصہ دینے کے بعد اگر کچھ بچے گا تو وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے لے لیگا۔

مثال: مسئلہ ۶

میت

باپ	بیٹی
۱+۳	۳

۳۔فقط عصبہ: یہ اس وقت ہوگا جب مرنے والے کی کوئی اولاد موجود نہ ہو تو اس صورت میں باپ کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہوتا بلکہ دوسرے ذوی الفرائض کو ان کے حصے دینے کے بعد اگر کچھ بچتا ہے تو وہ کل باپ کو حاصل ہوگا۔

مثال: مسئلہ ۳

میت

ماں	باپ
۱	۲

والجدُّ الصَّحیحُ کالابِ إلَّا فی أربع مسائلَ وسنذُکُرُها إن شاءَ اللّٰہُ تعالی و یسقُطُ الجدُّ بالابِ لِاَنَّ الابَ اصلٌ فی قَرابَۃِ الجدِّ اِلَی المیتِ والجدُّ الصحیحُ ھو الّذی لا تَدخُلُ فی نسبتِہ الی المیت اُمٌّ کابِ الاب

ترجمہ: اور دادا باپ ہی کے مثل ہے، سوائے چار مسائل کے، جنہیں ہم عنقریب ان کے مواقع پر ذکر کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ، اور دادا باپ کے ہوتے ہوئے ساقط ہو جاتا ہے، اس لئے کے باپ اصل ہے دادا کو میت کی طرف رشتہ داری کی نسبت دینے میں اور جدّ صحیح وہ ہے کہ میت کی طرف اسکی نسبت کرنے میں ماں کا واسطہ نہ ہو۔

تشریح: دادا کے وارث ہونے کی بھی وہی حالتیں ہیں جو باپ کی ہیں البتہ چار مسائل ایسے ہیں جن میں دادا باپ سے

مختلف ہے، صاحب سراجی نے ان کو متفرق طور پر مختلف مقامات پر ذکر کیا ہے لیکن ہم طلباء کی سہولت کے پیش نظر یہاں ان کو نقل کرتے ہیں۔

ا۔ دادی یعنی باپ کی ماں باپ کے ہوتے ہوئے وارث نہیں ہوتی البتہ دادا کے ہوتے ہوئے وارث ہوتی ہو

مثال: مسئلہ ۶

میت

دادا	دادی
۵	۱

اس صورت میں دادی کو چھٹا اور باقی ماندہ پانچ دادا کو بطور عصبہ حاصل ہوئے۔

۲۔ اگر شوہر یا بیوی کا انتقال ہو جائے اور دونوں میں سے کوئی ایک زندہ ہو اور اس کے ساتھ میت کے ماں باپ بھی ہوں تو اس صورت میں باپ ماں کے حصے کو گھٹا دے گا کہ شوہر یا بیوی کے حصے کے بعد جو بچے گا وہ اس کا تہائی پائے گی اور اگر باپ کی جگہ دادا ہو تو وہ ماں کا حصہ نہیں گھٹا سکتا بلکہ ماں اس کے ہوتے ہوئے بھی پورے مال کا تہائی حصہ پائے گی۔

مثال: مسئلہ ۶

میت

باپ	ماں	شوہر
۲	۱	۳

اس صورت میں شوہر کو نصف ملا اور ماں کو شوہر کا حصہ نکالنے کے بعد جو بچا تھا اس میں سے تہائی ملا حالانکہ ماں کا حصہ کل مال کا تہائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم ماں کو کل مال کا تہائی دیتے تو اس کا حصہ باپ کے برابر ہوتا جو درست نہیں، اس لیئے باپ نے ماں کا حصہ گھٹا دیا جبکہ دادا درمیان میں باپ کے واسطہ ہو جانے کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتا۔

مثال: مسئلہ ۱۲

میت

ماں	بیوی	دادا
۴	۳	۵

اس صورت میں ماں کو پورے مال کا تہائی ملا ہے یہی امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے کما فی بہار شریعت [1]

[1] بہار شریعت، حصہ ۲۰، ص ۱۶،

۳۔ حقیقی بھائی بہن ہوں یا علاتی یا پھر اخیافی سب کے سب باپ کے ہوتے ہوئے بالاتفاق محروم ہو جاتے ہیں البتہ دادا کے ہوتے ہوئے امام شافعی و امام مالک اور صاحبین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک وارث ہوتے ہیں، جبکہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک محروم رہتے ہیں اور فتویٰ بھی اسی پر ہے[1]۔

۴۔ باپ کے ہوتے ہوئے دادا محروم رہے گا کیونکہ دادا کا رشتہ میت کے ساتھ باپ کے واسطے سے ہے لہذا باپ اصل ٹھرا اور اصل قریب ہے چنانچہ قریب کے ہوتے ہوئے بعید محروم رہتا ہے۔

تنبیہ: جد صحیح کی تعریف پہلے گذر چکی ہے۔

مشق

درج ذیل صورتوں میں باپ اور دادا کے حصوں کو بیان کریں۔

۱۔ میت کے ورثاء میں باپ ماں بیوی موجود ہیں، باپ کو کتنا حصہ ملے گا؟

۲۔ باپ، بیٹا، دادا، بیوی؟ ۳۔ بیٹی، بیٹی، باپ، بیوی؟

۴۔ دادا، بیوی، بیٹا، بھائی؟ ۵۔ باپ، پوتی، بیوی؟

۶۔ دادا، باپ، بیوی؟ ۷۔ دادا، شوہر، پوتی؟

۸۔ باپ، بھائی، بہن؟ ۹۔ دادا، بیوی، بیٹا، بیٹی؟

۱۰۔ دادا، بیٹی، بھائی؟

وأمّا لاولادِ الامِّ فاحوالٌ ثلثٌ السُّدسُ لِلواحدِ والثُّلثُ بينَ الإثنَين فصاعدًا ذُكورُهم وإناثُهم في القِسمَةِ والاستحقاقِ سواءٌ و يَسقُطونَ بالولدِ و ولدِ الابنِ وإن سفُل وبالاب وبالجدِّ بالاتّفاق

ترجمہ: اور بہر حال ماں شریک اولاد کے تین احوال ہیں، ایک کے لئے سدس ہے اور دو یا ان سے زیادہ کے لئے ثلث ہے مذکر و مؤنث اس تقسیم اور استحقاق میں برابر ہیں اور یہ باپ شریک اولاد بیٹے پوتے نیچے تک کے ہوتے ہوئے محروم ہو جاتے ہیں اور باپ دادا کے ہوتے ہوئے بھی بالاتفاق محروم ہو جائیں گے۔

تشریح: اخیافی یا ماں شریک بہن بھائی اپنے حقیقی بھائی بہن کی میراث میں دو صورتوں سے وارث بنتے ہیں جبکہ ایک صورت میں محروم رہتے ہیں۔ درجہ ذیل میں ہر ایک صورت کو مثال کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

---

[1] عالمگیری، جلد ۶، ص ۴۴۸

۱۔ اگر ماں شریک بھائی بہن صرف ایک ہے تو اسے سدس ملے گا۔

مثال: مسئلہ ٦

میتہ

شوہر	ماں شریک بھائی	چچا
۳	۱	۲

۲۔ اگر ماں شریک بھائی یا بہن دو یا دو سے زائد ہوں تو انھیں ایک ثلث ملے گا۔

مثال: مسئلہ ۱۲

میت

بیوی	ماں شریک بھائی	ماں شریک بہن	چچا
۳	۲	۲	۵

فائدہ: ماں شریک بھائی بہن حصہ پانے میں برابر کے حصہ دار ہوتے ہیں ان میں مذکر ومؤنث کا فرق نہیں ہوتا ایک بھائی اور ایک بہن ہوں تو دونوں ایک ثلث میں برابر کے شریک ہوتے ہیں جیسا کہ مذکورہ صورت میں ہے اور اگر ایک ہی بھائی یا صرف ایک ہی بہن ہو تو اس کو سدس ملے گا جیسا کہ پہلی صورت سے واضح ہے۔

۳۔ اگر میت کی اولاد میں بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نیچے تک میں سے کوئی موجود ہو تو ماں شریک بھائی بھی محروم ہو جاتے ہیں اسی طرح باپ، داد کے ہوتے ہوئے بھی محروم ہو جائیں گے اس پر ہمارے تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

مثال ۱: مسئلہ ۱

میت

بیٹا	ماں شریک بھائی
۱	م

مثال ۲: مسئلہ ۱

میت

باپ	ماں شریک بھائی
۱	م

مشق

درج ذیل صورتوں میں یہ بیان کریں کہ ماں شریک بھائی بہنیں کب کہاں اور کتنا حصہ پائیں گے؟

۱۔ باپ، بیٹی، ماں شریک بھائی؟
۲۔ دادا، بیوی، ماں شریک بھائی؟
۳۔ بیوی، ماں شریک بہن؟
۴۔ بیوی، بیٹا، بیٹی، ماں شریک بھائی، ماں شریک بہن
۵۔ ماں شریک بھائی، بہن؟
۶۔ شوہر، ماں شریک بھائی؟

و أمّا للزّوجِ فحالتان النصفُ عندَ عدمِ الولدِ و ولدِ الابنِ وإن سفُل والرُّبعُ مع الولدِ أو ولدِ الابنِ وإن سفُل۔

ترجمہ: اور جبکہ شوہر کے میراث پانے کی دو ہی حالتیں ہیں، نصف پائے گا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی نیچے تک نہ ہونے کی حالت میں اور ربع کا حقدار ہوگا بیٹا، بیٹی، پوتا پوتی نیچے تک کے موجود ہونے کی حالت میں۔

تشریح: جب کوئی عورت اپنے شوہر کی زندگی میں ہی انتقال کر جائے تو شوہر دو حالتوں میں اس کا وارث ہوتا ہے۔

۱۔ اگر میت عورت کے ورثاء میں بیٹا، بیٹی، یا پوتا پوتی نیچے تک نہ ہو تو شوہر کو کل مال کا نصف حصہ ملے گا۔

مثال: مسئلہ ۲

میت

شوہر	باپ
۱	۱

۲۔ اور اگر میت عورت کے ورثاء میں بیٹا، بیٹی، یا پوتا پوتی نیچے تک موجود ہوں تو شوہر کو کل مال ربع حصہ ملے گا۔

مثال: مسئلہ ۴

میت

بیٹا	شوہر
۳	۱

مشق

درج ذیل صورتوں میں شوہر اور جن ورثاء کے احوال پڑھ چکے ہیں ان کے حصوں کو واضح کریں۔

۱۔ شوہر ماں شریک بھائی؟ ۲۔ شوہر، پوتا؟

۳۔ شوہر، بھائی؟ ۴۔ شوہر، باپ، دادا؟

۵۔ شوہر، ماں شریک بھائی، ماں شریک بہن؟ ۶۔ شوہر، بیٹی، باپ؟

۷۔ شوہر، بیٹا، ماں شریک بھائی؟ ۸۔ شوہر، ماں، چچا؟

❀❀❀

فصل فی النساء

یہ فصل عورتوں کے بیان میں ہیں

للزّوجاتِ حالتانِ الرُّبع لِلْواحدةِ فصاعدةً عندَ عدمِ الْولدِ أو ولدِ الابنِ وإن سفُل والثُّمن مع الولدِ أو ولدِ الابنِ وإن سفُل

ترجمہ: بہرحال بیویوں کے میراث پانے کی دو حالتیں ہیں، ایک یا ایک سے زیادہ کے لئے ربع ہے، بیٹا، بیٹی یا پوتا، پوتی نیچے تک نہ ہونے کی صورت میں اور ثمن ملے گا بیٹا، بیٹی یا پوتا، پوتی نیچے تک کے ہونے کی صورت میں۔

تشریح: جیسے شوہر کی میراث پانے کے دو حال تھے اسی طرح بیوی کے بھی دو حال ہیں۔

۱۔ اگر شوہر کا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی نیچے تک کوئی بھی ہو تو بیوی خواہ ایک ہو یا ایک سے زائد انھیں شوہر کے کل ترکہ کا ربع ملے گا۔

مثال: مسئلہ۴
میت

بیوی	بھائی
۱	۳

۲۔ اگر بیٹا، بیٹی، یا پوتا، پوتی، نیچے تک کوئی ایک بھی موجود ہوگا تو خواہ ایک بیوی ہو یا ایک سے زائد انھیں شوہر کے کل ترکہ کا ثمن ملے گا۔

مثال: مسئلہ۸
میت

بیوی	بیٹا
۱	۷

وَأمَّا لِبناتِ الصُّلبِ فاحوالٌ ثلثٌ النصفُ لِلواحدةِ والثُّلثان لِلاثنتَينِ فصاعدةً ومعَ الابنِ لِلذَّكرِ مثلُ حظِّ الانْثيَين وهوَ يُعصبهنّ

ترجمہ: اور حقیقی بیٹیاں تو ان کے تین احوال ہیں، ایک کے لئے نصف ہے، دو یا دو سے زیادہ کے لئے ثلثان ہے اور بیٹے کے ہوتے ہوئے ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْن﴾ (یعنی بیٹے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے) کے قانون کے مطابق حصہ ملے گا اور بیٹا بیٹیوں کو عصبہ بنا دے گا۔

تشریح: باپ کی میراث میں حقیقی یا سگی بیٹیوں کے وارث ہونے کی تین حالتیں ہیں۔

۱۔ اگر ایک ہی بیٹی ہو تو وہ کل مال کے نصف کی حقدار ہوگی۔

مثال: مسئلہ۲

میت	
بیٹی	بھائی
۱	۱

۲۔ اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ثلثان یعنی دو تہائی حصہ لیں گی۔

مثال: مسئلہ۳

میت		
بیٹی	بیٹی	بھائی
۱	۱	۱

۳۔ اور اگر بیٹی کے ساتھ بیٹا بھی ہو تو یہ اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ بن جائے گی اور اس کا کوئی حصہ مقرر نہ ہوگا بلکہ قانون الٰہی عزوجل للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق بھائی کے مقابلے میں نصف اور بھائی اس سے دوگنا لے گا۔

مثال: مسئلہ۸

میت					
بیوی	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۱	۲	۲	۱	۱	۱

مشق

۱۔ بیوی، باپ، بھائی؟ ۲۔ بیوی، بیٹی، باپ؟

۳۔ بیوی، بیٹا، بیٹا، بیٹی؟ ۴۔ بیوی، پوتا، بھائی، بہن؟

۵۔ بیوی، دادا، ماں شریک بھائی؟ ۶۔ بیٹی، بیوی، پوتا؟

۷۔ بیٹی، بیٹی، چچا؟ ۸۔ شوہر، بیٹی، ماں شریک بہن؟

۹۔ شوہر، بیٹا، بیٹا، بیٹی، بیٹی، بیٹی؟ ۱۰۔ بیٹیاں ۵، ماں شریک بھائی، ماں شریک بہن؟

وبنـاتُ الابنِ كبناتِ الصُّلبِ ولهُنّ احوالٌ ستٌّ النصفُ لِلواحدةِ والثُّلثانِ لِلاثنتَيْنِ فصاعدةً عندَ عدمِ بنـاتِ الـصُّـلبِ ولهُنَّ السُّدسُ معَ الواحدةِ الصُّلبية تكملةً للثُلُثَينِ ولا يرثْنَ مع الصُّلبيَّتين إلّا أنْ يكونَ بـحـذائهـنَّ أو اسـفـلَ منهنَّ غلامٌ فيُعصِّبُهنَّ وح يكونُ الباقِي بينهُمْ لِلذَّكرِ مثلُ حظِّ الانثيَينِ ويَسقُطنَ بالابنِ

ترجمہ: اور پوتیاں حقیقی بیٹیوں کی مثل ہیں اوران کے چھ احوال ہیں، نصف ایک کے لئے، دو یا دو سے زیادہ کے لئے ثلثان جبکہ حقیقی بیٹیاں نہ ہوں اور پوتیوں کے لئے سدس ہے ایک بیٹی کے ہوتے ہوئے دوثلث کامل کرنے کے لئے اور پوتیاں دو حقیقی بیٹیوں کے ہوتے ہوئے وارث نہ ہونگی مگر یہ کہ ان کے بالمقابل یا ان سے نچلے درجے کا کوئی لڑکا موجود ہو تو وہ ان پوتیوں کو عصبہ بنادے گا اور باقی ماندہ ترکہ ان کے مابین ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْن﴾ کے مطابق تقسیم ہوگا اور یہ پوتیاں بیٹے کے ہوتے ہوئے محروم ہوجاتی ہیں۔

تشریح: پوتیوں کے چھ احوال مثالوں کے ساتھ درجہ ذیل ہیں۔

ا۔ جب میت کے ورثاء میں فقط ایک پوتی موجود ہو تو اسے کل مال کا نصف ملے گا۔

مثال: مسئلہ ۸
میت

بیوی	پوتی	چچا
۱	۴	۳

۲۔ اور جب ورثاء میں دو یا دو سے زیادہ پوتیاں ہوں تو دوثلث کی حقدار ہوں گیں بشرطیکہ کوئی حقیقی بیٹی موجود نہ ہو۔

مثال: مسئلہ ۱۲
میت

شوہر	پوتی	پوتی	پوتی	پوتی	چچا
۳	۲	۲	۲	۲	۱

۳۔ جب میت کی ایک بیٹی موجود ہو اور بیٹا، پوتا نہ ہو تو پوتی ایک ہو یا زیادہ ان کو پورے مال کا سدس ملے گا تا کہ لڑکیوں کا دوثلث پورا ہوجائے اور اس سے تجاوز نہ ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کے لیے دوثلث سے زیادہ واجب نہیں فرمایا، چنانچہ جب ایک حقیقی بیٹی نے قوت قرابت کی بنا پر اپنا نصف حصہ لے لیا تو باقی ماندہ پوتیوں کو ملے گا۔

مثال: مسئلہ۱۲

میت

شوہر	بیٹی	پوتی	پوتی	چچا
۳	٦	۱	۱	۱

۴۔ جب دو حقیقی بیٹیاں موجود ہوں تو پوتیاں محروم ہو جاتی ہیں بشرطیکہ میت کا پوتا، پڑپوتا نیچے تک موجود نہ ہو۔

مثال: مسئلہ۲۴

میت

بیوی	بیٹی	بیٹی	پوتی	چچا
۳	۸	۸	م	۵

۵۔ البتہ اگر دو بیٹیوں اور پوتی کے بل مقابل لڑکا یعنی پوتا یا اس سے نیچے کا لڑکا یعنی پڑپوتا موجود ہو تو یہ پوتا یا پڑپوتا اس پوتی یا پوتیوں کو عصبہ بنادے گا جو کچھ ذی فرض (بیٹیوں) کے بعد باقی بچے گا وہ للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق دیا جائے گا یعنی پوتی کو ایک حصہ اور پوتے کو دو حصے ملے گے۔

مثال: مسئلہ۳ تعول الی ۹

میت

بیٹی	بیٹی	پوتی	پوتا/پڑپوتا
۱/۳	۱/۳	۱	۲

٦۔ جب میت کا بیٹا موجود ہو تو پوتیاں محروم ہو جائیں گی۔

مثال: مسئلہ۱

میت

بیٹا	پوتی	پوتی
۱	م	م

وَلَوْ تَرَكَ المیتُ ثلثَ بنات ابن بعضهنّ أسفلُ مِن بعضٍ وثلثَ بناتِ ابنِ ابنٍ آخرَ بعضهنّ أسفلُ مِن بعضٍ وترك ایضًا ثلثَ بناتِ ابنِ ابنِ ابنٍ آخرَ بعضهنّ أسفلُ مِن بعضٍ بهذهِ الصُّوْرَةِ۔

میت

الفريق الأول	الفريق الثانى	الفريق الثالث
ابن	ابن	ابن
ابن بنت	ابن	ابن
ابن بنت	ابن بنت	ابن
ابن بنت	ابن بنت	ابن بنت
	ابن بنت	ابن بنت
		ابن بنت

العُليا مِن الفريقِ الاوّلِ لا يُوازِيُها احدٌ والوسطىٰ من الفريقِ الاوّل يُوازِيُها العُليَا من الفريقِ الثّانيُ والسُّفلىٰ من الفريقِ الاوّل يُوازِيُها الوُسطى من الفريقِ الثّانى والعُليَا مِن الفريقِ الثّالثِ والسُّفلىٰ مِن الفريقِ الثّانى يُوازِيُها الوُسطى من الفريقِ الثّالث والسُّفلىٰ من الفريقِ الثّالثِ لَا يُوازِيُها احدٌ

ترجمہ: اگر مرنے والا اپنے پیچھے ایسی تین پوتیاں چھوڑ جائے جو بعض بعض سے نیچی ہوں اور تین ایسی پڑپوتیاں چھوڑ جائے جو بعض بعض کے نیچے ہوں اور تین ایسی سکڑ پوتیاں چھوڑ جائے جو بعض بعض سے نیچے ہوں جس کی یہ صورت ہے۔ (صورت متن میں مذکور ہے)۔ فریق اول کی علیا یعنی پہلی لڑکی کے مقابل کوئی لڑکی نہیں ہے۔ اور فریق اول کی وسطی یعنی درمیانی لڑکی کے مقابل میں فریق ثانی کی علیا یعنی اول لڑکی موجود ہے۔ اور فریق اول کی سفلی یعنی آخری لڑکی کے مقابل میں فریق ثانی کی وسطی (درمیانی) لڑکی اور فریق ثالث کی علیا (اول) لڑکی موجود ہے۔ اور فریق ثانی کی آخری بیٹی کے مقابل میں فریق ثالث کی وسطی لڑکی موجود ہے اور فریق ثالث کی آخری بیٹی کے مقابل میں کوئی بیٹی موجود نہیں ہے۔

تشریح: صاحب سراجی علامہ سجاوندی رحمہ اللہ نے یہاں مسئلہ تشبیبہ کا ذکر کیا ہے یہ ایک فنی مسئلہ ہے جو اہل فرائض کے نزدیک اسی نام کے ساتھ مشہور معروف ہے، از روئے لغت تشبیب دوشیزائیں عورتوں کے حسن جمال کے بیان کرنے کو کہتے ہیں چونکہ اس مسئلے میں بھی عورتوں ہی کا ذکر ہے اسلئے اسے مسئلہ تشبیب کہا جاتا ہے نیز عرب شعراء کسی کی مدح میں قصیدہ پڑھنے سے پہلے تشبیب لایا کرتے تھے یعنی عورتوں کے حسن جمال کا ذکر کر کے سامعین کو پوری طرح چوکس و بیدار کر کے اپنی طرف متوجہ کرتے تھے پھر فوراً ہی اپنے ممدوح کی مدح کی طرف منتقل ہو جاتے جو ان کا اصل مقصود ہوتا۔ چونکہ اسی طرح یہ مسئلہ بھی طلباء کرام کو بیدار و ہوشیار بناتا ہے اس لیئے اسے بھی تشبیبہ سے موسوم کیا جانے لگا۔

اب متن میں مذکور نقشہ کو سمجھنے کے لیئے فرض کریں کہ زید نامی ایک شخص انتقال کر گیا جس کے سوگواروں میں تین بیٹے ظہور، عظیم، نجیب ہیں ان تینوں سے میت کی پوتیاں، پڑپوتیاں موجود ہیں تین لڑکیاں تو ظہور کی نسل سے ہیں اور تین تین عظیم

اور نجیب کی نسل سے ہیں لیکن یہ سب مختلف درجوں میں ہیں جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ فریق اول کی علیا یعنی ظہور کی بیٹی صرف ایک واسطہ سے میت کی پوتی ہے اور اس کے مقابل فریق ثانی اور ثالث میں کوئی لڑکی موجود نہیں ہے .اسی طرح فریق اول کی وسطیٰ فریق ثانی کی علیا کے ہم درجہ ہے جبکہ فریق ثالث میں اب بھی کوئی لڑکی موجود نہیں ۔ پھر فریق اول میں سفلیٰ اور فریق ثانی کی وسطیٰ دونوں فریق ثالث کی علیا کے ہم درجہ ہیں ۔اب فریق اول میں تو کوئی لڑکی نہیں البتہ فریق ثانی کی سفلیٰ اور ثالث کی وسطیٰ دونوں ہم درجہ ہیں اور آخر میں فریق اول و ثانی میں کوئی لڑکی موجود نہیں جبکہ ثالث میں صرف سفلی موجود ہے۔

إذا عرفتَ هذا فنقول لِلعُليَا من الفريقِ الاوّلِ النّصفُ ولِلوُسطى مِن الفريقِ الاوّل معَ مَن يُوازِيُها السُّدسُ تكملةً لِلثُّلُثَينِ ولا شئَ لِلسُّفلِيَاتِ إلا أن يكونَ معهُنَّ غلامٌ فيعصِّبُهُنَّ مَن كانَتْ بحذائِهِ ومَن كانَت فوقَهُ مِمَّن لَم يَكُن ذاتُ سهمٍ ويسقطُ مَن دونَهُ

ترجمہ: جب تجھے یہ صورت معلوم ہوگئی تو اب ہم کہتے ہیں کہ فریق اول کی علیا کے لئے نصف ہے اور فریق اول ہی کی وسطیٰ اور جو اس کے بالمقابل ہے ان دونوں کے لئے سدس ہے دوثلث کو کامل کرنے کے لئے اور بقیہ جتنی سفلیات ہیں ان کے لئے کچھ بھی نہیں ۔البتہ جب ان کے ساتھ کوئی لڑکا ہو تو وہ ان لڑکیوں کو عصبہ بنا دے گا جو ان کے بالمقابل ہیں اور ان کو بھی جو اس لڑکے سے اوپر ہیں جن کا فرض حصہ نہ ہو اور یہ اپنے نیچے کی تمام لڑکیوں کو محروم کر دے گا۔

تشریح: مصنف لڑکیوں کی درجہ بندی کی صورت سمجھانے کے بعد اب ان کے وارث ہونے یا نہ ہونے کے ساتھ ان کے حصوں کا ذکر کر رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ فریق اول کی علیا لڑکی چونکہ صرف ایک واسطے سے میت کی پوتی ہے اور اس کے بالمقابل کوئی اور لڑکی بھی نہیں تو یہ حقیقی بیٹی کے قائمقام ہو کر نصف کی حقدار ہوگی ۔اور فریق اول کی وسطیٰ کے بالمقابل فریق ثانی کی علیا موجود ہے اور یہ دونوں ہم درجہ ہیں کیونکہ ان میں اور میت میں دو واسطے ہیں تو ان دونوں کو سدس ملے گا کیونکہ فریق اول کی علیا نصف پا چکی تو ثلثین میں سے سدس باقی ہے وہ ان کو مل جائے گا تا کہ دوثلث پورے ہو جائیں ،ان تین کے بعد اب چھ سفلیات باقی رہ گئیں جن کے لیئے کچھ بھی نہیں ۔ ہاں اگر سفلیات میں سے کسی کے ساتھ لڑکا یعنی بھائی ہو تو وہ اس بہن کو اور اس کی بالمقابل والی کو یا اپنے سے اوپر والی کو جو صاحب فرض نہیں ہے عصبہ کر دیگا اور باقی سفلیات محروم ہو جائیں گیں چنانچہ لڑکے کا ان کے ساتھ موجود ہونے کی چند صورتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اگر بھائی فریق اول کی سفلیٰ کے ساتھ ہو تو فریق اول کی علیا نصف لے گی بیٹی کے قائمقام ہونے کی وجہ سے اور فریق اول ہی کی وسطیٰ اور فریق ثانی کی علیا دونوں سدس پائیں گی اور باقی ماندہ ثلث فریق اول کی سفلیٰ اور اس کے بھائی اور فریق ثانی کی وسطیٰ اور فریق ثالث کی

علیا میں ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْن ﴾ کے مطابق پانچ حصے ہوکر تقسیم ہوگا اور جبکہ فریق ثانی کی سفلیٰ اور فریق ثالث کی وسطیٰ اور سفلیٰ تینوں محروم ہوجائیں گی۔

مشق

۱۔ بیوی، پوتی، بھائی؟
۲۔ شوہر، بیٹی، پوتی، پوتا؟
۳۔ باپ، پوتا، پوتی، پوتی، پوتی؟
۴۔ بیوی، بیٹا، پوتا، پوتی؟
۵۔ شوہر، بیٹی، بیٹی، پوتا، پوتی؟
۶۔ دادا، پوتی، پوتی، چچا؟
۷۔ شوہر، بیٹی، پوتی، پوتی، بھائی؟
۸۔ شوہر، بیٹا، پوتی، پوتی؟
۹۔ باپ، دادا، بیوی، بیٹیاں ۲، پوتا، پوتی؟
۱۰۔ شوہر، پوتی، ماں شریک بھائی؟

وأمّا للاخواتِ لابٍ وأمٍ فاحوالٌ خمسٌ النصفُ لِلواحدةِ وَالثُّلُثَان لِلاثْنَتينِ فصاعدةً ومَعَ الاخِ لابٍ وأمٍ للذكرِ مثلُ حظِّ الانثيينِ يصرنَ عصبةً به لاستوائِهم فِی القرابةِ اِلَی الْمَیِّتِ ولَهُنَّ البَاقِیُ مَعَ البناتِ أو مع بناتِ الابنِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلامُ ﴿إجْعَلُوا الْاخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عصبةً﴾

ترجمہ: حقیقی بہنوں کے پانچ احوال ہیں ایک کے لئے نصف، دو یا دو سے زیادہ کے لئے ثلثان ہے اور حقیقی بھائی کے ہوتے ہوئے ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْن ﴾ کے مطابق عصبہ ہوجائینگی کیونکہ میت کی جانب رشتہ داری میں بھائی بہن برابر ہیں اور حقیقی بہنوں کے لئے حقیقی بیٹیوں اور پوتیوں کے ہوتے ہوئے ترکہ کا باقی ماندہ ہے۔ کیونکہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ۔

تشریح: حقیقی بہنوں کے احوال مع امثال یہ ہیں۔

۱۔ میت کے ورثاء میں فقط ایک حقیقی بہن موجود ہو تو کل مال کے نصف کی حقدار ہوگی۔

مثال: مسئلہ ۲
میت

بہن	چچا
۱	۱

۲۔ اگر حقیقی بہنیں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو سب دوثلث میں شریک ہوں گی۔

مثال: مسئلہ۳

میت

بہن	بہن	چچا
۱	۱	۱

۳۔ اگر میت کی حقیقی بہنوں کے ساتھ میت کا سگا بھائی بھی ہو تو بھائی انھیں عصبہ بنا دے گا اور ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے قانون مطابق بھائی ایک بہن کے مقابلے میں دوگنا لے گا جس کی وجہ یہ ہے کہ میت کی جانب رشتہ داری میں بہن بھائی دونوں برابر ہیں۔

مثال: مسئلہ۴

میت

بھائی	بہن	بہن
۲	۱	۱

۴۔ اگر بہنوں کے ساتھ میت کی کوئی بیٹی، پوتی یا پھر پڑپوتی نیچے تک موجود ہو تو بہن عصبہ بن جائے گی اس لیئے کہ حدیث میں ہے: ﴿اجْعَلُوا الأَخَوَاتِ مَعَ البَنَاتِ عَصَبَةً﴾ بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ۔

مثال: مسئلہ۶

میت

بیٹی	پوتی	بہن
۳	۱	۲

تنبیہ اول: سید الفقہاء علامہ سید ابن عابدین شامی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سراجی اور شروح سراجی میں اجعلوا الاخوات الخ کو حدیث کہا گیا ہے جبکہ صاحب سکب الانہر فرماتے ہیں: میں اس کی تخریج پر واقف نہ ہو سکا تاہم اس کی اصل حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ثابت ہے جسے حضرت امام بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ بیٹی کے لیئے نصف ہے، پوتی کے لیئے سدس اور ماقبی بہن کے لیئے ہے، سراجی کی روایت کو ھاشم نے فصل قول الفرضین میں نقل کیا، بعدازاں دیگر شارحین مثلاً قاضی زکریا اور سبط ماردینی وغیرہ نے بھی ان کی تبع میں نقل کیا [۱]

[۱] ردمع در، کتاب الفرائض، باب العصبات، ج۱۰ص۵۵۳

تنبیہ ثانی: مصنف نے بہنوں کے پانچ احوال بتا کر چار ذکر کیئے ہیں غالبًا اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ شریک بہنوں کی ساتویں حالت میں اس کا ذکر کریں گے کہ یہ باپ، بیٹے، پوتے کے ہوتے ہوئے محروم ہو جائیں گی۔

وَالْاَخَوَاتُ لابٍ كَالْاَخَوَاتِ لابٍ وأمٍ ولَهُنّ أحْوالٌ سبعٌ النّصفُ لِلْواحدةِ وَالثُّلثَان لِلاثْنَتَين فصاعدةً عندَ عدمِ الْاخوَاتِ لابٍ وأمٍ ولَهُنّ السُّدُسُ مَعَ الْاُختِ لابٍ وأمٍ تكملةً لِلثُّلثين وَلا يرثنَ معَ الْاُختينِ لابٍ وأمٍ إلا أن يكونَ معهُنّ اخٌ لابٍ فيُعصّبُهنّ وَالبَاقِي بينَهُم للذّكرِ مثلُ حظّ الانثيينِ والسَّادِسَةُ أن يصِرْنَ عصبةً معَ الْبنَاتِ أو معَ بناتِ الْابنِ لِمَا ذَكَرنا وبَنوُالأعيَانِ وبنوُ الْعَلاتِ كُلُّهُم يَسقُطونَ بِالْابنِ وابنِ الابنِ وإن سفُل وَبالاب بِالاتّفاقِ وبِالجَدّ عندَ ابى حنيفةَ و يسقطُ بنوُ الْعلاتِ أيضاً بالاخِ لابٍ وأمٍ وبالاختِ لابٍ وأمٍ إذا صارتْ عصبةً

ترجمہ: اور علاتی یعنی باپ شریک بہنیں حقیقی بہنوں کی ہی مثل ہیں۔ان کے سات احوال ہیں۔ایک کے لئے نصف ہے دو یا دو سے زائد کے لئے دو ثلث ہیں حقیقی بہن کی عدم موجودگی میں، ان کے لئے سدس ہے حقیقی بہن کی موجودگی میں، تا کہ دو ثلث کامل ہو جائیں۔اور دو حقیقی بہنوں کے ہوتے ہوئے باپ شریک بہنیں محروم ہو جاتی ہیں۔ہاں اگر ان کے ساتھ کوئی حقیقی بھائی ہو تو وہ انہیں عصبہ بنا دے گا اور باقی ماندہ مال ان کے درمیان ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ﴾ کی بناء پر تقسیم ہوگا۔اور چھٹا حال یہ ہے کہ یہ باپ شریک بہنیں میت کی بیٹیوں اور پوتیوں کے ہوتے ہوئے عصبہ بن جاتیں ہیں جیسا کہ ہم پہلے (اجعلوا الاخوات) کی حدیث ذکر کر چکے ہیں۔اور حقیقی یا باپ شریک بھائی بہن میت کے بیٹے پوتے نیچے تک اور بالاتفاق باپ کے ہوتے ہوئے محروم ہو جاتے ہیں۔اور جبکہ امام الائمۃ رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک دادا کے ہوتے ہوئے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔نیز باپ شریک بھائی بہنیں حقیقی بھائی بہنوں کے ہوتے ہوئے بھی محروم ہو جاتے ہیں اور حقیقی بہن کے ہوتے ہوئے بھی محروم ہوتے ہیں جبکہ وہ حقیقی بہن عصبہ ہو۔

تشریح: میراث پانے میں علاتی یعنی باپ شریک بہنیں حقیقی بہنوں کے ہی مثل ہیں یعنی جو حال پوتیوں کا بیٹیوں کے ساتھ ہے وہی حال علاتی بہنوں کا حقیقی بہنوں کے ساتھ ہے۔ چنانچہ

۱۔ اگر حقیقی بہن نہ ہو اور باپ شریک ایک ہی ہو تو کل مال کے نصف کی حقدار ہوگی۔

مثال: مسئلہ ۲

میت

باپ شریک بہن	چچا
۱	۱

۲۔ باپ شریک بہنیں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو دوثلث میں شریک ہونگی۔

مثال: مسئلہ۳

میت

باپ شریک بہن	باپ شریک بہن	چچا
۱	۱	۱

۳۔ اگر باپ شریک بہن کے ساتھ میت کی کوئی حقیقی بہن بھی ہو تو باپ شریک بہن خواہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ سب کو سدس ملے گا تا کہ دوثلث کامل ہو جائے۔

مثال: مسئلہ٦ ترد الی ٤

میت

باپ شریک بہن	حقیقی بہن
۱	۳

٤۔ دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنیں موجود ہوں تو باپ شریک بہنیں محروم ہو جاتی ہیں۔

مثال: مسئلہ۳

میت

بہن	بہن	باپ شریک بہن	چچا
۱	۱	م	۱

۵۔ اگر باپ شریک بہنوں کے ساتھ باپ شریک بھائی بھی ہوں تو وہ ان کو عصبہ بنا دیں گے چنانچہ اصحاب فرائض سے باقیماندہ مال ان کے درمیان ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

مثال: مسئلہ۳×۳/۹

میت

بہن	بہن	باپ شریک بہن	باپ شریک بھائی
۳/۱	۳/۱	۱	۲

٦۔ اگر باپ شریک بہنوں کے ساتھ میت کی بیٹیاں یا پوتیاں نیچے تک موجود ہوں تو یہ بہنیں ان کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی۔

مثال: مسئلہ۲

میت

بیٹی	باپ شریک بہن
۱	۱

۷۔ اگر میت کے ورثاء میں بیٹا، پوتا، پڑپوتا نیچے تک کوئی موجود ہو تو حقیقی یا باپ شریک بھائی بہن محروم ہو جاتے ہیں اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک دادا کے ہوتے ہوئے بھی محروم ہو جاتے ہیں اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔[1]

مثال: مسئلہ۱

میت

بیٹا	حقیقی بھائی	حقیقی بہن	باپ شریک بھائی	باپ شریک بہن
۱	م	م	م	م

۸۔ نیز حقیقی بھائی کے ہوتے ہوئے باپ شریک بھائی بہن محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی جب حقیقی بہن عصبہ بن کر موجود ہو تب بھی باپ شریک بھائی بہن محروم ہو جاتی ہیں۔

مثال۱: مسئلہ۱

میت

حقیقی بھائی	باپ شریک بھائی	باپ شریک بہن
۱	م	م

مثال۲: مسئلہ۲

میت

بیٹی	حقیقی بہن	باپ شریک بہن
۱	۱	م

مشق

۱۔ بیوی، بیٹی، بہن؟ ۲۔ بیوی، بہن۔ بہن، چچا؟

۳۔ شوہر، بھائی، بہن، بہن؟ ۴۔ بیٹا، بھائی، بہن؟

[1] عالمگیریہ، کتاب الفرائض، باب ذوی الفروض، ج۶ ص۵۰۰

۵۔ دادا، بیوی، باپ شریک بہن؟ ۶۔ شوہر، باپ شریک بہنیں ۳؟

۷۔ بیوی، بیٹی، باپ شریک بہن؟ ۸۔ بیوی، بیٹی، باپ شریک بہنیں ۴؟

۹۔ شوہر، بیٹا، بیٹی، باپ شریک بھائی، باپ شریک بہن؟ ۱۰۔ شوہر، باپ، باپ شریک بھائی، باپ شریک بہن؟

وأمـا لِلأمِ فَاحوالٌ ثَلاثٌ السُّدسُ معَ الولدِ أو وَلدِ الأبنِ وإن سفُل أو معَ الْاثنينِ مِن الْاخوةِ وَالْاخواتِ فـصَـاعـدًا مِن أيّ جهةٍ كانَا وَلِلأمّ ثَلثُ الْكلّ عنَد عدمِ هؤُلَاءِ الْمَذْكُورينَ فلها ثَلثُ مَا بقىَ بعدَ فرضِ احـدِ الزَّوجَينِ و ذالك فِي مَسْألتَينِ زوج وابوَينِ أو زوجةٍ و ابوينِ وَلَوْ كانَ مَكانَ الأبِ جدٌ فَلِلأمّ ثُلثُ جميعِ الْمالِ إلا عندَ ابى يُوسُفَ فَإنّ لها ثُلثَ البَاقِي

ترجمہ: اور بہرحال ماں تو اسکے تین احوال ہیں سدس لے گی بیٹے یا پوتے نیچے تک ہوتے ہوئے یا دو یا دو سے زیادہ بھائی بہنوں کے ہوتے ہوئے یہ بھائی بہن کسی بھی جہت سے ہوں یعنی چاہے حقیقی ہوں یا علاتی اور ایک ثلث لے گی ان مذکورہ ورثاء کے نہ ہونے کی صورت میں اور مابقی کا ثلث لے گی زوجین میں سے ہر ایک کا حصہ نکالنے کے بعد اور یہ فقط دو مسئلوں میں ہے ایک تو شوہر اور ماں باپ کے ہوتے ہوئے دوسرا بیوی اور ماں باپ کے ہوتے ہوئے اور اگر باپ کی جگہ دادا موجود ہو تو ماں کے لئے جمیع مال میں سے ایک ثلث ہے البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ماں کے لیئے باقی ماندہ مال کا ثلث ہے۔

تشریح: ماں اپنی اولاد کی وارث تین حالتوں میں ہوتی ہے۔

۱۔ میت کی اولاد یعنی بیٹا، بیٹی، یا پوتا پوتی نیچے تک موجود ہوں تو ماں کو سدس حصہ ملے گا اسی طرح جب میت کے دو بھائی بہن ہوں یا ایک بھائی بہن یا صرف دو بہنیں یا صرف دو بھائی اور یہ سب خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا پھر اخیافی ہوں ان کی موجودگی میں ماں کو سدس حصہ ملے گا۔

مثال ۱: مسئلہ ۶×۳/ ۱۸

میت

ماں	بیٹا	بیٹی
۱/۳	۱۰	۵

مثال ۲: مسئلہ ۶×۳/ ۱۸

میت

ماں	بھائی	بہن
۱/۳	۱۰	۵

۲۔ اور اگر ماں کے ساتھ یہ مذکورہ رشتہ دار نہ ہوں تو ماں کو کل مال کا ثلث ملے گا۔

مثال: مسئلہ ۳

میت

ماں	چچا
۱	۲

۳۔ ماں کے ساتھ شوہر، بیوی میں سے کوئی ایک ہو اس صورت میں زوجین میں سے جو موجود ہو اس کا حصہ نکال کر بقیہ مال کا ایک ثلث ماں کو ملے گا۔

مثال ۱: مسئلہ ۶

میت

باپ	ماں	شوہر
۲	۱	۳

مثال ۲: مسئلہ ۱۲

میت

باپ	ماں	بیوی
۶	۳	۳

تنبیہ: اگر باپ کی جگہ دادا ہو تو امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ماں کو کل مال کا ایک ثلث ملے گا جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک باقی ماندہ سے ایک ثلث ملے گا۔

مثال ۱: مسئلہ ۱۲ عند الطرفین

میت

ماں	بیوی	دادا
۳	۳	۶

مثال ۲: مسئلہ ۶ عند ابی یوسف

میت

ماں	بیوی	دادا
۱	۳	۲

ولِلجَدةِ السُّدُسَ لِأمٍ كانتْ أو لِابنٍ واحدة كانتْ أو أكثَر إذا كُنَّ ثابِتَاتٍ مُتحاذياتٍ فِي الدَّرجةِ وَيَسقُطنَ كُلّهنّ بِالامّ وَ ابوياتُ أيضاً بِالأبِ وَكذالك بِالجَدّ إلا أمّ الابِ وإن علَتْ فَإنّها ترِثُ مع الجدّ لِأنّها ليسَتْ مِن قِبَله

ترجمہ: دادی کے لیئے سدس ہے چاہے ماں کی جانب سے ہو یا باپ کی جانب سے ایک ہو یا ایک سے زائد جبکہ یہ دادیاں یا نانیاں صحیحہ ہوں اور درجہ میں بھی برابر ہوں اور ماں کی وجہ سے تمام دادیاں یا نانیاں ساقط ہو جاتی ہیں اور باپ کی جانب سے دادیاں باپ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اسی طرح دادا کے ہوتے ہوئے بھی ساقط ہو جاتی ہیں سوائے پدری دادی کے اگرچہ وہ اوپر کے درجہ کی ہو اس لیئے کہ یہ دادی دادا کے ہوتے ہوئے بھی وارث ہوتی ہے کیونکہ یہ دادی دادا کی جانب سے وارث نہیں ہوتی۔

تشریح: یاد رہے ہر شخص کی دو جدہ ہوتیں ہیں ایک ماں کی ماں، دوسری باپ کی ماں اسی طرح اسکے والدین اور جمیع

اصول کی کما قال اکمال الدین فی شرح السراجیہ۔ نیز جدہ کی دو قسمیں ہیں جدہ صحیحہ، جدہ فاسدہ ان کی تعریف پہلے گذر چکی ہے لیکن سہولت کے پیش نظر آسان تعریف ایک مرتبہ پھر ملاحظہ کیجئے۔ جدہ صحیحہ وہ ہے کہ میت کی طرف اس کی نسبت میں ایک باپ دو ماؤں کے درمیان واقع نہ ہو، اور جدہ فاسدہ وہ ہے کہ دو ماؤں کے درمیان باپ واقع ہو پھر جدہ سے صرف باپ کی ماں ہی مرادنہیں ہوتی بلکہ دادا کی ماں اور دادی کی ماں وغیرہ کو بھی شرعاً جدہ کہتے ہیں۔ یہاں جدہ سے مراد جدہ صحیحہ ہے جو کہ ذوی الفروض میں سے ہے جبکہ جدہ فاسدہ ذوی الارحام میں سے ہے۔

اب متن کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ جدہ کے لیئے چھٹا حصہ متعین ہے اگر چہ کتنی ہی ہوں اور کیسی ہی ہوں یعنی باپ کی جانب سے ہوں یا ماں کی جانب سے بشرطیکہ ثابتات یعنی صحیحہ اور متحاذیات یعنی درجے میں برابر ہوں جیسے:۔

مثال ا: مسئلہ ٦

میت

دادی	چچا
١	٥

مثال ٢: مسئلہ ٦×٢/٢/١٢

میت

دادی	نانی	چچا
١/٢		٥/١٠

٢۔ اور اگر دادی و نانی کے ساتھ میت کی ماں بھی ہو تو دادی و نانی دونوں محروم ہو جائیں گی جیسے:۔

مثال ا: مسئلہ ١٢

میت

بیوی	ماں	نانی	نانی	چچا
٣	٢	م	م	٧

مثال ٢: مسئلہ ١٢

میت

بیوی	ماں	دادی	چچا
٣	٢	م	٧

٣۔ اسی طرح وہ دادیاں جو باپ کی طرف سے ہوں وہ باپ کے ہوتے ہوئے بھی محروم ہو جائیں گی۔

مثال: مسئلہ ٦

میت

بیٹا	باپ	دادی
٥	١	م

اور وہ دادیاں جو باپ کی طرف سے ہوں اور دادا سے اوپر ہوں وہ دادا کے ہوتے ہوئے ساقط ہو جائیں گی لیکن باپ کی ماں ساقط نہ ہوگی کیونکہ اس کی رشتہ داری دادا کے واسطے سے نہیں۔

مثال ۱: مسئلہ ۴
میت

بیوی	دادا	دادا کی ماں
۱	۳	م

مثال ۲: مسئلہ ۱۲
میت

بیوی	دادا	دادی
۳	۷	۲

وَالقُربٰی مِن أیِّ جهةٍ کانتْ تحجب البُعدی مِن أی جهةٍ کانتْ وَارثة کانتْ القُربٰی أو مَحجُوبَة وإذا کانتُ الجدةُ ذاتَ قرابةٍ واحدةٍ کأمّ أمّ الابِ وَالأخرٰی ذات قُرابتَینِ أو أکثَر کأمّ أمّ الأمّ وَهِیَ أیضاً أمّ أب الاب بهذهِ الصّورةِ۔

ترجمہ: اور قریبی دادی چاہے کسی بھی جہت سے ہو بعید والی کو چاہے کسی بھی جہت سے ہو محروم کر دیگی، قریبی دادی وارث ہو یا مجحوب ہو اور جب دادی ایک قرابت رکھتی ہو جیسے باپ کی نانی اور دوسری دادی دو یا اس سے زائد قرابت رکھتی ہو جیسے پڑ نانی اور یہی پڑ دادی بھی ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک ان دونوں کے درمیان سدس کو آدھا آدھا کر کے تقسیم کیا جائیگا رؤس کے لحاظ سے، اور جبکہ امام محمد کے نزدیک جہت کا اعتبار کرتے ہوئے تین حصے کر کے تقسیم کیا جائے گا۔

تشریح: مصنف یہاں ایک اصول نقل فرما رہے ہیں کہ قریب والی جدہ بعید والی جدہ کو محروم کر دیتی ہے خواہ وہ دونوں کسی بھی جہت سے ہوں نیز وارث بن رہی ہوں یا نہیں جیسے:

مثال: مسئلہ ۱۲
میت

بیوی	دادا	دادی	پڑ نانی
۳	۷	۲	م

اور جب میت کی دو جدہ جمع ہو جائیں ایک جدہ ایک قرابت رکھتی ہو جیسے باپ کے ماں کی ماں یعنی باپ کی نانی اور دوسری جدہ دو قرابت یا اس سے زائد قرابتیں رکھتی ہو جیسے پڑنانی یعنی ماں کی نانی اور یہی پڑنانی باپ کی دادی بھی ہو ملاحظہ کیجئے متن کا نقشہ۔

اب ایسی صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ابدان کا اعتبار کرتے ہوئے کل مال کا سدس دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا جائے گا کیونکہ استحقاق میراث میں تعدد اس وقت ہوتا ہے جب تعدد جہات کے ساتھ نام بھی متعدد ہوں اور یہاں نام میں تعدد نہیں بلکہ جس طرح ایک قرابت والی کو جدہ کہا جاتا ہے اسی طرح دو قرابت والی کو بھی جدہ کہا جاتا ہے [1] اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تعدد جہات کا اعتبار کرتے ہوئے سدس کے تین حصے کیئے جائیں گے جن میں سے ایک حصہ ایک قرابت والی کو اور باقی ماندہ دو حصے دو قرابت والی کو دیا جائے گا کیونکہ امام محمد کے نزدیک میراث کا استحقاق جہات قرابت کے اعتبار سے ہوتا ہے تو جس میں قرابت کی ایک جہت ہے اس کو ایک حصہ ملے گا اور جس میں دو جہتیں ہیں اس کو دو حصے ملیں گے۔

فائدہ اولیٰ: **قال الامام السرخسی رحمه الله لا رواية عن ابی حنيفة رحمه الله فی صورة تعدد قرابة احدی الجدتين و ذكر فی فرائض الحسن ابن عبد الرحمٰن بن عبد الرزاق الشاشی من اصحاب الشافعی ان قول ابی حنيفة و مالک و الشافعی كقول ابی يوسف** [1]

امام سرخسی فرماتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے تعدد احدی الجدتین میں کوئی روایت نہیں ہے لیکن حسن بن عبدالرحمٰن شاشی کے فرائض میں ہے کہ امام اعظم، امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہم کا قول امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ہے۔

فائدہ ثانیہ: امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فتویٰ شیخین کے قول پر ہے وفی مشکوٰۃ الحواشی فی شرح السراجی "والفتویٰ علی قول ابی یوسف"۔

[1] شریفیہ شرح سراجیہ، ص ۳۷

مشق

۱۔ماں،پوتا،پوتی؟

۲۔ماں،چچا کا بیٹا؟

۳۔ماں،ماں شریک بھائی،ماں شریک بہن؟

۴۔بیوی،ماں،ماں شریک بھائی،باپ شریک بہن؟

۵۔شوہر،ماں،نانی،چچا؟

۶۔بیوی،دادی،چچا؟

۷۔باپ،دادی،نانی؟

۸۔شوہر،دادا،دادی،نانی کی ماں؟

۹۔شوہر،باپ،دادی،بیٹی؟

۱۰۔بیٹا،دادی،نانی؟

مسئلہ: اولادِ زنا صرف مادری رشتوں سے وارث و مورث ہوتی ہے۔

جیسا کہ درِمختار میں ہے:

یرث ولد الزنا واللعان بجهة الام فقط لما قدمناه فی العصبات انه لا اب لهما

یعنی زنا اور لعان کی اولاد فقط ماں کی جہت سے وارث بنتی ہے،جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کر چکے ہیں کہ ان دونوں کا کوئی باپ نہیں۔

(درمختار،کتاب الفرائض،فصل فی الغرقی والحرقی،ج۲،ص۳۶۵)

اسی طرح فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

ولد الزنا لا اب له فترثه قرابة امه ویرثهم ملخصاً

یعنی ولدالزنا کا کوئی باپ نہیں ہوتا،چنانچہ اسکی ماں کے قرابت دار اس کے وارث بنیں گے اور وہ ان کا وارث بنے گا۔

(عالمگیریہ،کتاب الفرائض،باب الثالث،ج۶،ص۴۵۲)

باب العصبات

یہ باب عصبات کے بیان میں ہے

العصباتُ النَّسبِيّةُ ثلاثةٌ بِنفسهٖ وعصبةٌ بغيرهٖ وعصبةٌ مَعَ غيرهٖ أمّا العَصبةُ بنفسهٖ فكُلُّ ذكرٍ لا تدخُلُ فی نِسبتِهٖ إِلَی الْميتِ أُنثٰی وَهُمْ أربعةُ اصنافٍ جُزْءُ الْمَيّتِ وَأَصْلُهٗ وجزءُ أَبِيهِ وجزءُ جدّهِ الْاقربُ فَالْاقربُ يُرَجَّحُونَ بقُربِ الدَّرَجَةِ أعْنِی أَوْلٰهُمْ بِالمِيراثِ جزءُ الميتِ أی البَنُون ثُمّ بَنوهُمْ وإن سفَلوا ثُمّ أصلهٗ أی الابُ ثُمّ الجدُّ أی ابُ الابِ وإن عَلا ثُمّ جزءُ ابِيهٖ أی الإخوةُ ثُمّ بنوهُمْ وإن سفَلُوا ثُمّ جزءُ جدّهٖ أی الأعمامُ ثُمّ بنوهُم وإن سفَلوا۔

ترجمہ: عصبات نسبیہ کی تین اقسام ہیں عصبہ بنفسہ، عصبہ بغیرہ اور عصبہ مع غیرہ۔ بہر حال عصبہ بنفسہ ہر وہ مرد ہے جس کی میت کی جانب نسبت کرنے میں کوئی عورت داخل نہ ہو اور ان کی چار اقسام ہیں ا میت کا جز ۲ میت کی اصل ۳ میت کے باپ کا جز ۴ میت کے دادا کا جز، ان میں سے جو قریب تر ہے وہی مستحق میراث ہے اور یہ درجہ کے قرب کی وجہ سے ترجیح دیئے جائیں گے یعنی میراث پانے میں ان سب سے زیادہ حقدار جزء میت یعنی بیٹے ہیں پھر ان کے بیٹے ہیں اگر چہ نیچے کے درجہ تک چلے جائیں پھر میت کی اصل یعنی باپ پھر دادا یعنی باپ کا باپ اگر چہ اوپر کے درجے کا ہو پھر باپ کا جز یعنی بھائی اور ان کے بعد انکی اولاد نیچے تک ہوں اور پھر میت کے دادا کا جز یعنی چچے اور ان کے بعد ان کی اولاد نیچے تک۔

تشریح: باپ کی جانب سے جو رشتہ دار ہو اس کو عصبہ کہتے ہیں کما قال السید الجرجانی "عصبة الرجل فی الغة قرابته لابیه"[1]

نیز اہل عرب کے محاورہ میں جب لوگ کسی شخص کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں تو عصب القوم بفلاں کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ میت کے رشتہ داروں کو عصبہ کہا جاتا ہے کیونکہ عصبات میت کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوتے ہیں ایک طرف باپ ہوتا ہے تو دوسری طرف بیٹا، ایک طرف بھائی ہے تو دوسری طرف چچا۔ اور اصطلاح شرع میں عصبات وہ لوگ ہیں جو تنہا ہونے کی صورت میں سارا مال لے لیں اور اگر دوسرے ذوی الفروض کے ساتھ ہوں تو باقی ماندہ لے لیں۔

اولاً اس کی دو قسمیں ہیں عصبہ نسبیہ، عصبہ سببیہ اسے مولی العتاقہ بھی کہتے ہیں پھر عصبہ نسبیہ کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ عصبہ بنفسہ: جو بذات خود عصبہ ہو ۲۔ عصبہ بغیرہ: جو اپنے عصبہ ہونے میں دوسرے عصبہ کا محتاج ہو ۳۔ عصبہ مع غیرہ: جو عصبہ ہونے میں دوسرے کا محتاج تو ہو مگر محتاج الیہ خود عصبہ نہ ہو۔ پھر عصبہ بنفسہ کی چار اقسام ہیں۔

[1] شریفیہ شرح سراجیہ، ص ۳۷

۱۔ **جزءِ میت:** یعنی میت کا بیٹا، پوتا، پڑپوتا نیچے تک ۲۔**اصلِ میت:** یعنی میت کا باپ، دادا، پڑدادا اوپر تک۔

۳۔ **جزءِ ابیہ:** یعنی میت کے باپ کا جز جیسے بھائی اور اسکی مذکر اولاد نیچے تک ۴۔ **جزءِ جدہ:** یعنی میت کے دادا کا جز یعنی چچا اور اس کی مذکر اولاد نیچے تک۔

ان عصبات کی وراثت میں ان کی ترتیب کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے چنانچہ رشتہ داری کا قرب دیکھا جائے گا یعنی اقرب کے ہوتے ہوئے دور والا محروم ہو جائے گا جیسے بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا اور پوتے کے ہوتے ہوئے پڑپوتا محروم ہو جائے گا اسی طرح پہلی قسم والوں کے ہوتے ہوئے بقیہ تین اقسام والے محروم ہو جائیں گے اور دوسری کے ہوتے ہوئے تیسری اور تیسری کے ہوتے ہوئے چوتھی قسم والے محروم ہو جائیں گے۔

ثُمّ يُرَجَّحُونَ بِقُوّةِ القَرابةِ أعني بِهٖ أنّ ذَاالقَرابتَيْنِ أَوْلى مِن ذِيْ قَرَابَةٍ واحدةٍ ذكرًا كان أو أُنْثى لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلامِ ﴿أنّ أعيانَ بَنِي الأمّ يَتوارَثُونَ دُوْنَ بَنِي الْعَلّاتِ﴾ كَالاَخِ لابٍ وَأمّ أو الاختِ لابٍ وَأمّ إذا صَارتْ عصبةً مع البنتِ أَوْلى مِنَ الاخِ لابٍ وَالاختِ لابٍ وابنِ الاخِ لابٍ وامّ أَوْلى مِن ابنِ الاخِ لابٍ و كذالك الحكمُ فِي أعمامِ الْميتِ ثُمّ فِي أعمامِ ابيهٖ ثُمّ فِي أعمامِ جدّهٖ

ترجمہ: پھر قوت قرابت کے اعتبار سے ترجیح دیئے جائیں گے یعنی دوہری قرابت والا اکہری قرابت والے سے زیادہ مستحق ہے چاہے مرد ہو یا عورت کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے کہ حقیقی بھائی بہن وارث بنتے ہیں نہ کہ علاتی جیسے حقیقی بھائی یا حقیقی بہن جب بیٹی کے ساتھ عصبہ ہو تو علاتی بھائی سے اولیٰ ہے اور حقیقی بھتیجا علاتی بھتیجے سے اولیٰ ہے اور ایسا ہی حکم میت کے چچاؤں پھر میت کے باپ کے چچاؤں اور پھر داد کے چچاؤں میں ہے۔

تشریح: عصبات میں ترتیب و ترجیح کے علاوہ قوت قرابت کا لحاظ بھی رکھا جاتا ہے یعنی ہر وہ عصبہ جو میت کے ساتھ دوہری قرابت رکھتا ہو وہ اکہری قرابتدار پر مقدم ہوگا جیسے حقیقی بھائی، علاتی بھائی سے اولیٰ ہے کیونکہ حقیقی بھائی ماں، باپ دونوں طرف سے میت کا بھائی ہے جبکہ علاتی بھائی صرف باپ کی طرف سے بھائی ہے۔ نیز اس میں مرد و عورت کی بھی کوئی تخصیص نہیں چنانچہ حقیقی بہن جب میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ عصبہ بن کے آئے تو باپ شریک بھائی سے اولیٰ ہوگی، دونوں کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

مثال ا: مسئلہ ۴

میت

بیوی	حقیقی بھائی	علاتی بھائی
۱	۳	م

مثال۲: مسئلہ ۸

میت

بیوی	بیٹی	حقیقی بہن	علاتی بھائی
۱	۴	۳	م

اس مذکورہ اصول کی دلیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان عالیشان ہے جو ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

﴿ان اعیان بنی الام یتوارثون دون بنی العلات الرجل یرث اخاہ لابیہ وامہ دون اخیہ لابیہ﴾ [۱]

یعنی اعیان بنی الام وارث ہوتے ہیں نہ کہ بنی العلات، آدمی کا حقیقی بھائی وارث ہوتا ہے نہ کہ باپ شریک۔

اس سے معلوم ہوا کہ سگے بھائی بہن کے ہوتے ہوئے علاتی بھائی بہن محروم ہو جاتے ہیں، البتہ اس حدیث پر بظاہر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اعیان حقیقی بھائی بہن کو کہا جاتا ہے جبکہ بنی الام اخیافی بھائی بہن کو کہا جاتا ہے اور یہاں سے مراد اگر حقیقی بھائی بہن ہے تو پھر بنی الام کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل صاحب سراجی کا اس حدیث کو لانے کا مقصد یہ کہ بنی اعیان کے ہوتے ہوئے بنی علات محروم ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ باپ میں شریک ہوتے ہیں لیکن ترجیح اس لیئے ہے کہ بنو اعیان باپ کے علاوہ ماں میں بھی شریک ہیں اس لیئے اعیان کے بعد لفظ بنوالام زیادہ کیا گیا تا کہ واضح ہو جائے کہ بنواعیان اور بنوعلات میں جو فرق ہے وہ ماں کے اعتبار سے ہے۔

چنانچہ السید السند میر جرجانی رحمہ اللہ شریفیہ شرح سراجیہ میں لکھتے ہیں:

والمقصود من ذکر الام ھٰھنا اظہار ما یترجح بہ بنو الاعیان علی بنی العلات [۲]

یعنی: اور یہاں لفظ ام لانے کا مقصد صرف بنواعیان کو بنوعلات پر ترجیح کا اظہار کرنا ہے۔

اس کے بعد صاحب سراجی اسی قاعدے کے تحت فرماتے ہیں کہ حقیقی بھتیجا علاتی بھتیجے سے اولیٰ ہوگا نیز جو چچا باپ کا عینی بھائی ہو وہ باپ کے علاتی بھائی پر مقدم ہوگا اور یہی حکم باپ کے چچاؤں اور دادا کے چچاؤں میں جاری ہوگا۔

أَمّا العَصبةُ بغیرِہٖ فاربعٌ مِن النّسوۃِ وھُنّ اللاتی فرضُھُنّ النّصفُ وَالثُّلثان یَصِرنَ عصبۃً باخوَتِہِنّ کَما ذکَرْنَا فی حالاتِہِنّ وَمَنْ لَا فرضَ لَھَا مِن الإناثِ وأخُوھَا عصبۃٌ لا تَصِیرُ عصبَۃً باخِیْھا کالعَمّ والعَمّۃِ

---

[۱] ترمذی، فی کتاب الفرائض، باب: ماجاء فی میراث الاخوۃ من الاب والام، رقم الحدیث ۲۰۹۵

[۲] شریفیہ شرح سراجیہ، ص ۳۹

المـالُ كـلُّـهُ لِلعَمّ دونَ العَمّةِ وأمّا العَصبةُ معَ غيرِهِ فكُلّ أنثى تَصِير عصبةً معَ أنثى أخرى كالاختِ معَ البنتِ لِمَا ذكرْنَا

ترجمہ: بہر حال عصبہ بغیرہ تو یہ چار عورتیں ہیں اور یہ وہی عورتیں ہیں جن کا نصف اور ثلثان حصہ ہوتا ہے جب بھائیوں کے ساتھ عصبہ بن کر آئیں جیسا کہ ہم ان کے حالات میں ذکر کر کے آئیں ہیں اور عورتوں میں سے جس عورت کا حصہ مقرر نہیں ہے اور اس کا بھائی عصبہ ہے تو اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ نہیں بن سکتی جیسا کہ چچا اور پھوپھی ہے تو سارا مال چچا کے لئے ہوتا ہے نہ کہ پھوپھی کے لئے اور جبکہ عصبہ مع غیرہ یہ وہ عورت ہے جو کسی دوسری عورت کے ساتھ عصبہ بن جائے جیسے بہن بیٹی کے ساتھ اس حدیث کی وجہ سے جس کو ہم ذکر کر چکے ہیں۔

تشریح: عصبہ بغیرہ در حقیقت یہ وہی عورتیں ہیں جو ذوالفرائض میں سے ہیں اور ان کے لیئے نصف اور ثلثان حصے متعین ہیں نیز یہ اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بھی بن جاتیں ہیں یہ عورتیں بیٹی، پوتی، حقیقی بہن اور باپ شریک بہن ہیں ان سب کا احوال گذشتہ اوراق میں بالتفصیل گذر چکا ہے، البتہ جن عورتوں کا کوئی فرض حصہ مقرر نہیں ہے اگر ان کا کوئی بھائی عصبہ ہو کر آئے تو یہ ان کے ساتھ عصبہ نہیں بن سکتیں جیسے پھوپھی میت کے چچا یعنی اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ نہیں بن سکتی، چچا عصبہ ہونے کے ناتے کل مال کا حقدار ہوگا جیسے:۔

مثال: مسئلہ ۴

میت

بیوی	چچا	پھوپی
۱	۳	م

اور عصبہ مع غیرہ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو دوسری عورت کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں جیسے حقیقی بہن یا باپ شریک بہن بیٹی کے ہوتے ہوئے عصبہ بن جاتی ہے جیسے:۔

مثال: مسئلہ ۸

میت

بیوی	بیٹی	حقیقی بہن
۱	۴	۳

علامہ سجاوندی نے عصبہ مع غیرہ کی دلیل اجعلوا الاخوات الخ کی روایت ہی کو بنایا ہے حالانکہ اس روایت پر علامہ شامی کا کلام گزر چکا ہے اس لیئے عصبہ مع غیرہ کیلئے بطور دلیل علامہ شامی کی بخاری وغیرہ سے نقل کردہ حضرت عبداللہ ابن

مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہی درست رہے گی۔

وآخرُ العصباتِ مَولَی العِتاقةِ ثُمّ عصبةٌ علی الترتیبِ الّذِی ذکرْنَا لِقَولِہٖ عَلَیْہِ السَّلامِ ﴿الْولَاءُ لَحْمَةٌ کَلَحْمَةِ النَّسَبِ﴾[1] وَلَا شَئٌ لِلإِنَاثِ مِن ورثةِ الْمُعْتَقِ لِقَولِہٖ عَلَیْہِ السَّلامِ ﴿لَیسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْولَاءِ إِلّا مَا أَعْتَقْنَ أَوْ أَعْتَقَ مَنْ کَاتَبْنَ أَوْ کَاتَبَ مَنْ کَاتَبْنَ أَوْ دَبَّرْنَ أَوْ دَبّرَ مَنْ دَبّرْنَ أَوْ جرّ ولاءِ مُعْتَقِهنّ أَوْ مُعْتَقِ مُعْتَقِهنّ﴾[2]

ترجمہ: اور آخری عصبہ مولی العتاقہ ہے پھر اس کا عصبہ بھی اسی ترتیب پر ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشاد ہے کہ ولاء ایک ایسا تعلق ہے جو نسب کے تعلق کی طرح ہے البتہ آزاد کرنے والے کے ورثاء میں سے عورتوں کے لیئے کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ عورتوں کے لیئے ولا سے کوئی حصہ نہیں سوائے ان کے جن کو انھوں نے خود آزاد کیا یا ان عورتوں کے آزاد کردہ نے کسی کو آزاد کیا یا خود کسی کو مکاتب بنایا یا ان عورتوں کے مدبر نے کسی کو مدبر بنایا یا ان عورتوں کے آزاد کردہ نے ولاء اپنی طرف کھینچ کر ان عورتوں کی طرف پہنچائی یا ان عورتوں کے آزاد کردہ کے آزاد کردہ نے ولاء کھینچ کر ان تک پہنچائی۔

تشریح: آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ عصبہ کی دو قسمیں بیان کی گئی تھیں عصبہ نسبیہ اور عصبہ سببیہ، عصبہ نسبیہ اپنی تمام اقسام کے ساتھ بالتفصیل مذکور ہو چکا اب عصبہ سببیہ کا بیان ہو رہا ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ عصبہ سببیہ مولی العتاقہ یعنی غلام آزاد کرنے والے آقا کو کہا جاتا ہے جس کا کچھ ذکر صدر کتاب میں ہو چکا ہے۔

عصبہ سببیہ کا نمبر عصبہ نسبیہ کے بعد آتا ہے لہذا اگر عصبہ نسبیہ کی مذکورہ تین اقسام میں سے کسی قسم کا بھی عصبہ موجود ہوگا تو عصبہ سببیہ محروم ہوتا ہے اور اگر عصبہ نسبیہ موجود نہ ہو تو معتق یعنی غلام آزاد کرنے والا عصبہ ہوتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت پھر اگر یہ بھی انتقال کر جائے تو اس معتق کے عصبات میں سے صرف عصبہ بنفسہ وارث ہوں گے اور ان کے وارث ہونے کی بھی وہی ترتیب ہے جو عصبہ نسبیہ کے عصبہ بنفسہ کی ہے نیز عصبہ بنفسہ مرد ہی ہو سکتا ہے عورت نہیں ہو سکتی لہذا معتق کا عصبہ بغیرہ یا مع غیرہ بھی وارث نہیں ہوں گے، اسی طرح ذوی الفرض عورتیں بھی وارث نہیں بنیں گی جیسے معتق کی بیوی، ماں، دادی وغیرہ البتہ آٹھ صورتیں ایسی ہیں جن میں عورت ولاء کی حقدار بنتی ہے جس کا اجمالی ذکر متن کی حدیث سے واضح ہے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

[1] المستدرك، کتاب الفرائض، ج٥ص ٢٦٠، قال الحاکم هذا حدیث صحیح الاسناد۔اقول: قد روی ابن جریر هذا الحدیث بسند رجاله ثقات فی تهذیب الآثار۔ محمد فاروق عفی عنه۔

[2] اقول: هذا الحدیث رفعه صاحب الهدایة وغیره لم یجد اسناده نقاد الحدیث کالزیلعی وابن الحجر لکن اصله ثابت فی سنن الکبری للبیهقی فی کتاب الولاء۔ محمد فاروق عفی عنه۔

۱۔ عورت نے بذات خود کوئی غلام آزاد کیا اور غلام کچھ مال چھوڑ کر دار البقا کی طرف کوچ کر گیا لیکن اس کا ذوی الفرض یا عصبہ نسبیہ سے کوئی وارث موجود نہیں تو اب یہ عورت اس کی وارث بنے گی۔

۲۔ عورت کے آزاد کردہ غلام نے کسی دوسرے غلام کو آزاد کیا، دوسرا مر گیا بد قسمتی سے اس کا بھی کوئی وارث نہیں اور نا ہی اس کا آزاد کرنے والا غلام موجود ہے تو اب یہ عورت وارث ہوگی۔

۳۔ عورت نے غلام کو مکاتب بنایا، پھر غلام آزاد ہو کر مر گیا، اس کا کوئی اور وارث نہیں ہے، یہ اس کی وارث بنے گی۔

۴۔ عورت نے غلام کو مکاتب بنایا پھر یہ غلام آزاد ہو کر کسی اور غلام کو اپنا مکاتب بناتا ہے پھر یہ دوسرا غلام آزاد ہو جاتا اور انتقال کر جاتا ہے اس کے بعد پہلا غلام بھی مر جاتا ہے تو ایسی صورت میں اگر اس عورت کے علاوہ کوئی اور وارث نہ ہو تو دوسرے غلام کا یہ وارث بنے گی۔

۵۔ اور عورت نے غلام کو مدبر بنایا بعد ازاں معاذ اللہ مرتدہ ہو کر دار الحرب چلی گئی پیچھے قاضی نے اس کے مدبر غلام کو آزادی کی نوید سنا دی لیکن پھر خوش قسمتی سے وہ عورت دوبارہ مشرف باسلام ہو کر واپس آ گئی جس کے بعد اس کا مدبر انتقال کر گیا جس کا کوئی وارث نہ تھا، تو یہ وارث بنے گی۔

۶۔ عورت غلام کو مدبر بنا کر مرتدہ ہو کے دار الحرب چلی گئی، قاضی نے مدبر آزاد کر دیا پھر اس مدبر نے دوسرے کو غلام بنا کر مدبر بنا دیا لیکن عورت مسلمان ہو کر واپس لوٹ آئی بعد ازاں دونوں مدبر انتقال کر گئے اور لا ورث بھی تھے تو دوسرے غلام کی یہ عورت وارث ہوگی۔

۷۔ عورت کے غلام نے مالکہ کی اجازت سے ایک آزاد شدہ عورت سے نکاح کر لیا البتہ پہلے وہ (آزاد شدہ عورت) کسی کی باندی تھی اب اس کو لڑکا پیدا ہوا چونکہ اب ماں آزاد ہے تو لڑکا بھی آزاد ہے البتہ لڑکے کا حق ولا اس کی ماں کے پہلے مولی کو حاصل ہوگا، اب مالکہ نے اپنے شادی شدہ غلام کو آزاد کر دیا، آزادی کی وجہ سے اس غلام نے اپنے لڑکے کا حق ولا بیوی کے مولی سے کھینچ لیا چنانچہ اب اس غلام کے مرنے کے بعد اس لڑکے کا حق ولا غلام کی مالکہ کو حاصل ہوگا۔

۸۔ عورت کے آزاد شدہ غلام نے ایک دوسرا غلام خرید کر کسی آزاد شدہ باندی سے اس کا نکاح کر دیا جس سے اس کو لڑکا ہوا، مذکورہ صورت کی طرح اس لڑکے کا حق ولا اس کی ماں کے آقا کو حاصل ہوگا لیکن اگر عورت کے غلام نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا تو اس کے لڑکے کا حق ولا اپنی طرف کھینچ لے گا اور پھر اس کے مرنے کے بعد اس کی مالکہ یعنی عورت کو حق ولا حاصل ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب -محمد فاروق عفی عنہ-

وَلَوْ تَرَكَ اَبَا الْمُعْتِقِ وَابنَه عندَ ابِي يُوسفَ رحمة الله عليه سُدسُ الْوِلَاءِ لِلابِ وَالبَاقِي لِلابنِ وعندَ ابِي حنِيفَة وَ مُحَمّد رحِمَهُما اللّٰهُ تعَالى اَلْوِلاءُ كلُّه لِلابنِ وَلَا شَيئَ لِلابِ وَلَو تركَ ابنَ الْمُعتِق و جَدَّهٗ فَالْوِلَاءُ كلُّهٗ لِلابنِ بِالاتّفاق

ترجمہ: اور اگر کسی آزاد شدہ غلام نے اپنے آزاد کرنے والے کا باپ اور اس کا بیٹا ورثاء میں چھوڑے تو امام ابو یوسف کے نزدیک ولاء کا سدس باپ کا ہے اور باقی ماندہ بیٹے کا ہے جبکہ طرفین کے نزدیک کل ولاء بیٹے کے لئے ہے اور باپ کے لئے کچھ نہیں اور اگر آزاد شدہ نے اپنے آزاد کرنے والے کا بیٹا اور اس کا دادا چھوڑا ہے تو بالاتفاق کل ولاء بیٹے کے لئے ہے۔

تشریح: اگر آزاد شدہ غلام انتقال کر جائے اور اس کا کوئی فرضی وارث موجود نہیں ہے، البتہ آزاد کرنے والے کا باپ اور بیٹا موجود ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک باپ کے لیئے کل ترکہ کا چھٹا حصہ ہے اور باقی ماندہ بیٹے کو ملے گا، یہ امام ابو یوسف کے دو قولوں میں سے آخری قول ہے اور یہی مذہب حضرت ابن مسعود، شریح و نخعی رضی اللہ عنہم کا ہے جبکہ طرفین کے نزدیک تمام ترکہ بیٹے کے لیئے ہے اور باپ محروم رہے گا کیونکہ بیٹا باپ کی بنسبت زیادہ قریب ہوتا ہے، اسی مذہب کے قائل حضرت سعید بن میسّب اور امام شافعی رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر آزاد شدہ نے آزاد کرنے والے کا بیٹا اور دادا چھوڑا ہے تو کل مال بیٹے کے لیئے ہوگا۔

وَمَنْ مَلَكَ ذَارَحْمٍ مُحْرَمٍ منهُ عَتقَ عليهِ وَيكونُ وِلاؤُهٗ لَه بقدرِ المِلكِ كثَلثِ بناتٍ لِلكُبْرٰى ثَلثُونَ دينارًا وَلِلصُّغْرٰى عشْرونَ دينارًا فاشْترَتَا ابَاهُمَا بالخمسِيْنَ ثُمّ ماتَ الابُ وتَركَ شَيْئًا فَالثُّلثانِ بينَهُنّ اَثْلاثًا بِالْفَرضِ وَالبَاقِي بينَ مشترِيَتِي الابِ أخماسًا بِالوِلَاءِ ثَلثَةُ أخمَاسِه لِلكُبْرٰى وَخُمساهُ لِلصَّغْرٰى وتَصِحّ مِن خَمْسِه وأربَعين۔

ترجمہ: اور جو شخص اپنے ذی رحم کا مالک ہو گیا تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا اور یہ آزاد شدہ کی ولاء کا بقدر ملک مالک ہوگا جیسے کسی کی تین بیٹیاں ہیں جن میں سے بڑی کے پاس تیس دینار اور چھوٹی کے پاس بیس دینار ہیں پھر دونوں نے ملکر پچاس دینار میں اپنے باپ کو خریدا پھر باپ کا انتقال ہو گیا اور کچھ ترکہ چھوڑا تو دو ثلث ان تینوں کے درمیان بطور فرض تین حصے کر کے تقسیم کیئے جائیں گے اور باقیماندہ ایک ثلث باپ کی خریدار دو بہنوں کے درمیان بطور ولاء پانچ حصے کر کے تقسیم ہوگا جن میں سے تین بڑی کے لئے اور دو چھوٹی کے لئے ہوگا اور یہ مسئلہ پینتالیس سے صحیح ہوگا۔

تشریح: اگر کسی شخص نے اپنے ذی رحم غلام کو خریدا تو وہ غلام اس شخص کی ملک میں آتے ہی خود بخود آزاد ہو جائے گا پھر اگر غلام انتقال کر جائے تو آزاد کرنے والا خواہ ایک ہو یا زائد اس کی ولاء میں بقدر حصہ حقدار ہوں گے جیسے ایک غلام کی تین

آزاد بیٹیاں ہیں، بڑی کے پاس تیس اور چھوٹی کے پاس بیس دینار ہیں دونوں نے مل کر باپ کو پچاس دینار میں خرید لیا جبکہ تیسری خریدنے میں شریک نہ ہوئی، اب باپ آزاد ہونے کے بعد کچھ مال چھوڑ کر فوت ہو گیا ورثاء میں صرف یہی تین بیٹیاں موجود ہیں، اب حسب قانون بطور فرض ترکہ کے دوثلث میں تینوں برابر برابر شریک رہیں گی البتہ باقی ماندہ ایک ثلث صرف ان دو بہنوں کو ملے گا جنھوں نے باپ کو خریدا تھا چنانچہ ایک ثلث کے پانچ حصے کر کے تین حصے تیس دینار والی کو اور دو حصے بیس دینار والی کو دے دیا جائیں گے، جس کی صورت یہ ہے۔

مثال: مسئلہ ۳×۱۵/۴۵

میت

کبریٰ	وسطیٰ	صغریٰ
۱۰/۱۹	۱۰	۱۰/۱۶

مذکورہ صورت میں اصل مسئلہ ثلثان کے مخرج ۳ سے ہوگا جن میں سے بطور فرض دوثلث یعنی دو تینوں بیٹیوں کو دے دیا گیا، لیکن دو تینوں بیٹیوں پر پورا تقسیم نہیں ہو رہا جبکہ بقیہ ایک ثلث یعنی ایک بطور ولا کبریٰ اور صغریٰ کو دینا ہے لیکن یہ بھی تقسیم نہیں ہو رہا، چناچہ اب ہم نے نظر کی کہ کبریٰ کے تیس دینار ہیں اور صغریٰ کے بیس تو تیس اور بیس کے مابین توافق بالعشر ہے، لہذا تیس کے عشر (وفق) تین اور بیس کے عشر دو کو لیا گیا اور جمع کیا تو پانچ ہوئے، اب یہ ہمارے پاس دونوں بہنوں کے قائم مقام بمنزلہ رؤس کے ہے لیکن دونوں بہنوں کے عدد رؤس پانچ ۵ اور ان کو ملنے والے ایک ثلث ۳ کے درمیان تباین ہے، لہذا ایسی صورت میں پانچ ۵ ہی لیئے جائیں گے دوسری جانب تینوں بہنوں کو عدد مخرج ۳ سے ۲ ملے تھے جو ان تینوں پر پورا تقسیم نہیں ہو رہا چنانچہ ان کے عدد رؤس ۳ اور ۵ کے درمیان نسبت دیکھی تو تباین کی ہے سو ان کو آپس میں ضرب دینے سے ۱۵ حاصل ہوئے پھر انہی ۱۵ کو اصل مسئلہ ۳ سے ضرب دیا تو ۴۵ حاصل ہوئے جس سے یہ مسئلہ تصحیح ہوا۔

یعنی اولاً تینوں بیٹیوں کو ۲ ملا تھا جس کو ۱۵ میں ضرب دینے سے ۳۰ حاصل ہوئے چنانچہ ہر ایک بہن کو ۱۰-۱۰ ملے، پھر ۴۵ سے ۳۰ نکلنے کے بعد ۱۵ بچے جو کبریٰ اور صغریٰ دونوں کو بطور ولاء حصے کر کے دیئے ہیں، چنانچہ ۱۵ میں سے تین خمس یعنی ۹ کبریٰ کو دیئے اور دو خمس یعنی ۶ صغریٰ کو دیئے، تو اب کل ملا کر کبریٰ کے ۱۹ صغریٰ کے ۱۶ اور وسطیٰ کے ۱۰ حصے ہوئے جن کو جمع کرنے سے ۴۵ ہوئے۔

❁❁❁

☆ سیدنا عیسیٰ کلمۃ اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے اب تک کوئی عصبہ نسبی نہیں، یہاں تک کہ بعدِ نزول انکے اولادِ ذکور پیدا ہو۔ (فتاویٰ رضویہ، کتاب الفرائض، ج ۲۶، ص ۱۵۹)

مشق

درج ذیل صورتوں میں ہر وارث کا حصہ بیان کریں اور اگر کوئی عصبات میں سے ہے تو اسکی بھی وضاحت کریں کہ عصبہ کی کون سی قسم سے ہے۔ نیز دیگر عصبات پر وجہ ترجیح بھی بیان کریں۔

۱۔ ایک شخص انتقال کر گیا اور ورثاء میں بیوی، باپ، بیٹا، دو بیٹیاں ہیں؟

۲۔ شوہر، حقیقی بھائی، چچا؟ ۳۔ بیٹی، چچا، بھتیجا، دادا؟

۴۔ بیوی، بیٹی، علاتی بہن، باپ شریک بھائی کا بیٹا؟

۶۔ شوہر، دو حقیقی بھائی، ایک حقیقی بہن، تین علاتی بھائی، دو چچے؟

۷۔ بیٹا، پوتا، دادا؟ ۸۔ بیٹی، چچا کا بیٹا، بھتیجا؟

۹۔ بیٹی حقیقی بہن، پوتی؟ ۱۰۔ دو بیٹیاں، دو بہنیں؟

۱۱۔ بیوی، پوتا، بھائی، بہن؟ ۱۲۔ بیوی، پڑدادا، بھائی؟

۱۳۔ شوہر، حقیقی بھائی کا بھتیجا، علاتی بھائی؟ ۱۴۔ بیوی، بھتیجا، پھوپی؟

۱۰۔ شوہر، بیٹی، باپ شریک بہن؟

۱ ۲ ۳

❁❁❁

مسئلہ: جس وارث کو محروم کرنا چاہتا ہے اگر وہ فاسق معاذ اللہ بد مذہب ہو تو اسے محروم کرنا ہی بہتر وافضل ہے۔ خلاصہ ولسان الحکام وفتاوی عالمگیریہ میں ہے: ﴿لو كان ولده فاسقا و اراد ان يصرف ماله الى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه﴾ یعنی اگر کسی کی اولاد فاسق ہو اور وہ چاہے کہ اپنے مال کو نیکی کے کاموں میں خرچ کر کے فاسق اولاد کو میراث سے محروم کر دے تو ایسا کرنا فاسق کے لئے مال چھوڑ جانے سے بہتر ہے۔

بد مذہب بدترین فساق ہے۔ غنیۃ میں ہے: ﴿الفسق من حيث العقيدة اشد من الفسق من حيث العمل﴾ عقیدہ کے اعتبار سے فاسق ہونا عمل کے اعتبار سے فاسق ہونے سے بدتر ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج۲۶ ص۲۹۵۔ ملخصاً)

باب الحجب

یہ باب حجب کے بیان میں ہے

الحَجبُ عَلى نوعَينِ حَجبِ نقصان وهُوَ حَجبٌ عن سَهمٍ اِلى سَهمٍ وَذالكَ لِخَمسَةِ نفرٍ لِلزَّوجَينِ وَالامّ وبنتٍ والاختِ لابٍ وقدْ مَرّ بيانُهُ وَحَجب حرمانُ والوَرثةُ فِيه فريقَان فَرِيقٌ لَا يَحجبُونَ بِحَالٍ البتة وهُم ستةٌ الابنُ والابُ والزوجُ والبنتُ والامُ و الزوجةُ وفريقٌ يَرثُونَ بِحَالٍ وَيَحجبُونَ بِحَالٍ وَهذا مَبنى على اصْلَينِ اَحَدُهُما هُوَ اَن كلَّ مَنْ يُدلى الَى الْمَيّتِ بِشَخصٍ لَا يَرِث مَع وُجُودِ ذَالِكَ الشَّخصِ سِوٰى اَوْلَادِ الْامّ فَانّهم يَرِثُونَ مَعَها لِانعِدَامِ اسْتِحْقَاقِهَا جَمِيعَ التّركةِ وَالثّاني الاقربُ فالاقربُ كما ذكرْنَا فِي العَصَبَات

ترجمہ: حجب کی دو قسمیں ہیں۔ حجب نقصان: اور وہ محجوب ہونا ہے ایک حصے سے دوسرے حصے کی جانب اور یہ پانچ شخصوں کے لئے ہے زوجین، ماں، پوتی اور باپ شریک بہن اور ان کا بیان ہو چکا ہے اور دوسری قسم حجب حرمان ہے اور ورثاء اس میں دو فریق ہیں: ایک فریق تو وہ ہے جو کسی بھی حال میں محجوب نہیں ہوتا اور یہ چھ ہیں بیٹا، باپ، شوہر، بیٹی، ماں، بیوی اور دوسرا فریق وہ ہے جو کبھی وارث ہوتا ہے اور کبھی محجوب ہوتا ہے اور یہ دو اصولوں پر مبنی ہے، ایک اصول یہ ہے کہ ہر وارث جو میت کی طرف کسی دوسرے شخص کے وساطت سے منسوب ہو تو یہ وارث اس شخص کے ہوتے ہوئے وارث نہ ہو گا سوائے ماں شریک بھائی بہنوں کے کیونکہ وہ ماں کے ساتھ وارث بنتے ہیں اس لئے کہ ماں کل مال کی مستحق نہیں ہوتی اور دوسرا اصول یہ ہے کہ الاقرب فالاقرب یعنی قریبی رشتہ دار بعید والے کو محروم کر دیتا ہے جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کر کے آئے ہیں۔

تشریح: لغت میں حجب "روکنے" اور "باز رکھنے" کو کہتے ہیں اسی سے حاجب بمعنی دربان ہے اور اہل فرائض کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ کسی وارث کا حصہ کسی دوسرے وارث کے موجود ہونے کی وجہ سے یا تو کم ہو جائے یا پھر بالکل ہی ختم ہو جائے، اس کی دو قسمیں ہیں حجب نقصان اور حجب حرمان۔

۱۔ حجب نقصان: ایک وارث دوسرے وارث کو وراثت سے بالکل محروم تو نہ کرے لیکن اس کے حصے میں کمی کر دے یہ کل پانچ وارث ہیں شوہر، بیوی، ماں، پوتی اور باپ شریک بہن۔ ان کا حال تو پہلے گذر چکا ہے تاہم پھر بھی یہاں مثالوں سے واضح کیا جاتا ہے۔

شوہر کی مثال: مسئلہ ۴

میت

شوہر	بیٹا
۱	۳

شوہر کا حصہ نصف تھا مگر بیٹی کی موجودگی میں چوتھائی ہو گیا۔

بیوی کی مثال: مسئلہ ۸

میت

بیوی	بیٹا
۱	۷

بیوی اولاد کی عدم موجودگی میں چوتھائی کی حقدار ہوتی ہے مگر اولاد کے ہوتے ہوئے چوتھائی کے بجائے آٹھواں لیتی ہے۔

ماں کی مثال: مسئلہ ٦

میت

ماں	بیٹا
۱	۵

ماں کا تہائی حصہ مقرر ہے مگر اولاد یا دو بھائی بہنوں کی موجودگی میں چھٹے کی مستحق ہوتی ہے۔

پوتی کی مثال: مسئلہ ٦

میت

بیٹی	پوتی	چچا
۳	۱	۲

پوتی کا حصہ ایک حقیقی بیٹی کی موجودگی میں نصف سے کم ہو کر چھٹا رہ جاتا ہے۔

باپ شریک بہن کی مثال: مسئلہ ٦

میت

حقیقی بہن	باپ شریک بہن	چچا
۳	۱	۲

باپ شریک بہن کا نصف حصہ حقیقی بہن کے ہوتے ہوئے چھٹا رہ جاتا ہے۔

۲۔ حجب حرمان: اس قسم میں دو قسم کے ورثاء ہیں، ایک وہ جو کسی حال میں محروم نہیں ہوتے اور وہ چھ ہیں تین مرد یعنی بیٹا، باپ، شوہر اور تین عورتیں یعنی بیٹی، ماں، بیوی اس میں سے کوئی بھی وارث کسی بھی صورت کسی بھی حال میں کبھی محروم نہیں ہوتا۔ اور دوسری قسم کے ورثاء وہ ہیں جو کبھی تو وارث بنتے ہیں اور کبھی محروم رہتے ہیں، ان کے وارث نہ ہونے کے دو اصول ہیں. پہلا اصول یہ کہ جس شخص کا نا تا میت کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے ذریعے سے ہو تو وہ اس کے ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں پاتا جیسے پوتا اور دادا کہ ان کا نا تا میت کے ساتھ بیٹے یا باپ کے ذریعے سے ہے تو بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا، اور باپ کے ہوتے ہوئے دادا کچھ نہیں پائے گا البتہ ماں شریک بھائی اس اصول سے مستثنیٰ ہیں کہ ان کا رشتہ ماں کے ذریعے سے ہے اور وہ ماں کے ہوتے ہوئے بھی محروم نہیں ہوتے کیونکہ ماں خود ہی پورے ترکہ کی مستحق نہیں ہوتی۔ اور دوسرا اصول یہ ہے کہ قریبی رشتہ دار دور والے رشتہ دار کو محروم کر دیتا ہے جیسے:۔

مثال: مسئلہ ۸

میت

بیوی	بیٹا	پوتا
۱	۷	م

اس صورت میں بیٹا پوتے کی بنسبت میت کے زیادہ قریب ہے چنانچہ پوتا محروم ہوا۔

وَالْمَحْرُوْمُ لَا يَحْجِبُ عِنْدَنَا وَعِنْدَ ابنِ مسعود رضي الله عنه يَحْجِبُ حجبَ النقصان كَالكافرِ والقاتلِ والرقيقِ والمحجوبُ يحجبُ بالاتفاقِ كالاثنينِ مِنَ الإخوةِ والاَخواتِ فصاعدًا مِنْ اَىِّ جهةٍ كانَا فانّهما لَا يَرِثان مَعَ الابِ وَلكنْ يَحْجُبان الامَّ مِنَ الثُّلثِ اِلَى السُّدُسِ۔

ترجمہ: اور ہمارے نزدیک محروم الارث حاجب نہیں بنتا اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک حجب نقصان کے ساتھ حاجب بنتا ہے جیسے کافر، قاتل، غلام اور محروم بالاتفاق حاجب بنتا ہے مثلاً: دو یا دو سے زائد بھائی بہنیں خواہ کسی بھی جہت سے ہوں باپ کے ہوتے ہوئے وارث نہیں ہوتے البتہ ماں کے لئے حاجب بنتے ہیں چنانچہ ماں کا حصہ تہائی سے گھٹ کر سدس رہ جاتا ہے۔

تشریح: یہاں سے مصنف ایک مختلف فیہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر کوئی وارث کسی مانع وراثت مثلاً: کفر و قتل وغیرہ کی بنیاد پر وراثت سے محروم ہو گیا تو آیا یہ دوسرے ورثاء کے لیئے بھی حاجب (رکاوٹ) بنے گا یا نہیں؟ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہم احناف کے نزدیک ایسا محروم الارث دوسرے ورثاء کے لیئے نہ تو حاجب نقصان ہو گا اور نہ ہی حاجب حرمان ہو گا جیسے:۔

حجب نقصان کی مثال: مسئلہ ۴

میت

بیوی	ابن قاتل	باپ
۱	م	۳

اس صورت میں ابن قاتل بیوی کا حاجب نقصان نہیں ہوا، بلکہ بیوی کا فرض حصہ ربع برقرار رہا۔

حجب حرمان کی مثال: مسئلہ ۱۲

میت

شوہر	ابن کافر	پوتا	باپ
۳	م	۷	۲

اس صورت میں ابن کافر پوتے کے لیئے حاجب حرمان نہیں ہوا۔

لیکن حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک محروم الارث حاجب حرمان تو نہیں بن سکتا البتہ حاجب نقصان ضرور ہوتا ہے چنانچہ مذکورہ مثالوں میں سے حجب حرمان کی مثال ملاحظہ کیجئے تو ابن کافر پوتے کے لیئے حاجب نہیں ہوا البتہ حجب نقصان کی مثال میں ابن قاتل کی وجہ سے بیوی کا حصہ ربع سے کم ہو کر ثمن رہ جائے گا۔

قولہ: والمحجوب الخ جو وارث خود میراث سے محجوب (محروم) ہو گیا ہو احناف اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک بالاتفاق وہ دوسرے وارث کا حصہ کم یا بالکل ختم کر سکتا ہے جیسے:۔

مثال ۱: مسئلہ ۶

میت

ماں	باپ	بھائی	بھائی
۱	۵	م	م

اس صورت میں بھائی باپ کے ہوتے ہوئے محروم ہیں مگر اس کے باوجود انھوں نے ماں کا حصہ تہائی سے کم کر کے چھٹا کر دیا۔

مثال ۲: مسئلہ ۴

میت

بیوی	دادی	باپ	نانی کی ماں
۱	م	۳	م

اس صورت میں دادی باپ کی وجہ سے محروم ہے مگر اس نے نانی کو بھی محروم کر دیا۔

باب مخارج الفروض
یہ باب فروض کے مخارج کے بیان میں ہے

اِعْلَمْ اَنَّ الْفُرُوضَ الْمذكُورةَ فِي كتابِ اللّٰه تعالٰى نوعَانِ الاولُ النصفُ والرُّبعُ والثُّمنُ والثّانى الثُّلثَان والثلثُ والسُّدس عَلى التَّضعيفِ والتَّنصِيفِ فَاذَا جاءَ فى المَسَائلِ مِن هٰذِهِ الْفُرُوضِ اُحاد اُحاد فمخرجُ كُلِّ فرضٍ سَمِّيُهُ الا النّصفُ وَهُو مِنَ اثنَينِ كالرُّبعِ مِنْ اَربعةٍ وَالثُّمنِ مِن ثمانيةٍ والثّلثُ مِن ثلاثةٍ وإذا جاءَ مثنًى اَو ثلثٌ وهُمَا مِن نَوعٍ واحدٍ فكلُّ عددٍ يكونُ مخرجًا لِجُزءٍ فذالكَ العددُ اَيضًا يكونُ مخرجًا لِضُعفِ ذالك الجزءِ ولِضُعفِ ضعفِهٖ كالسِّتّةِ هِى مخرجٌ للسُّدُس وَلِضُعفِهٖ وَلِضُعفِ ضعفِهٖ واذا اختلطَ النّصفُ مِن الاولِ بِكل الثّانى أو ببعضِه فهُو مِن ستةٍ وإذا اختلطَ الربعُ بِكلّ الثّانِى أو ببعضِهٖ فَهُو مِن اثنَى عَشرَ وَإذا اختلطَ الثُّمنُ بكُل الثّانى اَو ببَعْضِه فَهُو مِن اربعةٍ وَعشرِيْنَ۔

ترجمہ: تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ جو حصے کتاب اللہ میں مذکور ہیں وہ دو قسم کے ہیں اول: نصف، ربع، ثمن، اور ثانی: ثلثان، ثلث، سدس تضعیف اور تنصیف کے طور پر چنانچہ جب مسائل مذکورہ میں چھ حصوں سے اگر ایک ایک آئے تو ہر حصے کا مخرج اسی کے نام پر ہوگا سوائے نصف کے کیونکہ اس کا مخرج دو ہے، لہذا ربع کا مخرج چار سے، ثمن آٹھ سے اور ثلث تین سے ہوگا اور جب (مذکورہ چھ حصوں سے) دو، دو یا تین، تین حصے آئیں اور وہ دونوں ایک ہی نوع سے ہوں تو جو عدد کسی جز کا مخرج ہوگا سو وہی عدد اس کے دگنے اور دگنے کے دگنے کا بھی مخرج ہوگا مثلاً: چھ یہ سدس کا مخرج ہے اور یہی چھ اس سدس کے دگنے یعنی ثلث اور ثلث کے دگنے یعنی ثلثان کا بھی مخرج ہوگا، اور جب قسم اول کا نصف قسم ثانی کے کل یا اسکے بعض کے ساتھ جمع ہو جائے تو مسئلہ چھ سے ہوگا اور جب ربع قسم ثانی کے کل یا بعض کے ساتھ جمع ہو جائے تو مسئلہ بارہ سے ہوگا اور جب ثمن قسم ثانی کے کل یا بعض کے ساتھ جمع ہو جائے تو مسئلہ چوبیس سے ہوگا۔

تشریح: مخارج مخرج کی جمع ہے جس کا لغوی معنی ہے "جائے خروج" اور اہل فرائض کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ چھوٹے سے چھوٹا عدد ہے جس سے تمام ورثاء کو بلا کسر انکے حصے دیئے جاسکیں۔ صاحب سراجی علامہ سجاوندی رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ پھر کتاب اللہ میں مقرر شدہ حصوں کا ذکر کیا ہے، تاہم پہلے مجموعی طور پر ذکر کیئے تھے اب ان کو دو اقسام میں بیان کر رہے ہیں جس کی صورت یہ ہے۔

القسم الاول		القسم الثانی	
نصف	۲	ثلثان	۳
ربع	۴	ثلث	۳
ثمن	۸	سدس	۶

اب ملاحظہ فرمائیے کہ ہر قسم کے حصوں کو اگر نیچے سے لیا جائے تو ایک دوسرے کا دوگنا ہے اور اگر اوپر سے نیچے لیا جائے تو ایک دوسرے کا آدھا ہیں مثلاً ثمن کا دوگنا ربع اور ربع کا دوگنا نصف ہے اسی طرح قسم ثانی میں سدس کا دوگنا ثلث اور ثلث کا دوگنا ثلثان ہے پھر دوسرے لحاظ سے دیکھیں تو نصف کا آدھا ربع ہے اور ربع کا آدھا ثمن ہے اسی طرح ثلثان کا آدھا ثلث اور ثلث کا آدھا سدس ہے، فرائض یعنی حصوں کے مخرج کا اصل مقصد یہ ہے کہ کوئی سا ایک ایسا عدد معین کیا جائے جس سے تمام ورثاء کو اپنے مقررہ حصے مل جائیں، چنانچہ عدد معین کرنے کے لیئے صاحب سراجی نے چند اصول ذکر کیئے ہیں جو یہ ہیں

پہلا اصول: اگر مذکورہ چھ فرائض میں سے صرف ایک ہی فرض حصہ ہو تو اس کا مخرج اس حصے کا ہمنام عدد ہوگا مثلاً: چھٹا ہے تو مخرج مسئلہ بھی چھ سے ہوگا جیسے:۔

مثال: مسئلہ ۶

میت

ماں	بیٹا
۱	۵

یہاں مسئلہ چھ سے ہوگا کیونکہ ماں ذوالفرض ایک ہے جس کا چھٹا حصہ ہے چنانچہ مسئلہ بھی اسی سے ہوا، اسی طرح اگر صرف نصف والا ہے تو دو سے، ربع والا ہے تو چار سے، سدس والا ہے تو چھ سے علی ھذا القیاس مسئلہ بنائیں گے، طلباء کی سہولت کے لیئے ہم نے چھ حصوں کی تقسیم میں ہر حصے کے آگے اس کا ہمنام عدد لکھ دیا ہے۔

دوسرا اصول: اگر کسی مسئلے میں ایک سے زیادہ حصے جمع ہو جائیں اور وہ سب ایک ہی قسم سے ہوں یعنی دو یا دو سے زیادہ ذوالفرض جمع ہوں تو سب سے کم مخرج والے حصے سے مسئلہ بنے گا مثلاً:۔

مثال: مسئلہ ۸

میت

بیوی	بیٹی	چچا
۱	۴	۳

یہ مسئلہ آٹھ سے ہوگا اس مسئلے میں دو: والفرض ہیں ایک بیوی جس کا ثمن ہے اور بیٹی جس کا نصف ہے یہ دونوں حصے پہلی قسم سے ہیں آٹھواں حصہ نصف سے کم ہے اس لیئے اسی سے مسئلہ ہوا۔

دوسری مثال: مسئلہ ٦ تعول الی ٧

میتــــــــــــــــــــــــــــــــــ

ماں	حقیقی بہنیں ۲	ماں شریک بہنیں ۲
۱	۴	۲

اس مثال میں دوسری قسم کے تمام حصے جمع ہو گئے ہیں سب سے چھوٹے حصے کا مخرج چھ تھا وہی تمام کا مخرج قرار پایا پھر سات تک عول ہوا۔

تیسرا اصول: اگر پہلی قسم کا نصف دوسری قسم کے کسی ایک حصے یا سب کے ساتھ آ جائے تو مسئلہ چھ سے ہوگا جیسے:۔

مثال: مسئلہ ٦

میتــــــــــــــــــــــــــــــــــ

ماں	بیٹی	چچا
۱	۳	۲

یہ مسئلہ چھ سے ہوا کیونکہ پہلی قسم کا نصف دوسری قسم کے سدس کے ساتھ جمع ہوا ہے۔

چوتھا اصول: اگر ربع دوسری قسم کے کسی حصے یا سب کے ساتھ آ جائے تو مسئلہ بارہ سے ہوگا جیسے:۔

مثال: مسئلہ ۱۲ تعول الی ۱۵

میتــــــــــــــــــــــــــــــــــ

بیوی	ماں	حقیقی بہنیں	ماں شریک بہنیں
۳	۲	۸	۲

یہ مسئلہ بارہ سے ہوا، بیوی کا ربع دوسری قسم کے تمام حصوں کے ساتھ آیا ہے۔

پانچواں اصول: اگر ثمن دوسری قسم کے کسی ایک حصے یا تمام حصوں کے ساتھ آ جائے تو مسئلہ چوبیس سے ہوگا، جیسے:

مثال: مسئلہ ۲۴

میتــــــــــــــــــــــــــــــــــ

بیوی	بیٹیاں	ماں	چچا
۳	۱۶	۴	۱

یہ مسئلہ چوبیس سے ہوا کیونکہ ثمن دوسری قسم کے تمام حصوں کے ساتھ جمع ہے۔

فائدہ: اگر کوئی مسئلہ ایسا ہو جس میں ذوی الفروض میں سے کوئی نہ ہو بلکہ سب عصبات سے ہوں تو مخرج مسئلہ ان کے عددِ رؤس سے ہوگا۔

مثال: مسئلہ ۸
میت

بھائی ۳	بہنیں ۲
٦	۲

مثال: مسئلہ ۵
میت

بھائی ۵
۵

✿✿✿

خانقاہی وراثت کے مسائل

سوال: جس مکان کو متعلق خانقاہ، مہمان خانہ یا لنگر خانہ موسوم کیا جائے یا جس مکان میں سجادہ نشین رہتے چلے آئے ہوں یا جس مکان میں مہمان عرس کے شریک ہونے والے یا تعلیم ذکرِ الٰہی پانے والے قیام پذیر ہوا کرتے ہوں وہ مکان شرعاً قابل تقسیم ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر ملکِ مورث ہے تقسیم ہوگا اور اگر اس کا وقف ہونا بہ ثبوتِ شرعی ثابت ہو تو منقسم نہ ہو سکے گا صرف اتنی بات سے کہ اس کا نام مہمان خانہ یا لنگر خانہ ہے یا اس میں سجادہ نشین رہتے یا اشخاص مذکورین قیام کرتے تھے وقف ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: اگر کسی مکان کو خانقاہ کے نام سے موسوم کیا ہو تو وہ شرعاً اس بناء پر وقف ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ، ج۲٦، ص۲۹۱)

باب العول

یہ باب عول کے بیان میں ہے

العَوْلُ اَنْ یُزَادَ عَلی المَخْرج شیٌ مِن اجزائِه اِذا ضَاق عَن فرضٍ اعلمْ اَن مجموعَ المخارج سبعةٌ، اربعةٌ مِنها لا تَعولُ وهِی الاِثنان والثلاثةُ والاربعةُ والثمانيةُ وثلاثةٌ منها قد تَعولُ اَمّا الستةُ فاِنّها تَعولُ الی عشرةٍ وترًا وشفعًا واَمّا اثنا عشرَ فهِی تعولُ الی سبعةَ عشرَ وترًا لا شفعًا واَمّا اربعةٌ وعشرونَ فانّها تعولُ الی سبعةٍ وعشرينَ عولًا واحدًا كَما فِی المَسْأَلةِ المِنبَريّة وهِی امرأةٌ وبنتَان وابَوان ولَا يُزادُ عَلی هَذا اِلا عنْد ابنِ مسعود رضی اللّٰه تعالٰی عنهُ فانَّ عندَه تعولُ اِلی احدٍ وّثلاثينَ۔

ترجمہ: عول کی تعریف یہ ہے کہ مخرج پر اس کے اجزاء میں سے کچھ بڑھایا جائے جب مخرج ورثاء کے حصوں سے تنگ ہو جائے، جاننا چاہئے کہ جمیع مخارج سات ہیں چار تو وہ ہیں جن میں عول نہیں ہوتا اور یہ دو، تین، چار اور آٹھ ہیں اور باقی تین میں کبھی کبھار عول ہو جاتا ہے، ان تین میں سے چھ کا عول دس تک ہوتا ہے طاق اور جفت دونوں طرح سے اور جبکہ بارہ کا عول سترہ تک ہوتا ہے صرف طاق ہو کر نہ کے جفت اور رہا چوبیس تو اس کا عول فقط ستائیس تک ایک ہی ہوتا ہے جیسا کہ مسئلہ منبریہ میں ہے، اور وہ یہ ہے کہ ورثاء میں بیوی، دو بیٹیاں اور ماں، باپ ہیں اور چوبیس کا عول ستائیس سے زائد نہیں ہوتا لیکن حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک چوبیس کا عول اکتیس تک ہو سکتا ہے۔

تشریح: از روئے لغت عول کا معنیٰ ہے "جور، غلبہ، رفع، زیادت" اور اہل فرائض کی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب حصوں کے مخرج کا عدد کم اور ورثاء کے حصے زیادہ ہو جائیں تو مخرج میں کچھ اضافہ کر دیا جاتا ہے تا کہ سب ورثاء کو ان کے حصے پہنچ جائیں اس اضافے کا نام عول ہے۔ یا بالفاظ دیگر جب ورثاء کے حصے جمع کیئے جائیں تو اس عدد سے بڑھ جائیں جس سے مسئلہ بنا تھا مثلاً مسئلہ اولاً ۶ سے بنا تھا اور ورثاء کے حصے جمع کیئے گئے تو ۸ ہو گئے چنانچہ یہ ۶ سے ۸ تک اضافہ ہونا عول کہلاتا ہے۔

صاحب سراجی فرماتے ہیں کہ کل مخارج سات ہیں یعنی: ۲، ۳، ۴، ۶، ۸، ۱۲، ۲۴ ان میں سے تین یعنی ۶، ۱۲، اور ۲۴ میں عول ہوتا ہے جبکہ ۲، ۳، ۴ اور ۸ میں عول نہیں ہوتا، جن میں عول ہوتا ہے ان میں سے ۶ کا عول ۱۰ تک ہوتا ہے یہ طاق میں بھی ہوتا ہے اور جفت میں بھی جیسے:۔

مثال ۱: مسئلہ ۶ تعول الی ۷

میت

شوہر	بہن	بہن
۳	۲	۲

مثال ۲: مسئلہ ۶ تعول الی ۸

میت

ماں	شوہر	بہن	بہن
۱	۳	۲	۲

مثال ۳: مسئلہ ۶ تعول الی ۹

میت

ماں	شوہر	بہن	بہن	ماں شریک بھائی
۱	۳	۲	۲	۱

مثال ۴: مسئلہ ۶ تعول الی ۱۰

میت

بیوی	شوہر	بہن	بہن	ماں شریک بھائی ۲
۱	۳	۲	۲	۲

بارہ کا عول سترہ تک ہوتا ہے مگر یہ عول جفت میں نہیں ہوتا صرف طاق میں ہوتا ہے. جیسے:۔

مثال ۱: مسئلہ ۱۲ تعول الی ۱۳

میت

بیوی	بہن	بہن	ماں
۳	۴	۴	۲

مثال ۲: مسئلہ ۱۲ تعول الی ۱۵

میت

بیوی	بہن	بہن	ماں	ماں شریک بھائی
۳	۴	۴	۲	۲

مثال ۳: مسئلہ ۱۲ تعول الی ۱۷

میت

بیوی	ماں	بہن	بہن	ماں شریک بھائی	ماں شریک بھائی
۳	۲	۴	۴	۲	۲

اور ۲۴ کا عول صرف ۲۷ تک ہوتا ہے جیسے:۔

مثال ۴: مسئلہ ۲۴ تعول الی ۲۷

میت

بیوی	بیٹی	بیٹی	ماں	باپ
۳	۸	۸	۴	۴

یہ مسئلہ "مسئلہ منبریہ" کے نام سے بھی مشہور ہے اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں حضرت سید شریف جرجانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: حضرت سیدنا علی المرتضیٰ مشکل کشا رضی اللہ عنہ کوفہ کی جامع مسجد میں منبر پر خطبہ دے رہے تھے، دریں اثناء جب آپ نے یہ پڑھا کہ "الحمدلله الذی یحکم بالحق قطعاً ویجزی کل نفس بما تسعیٰ الیه المآب والرجعی" تو ایک سائل نے کھڑے ہو کر سوال کیا "ألیس للزوجة الثمن" یعنی بیوی کے لیئے تو ثمن ہوا کرتا ہے لیکن اس مسئلے میں اس کو ثمن نہیں مل رہا؟ تو آپ نے فی البدیھہ جواب ارشاد فرمایا کہ صار ثمنها تسعا یعنی بیوی کا ثمن نو ہو جائے گا یہ

فرما کر آپ پھر خطبہ پڑھنے میں مشغول ہو گئے، جواب سن کر لوگ آپ کی ذہانت پر دنگ رہ گئے [1]

اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک ۲۴ کا عول ۳۱ تک جا سکتا ہے، اس اختلاف کا پس منظر دراصل وہی اختلاف ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک محروم شخص حاجب نقصان بن سکتا ہے جبکہ دیگر حضرات کے نزدیک محروم شخص حاجب نقصان نہیں ہوتا جیسے:۔

مثال: مسئلہ ۲۴ تعول الی ۳۱

میت

بیوی	ماں	حقیقی بہنیں ۲	ماں شریک بہنیں ۲	ابن کافر
۳	۴	۱۶	۸	م

جبکہ دیگر حضرات کے نزدیک یہ صورت ہوگی:۔

مثال: مسئلہ ۱۲ تعول الی ۱۷

میت

بیوی	ماں	حقیقی بہنیں ۲	ماں شریک بہنیں ۲	ابن کافر
۳	۲	۸	۴	م

ان صورتوں کو ملاحظہ کیجئے ابن کافر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک حاجب ہے اس لیئے بیوی کو ربع کے بجائے ثمن ملا ہے اور مسئلہ ۲۴ سے ہو کر ۳۱ تک عول ہوا، جبکہ دیگر حضرات کے نزدیک ایسا نہیں ہے بلکہ بیوی کو ربع ملا ہے۔

مشق

۱۔ اگر کسی مسئلہ میں نصف، ثلث، ثلثان جمع ہو جائیں تو مخرجِ مسئلہ کیا ہوگا، نیز اس صورت میں عول ہوگا یا نہیں۔ ہوگا تو کہاں تک؟

۲۔ ثمن، ربع، سدس، ثلث — ۳۔ ثمن، ثلث، ثلثان — ۴۔ ربع، سدس، ثلثان

۵۔ نصف، ربع، ثمن — ۶۔ نصف، سدس، ثلث — ۷۔ ثمن، ثلثان، سدس، سدس

۸۔ ربع، ثلث، ثلثان — ۹۔ نصف، ثلثان — ۱۰۔ ثلثان، سدس

مذکورہ صورتوں کا مخرجِ مسئلہ نکالیں نیز اگر عول ہو رہا ہے تو اسکی وضاحت کریں۔

[1] شریفیہ شرح سراجیہ، ص ۵۷

فصل فی معرفة التماثل و التداخل و التوافق و التباین بین العددین

تَماثُلُ العددَیْنِ کَوْنُ احدِھِمَا مساوِیًا لِلاخرِ وتَداخُلُ العددَیْنِ المختلفَیْنِ اَن یُعِدّ اقلُّھما الاکثرَ اَیْ یُفْنِیهِ اَو نقولُ ھُوَ اَن یّکونَ اکثرُ العَدَدَیْنِ منقسِمًا عَلَی الْاَقلِ قسمةً صحیحةً او نقولُ ھُو اَن یَزِیْدَ عَلی الاقلِ مِثْلَه اَو اَمْثالَه فیُسَاوِی الاکثرَ او نقولُ ھُو اَن یکونَ الاقلُ جزءً للاکثرِ مثلَ ثلاثةٍ وّ تسعةٍ وتوافقُ العددَیْنِ اَنْ لَا یُعِدّ اقلُّھما الاکثرَ ولکنْ یُعِدّھُمَا عددَ ثالثٌ کالثمانیةِ معَ العشرینَ تعدھما اربعةٌ فَھُمَا مُتَوافِقَانِ بالرُبع لانّ العددَ العادّ لھُمَا مخرجٌ لجُزءِ الوفقِ وتباینُ العددینِ اَنْ لا یَعدّ العددینِ معًا عددٌ ثالثٌ کالتسعةِ مع العَشْرةِ

ترجمہ: یہ فصل دوعددوں کے درمیان تماثل، تداخل، توافق اور تباین کی معرفت کے بیان میں ہے۔ دوعددوں کا تماثل یہ ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کا مساوی ہواور دومختلف عددوں کا تداخل یہ ہے کہ ان میں سے چھوٹا بڑے کوتمام کردے یعنی فنا کردے یا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تداخل یہ ہے کہ دونوں عددوں میں سے بڑا عدد چھوٹے عدد پر قسمت صحیح کے ساتھ پورا تقسیم ہو جائے، یا ہم یوں کہتے ہیں کہ تداخل کی تعریف یہ ہے کہ چھوٹے عدد پر اسی کے ہم مثل عدد یا چند ہم مثل عدد زیادہ کئے جائیں تو وہ بڑے عدد کے مساوی ہو جائے، یا ہم یوں کہتے ہیں کہ چھوٹا عدد بڑے عدد کا جزء ہو جیسے تین اور نو اور دوعددوں کا توافق یہ ہے کہ ان میں سے چھوٹا بڑے کو فنا نہ کر سکے بلکہ کوئی تیسرا عدد آ کر ان دونوں کو فنا کردے جیسے آٹھ، بیس کے ساتھ ان دونوں کو چار فنا کرتا ہے چنانچہ یہ دونوں متوافق بالربع ہیں، اس لئے کہ فنا کرنے والا عدد چار جزء وفق کا مخرج ہے اور دو عددوں کے متباین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو ایک ساتھ فنا نہ کرے جیسے نو اور بیس۔

تشریح: حضرت مصنف رحمہ اللہ اس فصل کو دراصل اگلے باب یعنی باب تصحیح کے لیئے بطور مقدمہ لائے ہیں کیونکہ بسا اقات ایسا ہوتا ہے کہ ترکہ پانے والے ورثاء کی تعداد پر کسر لازم آتی ہے جبکہ علم الفرائض مین ورثاء کو بلا کسر حصے دیئے جاتے ہیں چنانچہ اس کسر سے بچنے کے لیئے تصحیح کے قواعد مقرر کیئے گئے اور تصحیح کے قواعد کا سمجھنا اعداد کے درمیان نسبتوں کی معرفت پر موقوف ہے، لہذا مصنف فرماتے ہیں: اعداد کے اندر چار قسم کی نسبتیں قائم ہوتی ہیں ا۔ تماثل ۲۔ تداخل ۳۔ توافق ۴۔ تباین یعنی مطلب یہ ہے کہ جب بھی کوئی دوعدد لیئے جائیں گے تو ان کے درمیان ان چار نسبتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہیں، اب ہر ایک کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

ا۔تماثل: وہ اعداد ہیں جو آپس میں ہم مثل یا مساوی ہوں جیسے دو اور دو، چار اور چار وغیرہ۔

۲۔تداخل: وہ اعداد ہیں جو آپس میں مساوی نہ ہوں بلکہ ایک چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا، چنانچہ اگر چھوٹا بڑے کو فنا کردے

یعنی پورا پورا تقسیم کر دے تو ان میں نسبت تداخل ہوگی مثلاً: تین اور نو یا چار اور آٹھ یا بیس اور سو کے درمیان نسبت تداخل کی ہے، یا آپ یوں بھی کر سکتے ہیں کہ چھوٹے عدد پر اس کے ہم مثل عدد اتنی بار بڑھائیں کہ بڑے عدد کے برابر سرابر ہو جائے جیسے مثال مذکور میں تین پر اس کے ہم مثل عدد تین ہی کو مزید دو بار بڑھایا تو نو ہو گیا، نیز آپ مذکورہ امثال میں دیکھ رہے ہیں کہ چھوٹا عدد بڑے کا جز ہے یعنی تین، نو کا، چار آٹھ کا اور بیس سو کا، متن میں تداخل کی ذکر کردہ چاروں تعریفوں کا ماحاصل یہی ہے۔

۳۔توافق: دو مختلف عددوں میں سے اگر چھوٹا بڑے کو فنا نہ کر سکے بلکہ کوئی تیسرا آکر دونوں کا کام تمام کر دے تو ان دونوں میں نسبت توافق ہوگی جیسے : آٹھ اور بیس کہ آٹھ بیس کو فنا نہیں کر سکتا البتہ عدد چار ان دونوں کو فنا کر دیتا ہے، بایں طور کہ آٹھ چار پر دو مرتبہ تقسیم ہو گیا اور بیس چار پر پانچ مرتبہ تقسیم ہو گیا، اب دو آٹھ کا عدد وفق کہلائے گا جبکہ پانچ بیس کا وفق ہوگا اور نسبت توافق بالربع ہوگی، یاد رہے یہاں عدد دو بھی دونوں کو فنا کر سکتا ہے لیکن حساب میں آسانی کے پیش نظر بڑے عدد یعنی چار کو لیا گا۔

۴۔تباین: دو ایسے مختلف عدد جو نہ تو آپس میں ایک دوسرے کو پورا پورا تقسیم کر سکتے ہوں اور نہ ہی کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو تقسیم کر سکتا ہو جیسے نو اور دس۔

فائدہ: اعداد میں صرف چار نسبتوں کی وجہ حصر یہ ہے کہ ہر دو عدد دو حال سے خالی نہ ہوں گے، یا وہ یکساں ہوں گے یا نہ ہوں گے پس وہ یکساں ہیں تو تماثلین ہیں اگر یکساں نہیں ہیں بلکہ کم و بیش ہیں تو پھر دو حال سے خالی نہ ہوں گے، یا تو چھوٹا بڑے کو فنا کر دے گا یا نہیں کرے گا اگر فنا کر دے تو متداخلین ہیں اگر فنا نہ کرے تو دو حال سے خالی نہ ہونگے کہ یا تو ان دونوں کو کوئی تیسرا عدد آکر فنا کریگا یا نہ کریگا اگر کر دے تو وہ متوافقین ہیں اور نہ کرے تو متباینین ہیں۔

وطريقُ معرفةِ المُوافَقةِ وَالمُبَايَنَةِ بينَ العدَدَينِ المختلَفين اَنْ يَنْقُصَ مِنَ الاكثرِ بِمقدارِ الاقلِّ مِن الجانِبَيْن مرةً أو مرارًا حتّٰى اتَّفقَا فى درجةٍ واحدةٍ فانْ اتَّفقَا فِى واحدٍ فَلا وفقَ بينَهُمَا وَاِن اتّفقَا فِى عددٍ فهُمَا مُتَوافِقَانِ بذالك العددِ ففِى الِاثنَينِ بالنّصفِ وَفى الثّلثةِ بالثُلثِ وَفِى الاربَعةِ بِالرّبع هكذَا اِلى العَشَرة وَفى مَا ورَالعَشَرةِ يَتوافَقانِ بجزءٍ مّنه أعْنِى فِى احدَ عشرَ بجزءٍ مّن احدَ عشرَ وفِى خَمسةَ عشرَ بجزءٍ مِن خَمسةَ عشرَ فاعتَبِرْ هٰذا۔

ترجمہ: اور دو مختلف عددوں کے درمیان نسبت تباین و توافق معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بڑے عدد سے چھوٹے عدد کی تعداد کے مطابق دونوں جانبوں سے ایک مرتبہ یا چند مرتبہ کم کرتے جائیں یہاں تک کہ دونوں ایک ہی درجے کے عدد میں متفق ہو جائیں چنانچہ اگر دونوں ایک میں متفق ہو جائیں تو ان دونوں کے درمیان توافق نہیں ہوگا اور اگر دونوں ایک کے بجائے کسی

اور عدد میں متفق ہو جائیں تو اسی عدد کے لحاظ سے متوافق کہلائیں گے، چنانچہ دو میں توافق بالنصف اور تین میں توافق بالثلث اور چار میں توافق بالربع ہے اسی طرح دس تک یہی سلسلہ چلتا رہے گا اور اس کے بعد خود اسی عدد کے جزء کے ساتھ توافق ہوگا یعنی گیارہ میں گیارہ کا جزء کے ساتھ اور پندرہ میں پندرہ کے جزء کے ساتھ پس آگے تمام اعداد کو اسی پر قیاس کرو۔

تشریح: یہاں سے نسبت توافق اور تباین کی پہچان کا طریقہ بیان ہو رہا ہے، چونکہ نسبت تماثل اور تداخل کی پہنچان بالکل واضح ہے اس لیئے مصنف نے انہیں ترک کر کے صرف توافق وتباین ہی پر اکتفا کیا ہے، البتہ ہم تماثل کو چھوڑ کر بقیہ تین نسبتوں کا یہاں بیان کر رہے ہیں۔

سو یاد رہے اگر دو عدد آپس میں چھوٹے بڑے ہوں اور چھوٹا عدد بڑے کو مٹا دے یعنی بڑا چھوٹے پر تقسیم ہو جائے تو اس کو تداخل کہتے ہیں جیسے چار اور آٹھ کہ یہ دونوں چھوٹے بڑے عدد ہیں لیکن بڑا یعنی آٹھ چھوٹے یعنی چار پر پورا تقسیم ہو جاتا ہے اور اگر تقسیم نہ ہو بلکہ تقسیم کے بعد بھی کچھ باقی رہے تو اس بقیہ بچے ہوئے سے چھوٹے عدد کو تقسیم کریں پھر اس کا جو باقی بچے اس سے پہلے کے باقی کو تقسیم کریں اسی طرح ایک دوسرے سے تقسیم کرتے رہیں یہاں تک کہ باقی کچھ نہ بچے، اب اگر آخری تقسیم کرنے والا عدد ایک ہے تو ان دو عددوں میں نسبت تباین ہے مثلاً: ۱۳ اور ۴۵ اعداد کو لے کر تقسیم کیا جائے۔

اس میں آخری تقسیم کرنے والا عدد ایک ہے چنانچہ ۱۳ اور ۴۵ میں نسبت تباین ہے۔

اور اگر تقسیم کرنے والا عدد ایک سے زائد یعنی دو، تین، چار وغیرہ کوئی عدد ہو تو ان کے درمیان توافق ہوگا اور اسی عدد کے نام کی مناسبت سے اس توافق کا نام بھی ہوتا ہے مثلاً: آخری تقسیم کرنے والا عدد دو ہے تو توافق بالنصف اور تین ہے تو توافق بالثلث ہوگا، ان کی مثالیں یہ ہیں۔

۱۰ اور ۱۶ کو اور ۹ اور ۱۵ کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا۔

پہلی مثال میں آخری تقسیم کرنے والا عدد دو ہے چنانچہ ۱۶ اور ۱۰ میں نسبت توافق بالنصف ہے اسی طرح دوسری مثال میں آخری تقسیم کرنے والا عدد تین ہے چنانچہ ۱۵ اور ۹ میں نسبت توافق بالثلث ہے، لہذا ۱۰ تک جو بھی عدد تقسیم کرے گا توافق کو اسی نام سے موسوم کیا جائے گا، البتہ اس کے بعد آنے والے اعداد کو ان کے جز کے ساتھ موسوم کیا جائے گا جیسے آخری تقسیم کرنے والا عدد گیارہ ہے تو توافق بجزء من احد عشر کہا جائے گا وار اگر پندرہ ہے تو توافق بجزء من خمسہ عشرہ کہا جائے گا اسی طرح آگے یونہی قیاس کرتے جایئے۔

مسئلہ: جو لوگ بیٹیوں اور بہنوں کو ترکہ نہیں دیتے، قرآنِ مجید کے خلاف ہیں۔ اور جن کا یہ قول ہو کہ ان کو میت کے مال سے کچھ نہیں پہنچتا، جسکے ظاہر معنی یہ ہیں کہ ان کا ترکہ میں کوئی حق نہیں ہوتا، یہ صریح کلمہ کفر ہے۔ ایسوں پر توبہ فرض ہے، نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اسکے بعد اپنی عورتوں سے نکاح دوبارہ کریں۔

(فتاوی رضویہ، کتاب الفرائض، ج ۲۶، ص ۳۵۳)

اور ایسوں ہی کیلئے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیمة

یعنی جو اپنے وارث کو اپنا ترکہ پہنچنے سے بھاگے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے گا۔

(رواہ ابن ماجۃ، ابواب الوصایا، ص ۱۹۸)

باب التصحیح

یہ باب تصحیح کے بیان میں ہے

يَحتاجُ فِي تَصحِيح المسَائِل اِلى سبعةِ اصولٍ ثلثةٌ بينَ السّهام والرؤسِ واربعةٌ بين الرؤس والرؤس أمّا الثلاثةُ فأحدُها اِن كانت سهامُ كلّ فريقٍ منقسمةً عليهم بلا كسرٍ فلا حاجَةَ الى الضّربِ كأبوَين وبنتَين

ترجمہ: مسائل کی تصحیح میں سات اصولوں کی ضرورت پیش آتی ہے، تین تو وہ ہیں جو حصے اور رؤس (ورثاء) کے درمیان ہیں اور چار رؤس اور رؤس کے درمیان ہیں، بہر حال تین میں سے پہلا اصول یہ ہے کہ اگر ہر فریق کے حصے ان پر بلا کسر کے تقسیم ہو جائیں تو ضرب کی کوئی ضرورت نہیں جیسے میت کے ورثاء میں والدین اور دو بیٹیاں ہیں۔

تشریح: تصحیح ''صحت'' سے مشتق ہے جس کا لغوی معنیٰ ہے درست کرنا اور اہل فرائض کے نزدیک تصحیح کا مطلب یہ ہے کہ ورثاء کے مقررہ حصہ جات میں اگر کسر واقع ہو جائے تو پھر کوئی ایسا مخرج ہاتھ کیا جائے جس سے ہر وارث کو اس کا مقررہ حصہ بغیر کسی کسر کے حاصل ہو جائے۔ صاحب سراجی نے تصحیح کے لیئے سات اصول ذکر کیئے ہیں جن میں سے تین کا تعلق ورثاء اور ان کے حصہ جات کے ساتھ ہے اور چار ایسے ہیں جن میں ورثاء کی نسبت ورثاء کے ساتھ دیکھی جاتی ہے، مصنف ہر ایک کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں۔

اصول ۱: جب کسی فریق کے حصوں میں کسر واقع نہ ہو بلکہ ہر وارث کو اصل مسئلہ سے ملنے والے حصے پورے پورے تقسیم ہو جائیں یعنی عدد رؤس اور حصوں کے مابین نسبت تماثل ہو تو ایسی صورت میں تصحیح کی حاجت پیش نہیں آتی ہے مثلاً:

مثال: مسئلہ ۶

میت

ماں	باپ	بیٹیاں ۲
۱	۱	۴

مذکورہ صورت میں سدس اور ثلثین کے جمع ہونے کی وجہ سے مسئلہ چھ سے بنا، جن میں سے سدس یعنی ایک، ایک ماں اور باپ کو جبکہ بقیہ چار میں سے دو، دو ہر ایک بیٹی کو ملا مطلب مخرج چھ سے ہر ایک وارث کو بلا کسر اس کا حصہ مل گیا، لہذا تصحیح کی کوئی ضرورت نہیں۔

باب التصحیح

یہ باب تصحیح کے بیان میں ہے

یَحتاجُ فِی تَصحِیح المسَائِل اِلی سبعةِ اصولٍ ثلثةٌ بینَ السّهام والرؤسِ واربعةٌ بین الرؤس والرؤس أمّا الثلاثةُ فأحدُها اِن كانت سهامُ كلّ فريقٍ منقسمةً عليهم بلا كسرٍ فلا حاجَةَ الى الضّربِ كأبوَينِ وبنتَين

ترجمہ: مسائل کی تصحیح میں سات اصولوں کی ضرورت پیش آتی ہے، تین تو وہ ہیں جو حصے اور رؤس (ورثاء) کے درمیان ہیں اور چار رؤس اور رؤس کے درمیان ہیں، بہر حال تین میں سے پہلا اصول یہ ہے کہ اگر ہر فریق کے حصے ان پر بلا کسر کے تقسیم ہو جائیں تو ضرب کی کوئی ضرورت نہیں جیسے میت کے ورثاء میں والدین اور دو بیٹیاں ہیں۔

تشریح: تصحیح ''صحت'' سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی ہے درست کرنا اور اہل فرائض کے نزدیک تصحیح کا مطلب یہ ہے کہ ورثاء کے مقررہ حصہ جات میں اگر کسر واقع ہو جائے تو پھر کوئی ایسا مخرج ہاتھ کیا جائے جس سے ہر وارث کو اس کا مقررہ حصہ بغیر کسی کسر کے حاصل ہو جائے۔ صاحب سراجی نے تصحیح کے لیئے سات اصول ذکر کیئے ہیں جن میں سے تین کا تعلق ورثاء اور ان کے حصہ جات کے ساتھ ہے اور چار ایسے ہیں جن میں ورثاء کی نسبت ورثاء کے ساتھ دیکھی جاتی ہے، مصنف ہر ایک کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں۔

اصول ۱: جب کسی فریق کے حصوں میں کسر واقع نہ ہو بلکہ ہر وارث کو اصل مسئلہ سے ملنے والے حصے پورے پورے تقسیم ہو جائیں یعنی عدد رؤس اور حصوں کے مابین نسبت تماثل ہو تو ایسی صورت میں تصحیح کی حاجت پیش نہیں آتی ہے مثلاً:۔

مثال: مسئلہ ۶

میت

ماں	باپ	بیٹیاں ۲
۱	۱	۴

مذکورہ صورت میں سدس اور ثلثین کے جمع ہونے کی وجہ سے مسئلہ چھ سے بنا، جن میں سے سدس یعنی ایک، ایک ماں اور باپ کو جبکہ بقیہ چار میں سے دو، دو ہر ایک بیٹی کو ملا مطلب مخرج چھ سے ہر ایک وارث کو بلا کسر اس کا حصہ مل گیا، لہذا تصحیح کی کوئی ضرورت نہیں۔

وَالثّانِي اِن انكسرَ على طائفةٍ واحدةٍ ولكنّ بينَ سِهَامهم ورُؤُسِهم موافقةٌ فيُضْرَبُ وفقُ عددِ رؤسِ مَن انكسرتْ عليهِمُ السِّهامُ فِی أصْلِ المَسْئَلة وعولِهَا اِن كانت عائلةً كأبَوينِ وعشرِ بنَاتٍ أو زوج وَابوَين و ستِ بناتٍ

ترجمہ: اور دوسرا اصول یہ ہے کہ اگر ایک ہی فریق پر کسر واقع ہو جائے لیکن ان کے حصے اور عدد رؤس کے درمیان موافقت ہو تو جن پر حصے منکسر ہیں ان کے عدد رؤس کے وفق کو اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے اور اگر مسئلہ عائلہ ہے تو عول میں ضرب دی جائے جیسے میت کے ورثاء میں ماں، باپ اور دس بیٹیاں ہیں یا شوہر، والدین اور چھ بیٹیاں ہیں۔

تشریح: دوسرا اصول یہ ہے کہ وارثوں کے صرف ایک ہی فریق پر ان کے حصے پورے پورے تقسیم نہ ہو رہے ہوں، تو اب ان وارثوں کے عدد رؤس اور ان کے حصوں کے اعداد کو دیکھا جائے گا، اگر ان کے مابین نسبت توافق ہے تو وارثوں کے رؤس کے وفق کو لے کر اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے گی اور اگر مسئلہ عائلہ ہے تو عول میں ضرب دینی پڑے گی پھر اس عدد وفق کو ہر وارث کے حصے کے ساتھ ضرب دی جائے گی جیسے۔

مثال: مسئلہ ۶ × ۵ / ۳۰ المضروب ۵

میت

ماں	باپ	بیٹیاں ۱۰ (۵)
۱/۵	۱/۵	۴/۲۰

مذکورہ صورت میں سدس اور ثلثین جمع ہیں چنانچہ مسئلہ چھ سے بنا جن میں سے ماں اور باپ کو چھ میں سے چھٹا یعنی ایک ،ایک حصہ مکمل مل گیا لیکن بقیہ چار دس بیٹیوں پر بلا کسر پورے تقسیم نہیں ہو رہے، لہذا مذکورہ اصول کے مطابق ان کے عدد رؤس یعنی دس اور انکے حصوں یعنی چار کے مابین نسبت دیکھی گئی تو توافق بالنصف معلوم ہوگئی، چنانچہ عدد رؤس کا وفق پانچ حاصل ہوا جسے اصل مسئلہ چھ سے ضرب دی تو تیس حاصل ہوئے پھر اسی عدد وفق پانچ کو ہر وارث کے حصوں سے ضرب دی تو ہر ایک کا حصہ بلا کسر حاصل ہو گیا۔

دوسری مثال: مسئلہ ۱۲ تعول الی ۱۵ × ۳ / ۴۵ المضروب ۳

میت

شوہر	ماں	باپ	بیٹیاں ۶ (۳)
۳/۹	۲/۶	۲/۶	۸/۲۴

پہلی مثال کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسری مثال کو بآسانی حل کیا جا سکتا ہے۔

وَالثَّالِثُ أن لا تكونَ بينَ سِهامِهم ورؤسِهم موافقةٌ فيُضرَبُ كلُ عددِ رؤسِ مَن انكسرتْ عليهِم السّهامُ فِي أصلِ المسئلةِ وعَولِها اِن كانت عائلةً كابٍ وامٍ وخمسِ بناتٍ أو زوج وخمسِ اخواتٍ لابٍ وامٍ

ترجمہ: اور تیسرا اصول یہ ہے کہ ان کے حصوں اور عدد رؤس کے درمیان نسبت توافق نہ ہو تو جس فریق پر حصے ٹوٹتے ہوں ان کے جمیع عدد رؤس کو اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے اور اگر مسئلہ عائلہ ہو تو عول میں ضرب دی جائے مثلاً: ورثاء میں ماں، باپ اور پانچ بیٹیاں یا شوہر اور پانچ حقیقی بہنیں ہوں۔

تشریح: تیسرا اصول یہ ہے کہ اگر ایک ہی فریق پر کسر واقع ہو جائے اور انکے عدد رؤس اور حصوں کے مابین نسبت توافق کے بجائے تباین کی ہو تو ایسی صورت میں جس فریق پر کسر واقع ہو رہی ہے اس کے کل عدد رؤس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے اور اگر مسئلہ عائلہ ہے تو عول میں ضرب دیں گے جیسے:۔

مثال: مسئلہ ۶ × ۵ / ۳۰ المضر وب ۵

میت

ماں	باپ	بیٹیاں ۵
۱/۵	۱/۵	۴/۲۰

اس صورت میں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ کسر صرف ایک ہی فریق یعنی بیٹیوں پر واقع ہوئی ہے کہ چار پانچ پر پورے تقسیم نہیں ہو رہے، لہذا ان کے عدد رؤس اور حصوں کے مابین نسبت تباین ظاہر ہے چنانچہ کل عدد رؤس پانچ کو اصل میں ضرب دی تو ہر ایک کو بلا کسر حصہ حاصل ہو گیا۔

مثال: مسئلہ ۶ تعول الی ۷ × ۵ / ۳۵ المضر وب ۵

میت

شوہر	بہنیں ۵
۳/۱۵	۴/۲۰

مذکورہ صورت میں مسئلہ نصف اور ثلثین کے جمع ہونے کی وجہ سے چھ سے بن کر سات تک عول ہوا، بقیہ صورت واضح ہے۔

وَأمّا الاربعةُ فاحدُها اَن يكونَ الكسرُ على طائفتَينِ أو اكثرَ ولكنّ بينَ اعدادِ رؤسِهم مماثلةً فالحُكمُ فيُها اَن يُضرَبَ احدُ الاعدادِ فِي أصلِ المسئلةِ مثلُ ستِ بناتٍ وثلاثِ جداتٍ وثلاثةِ اعمامٍ

ترجمہ: رہے (دوسری قسم کے) چار اصول تو ان میں سے پہلا اصول یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد فریقوں پر ان کے حصے (ٹوٹ پھوٹ) جائیں، لیکن ان سب کے عدد رؤس میں نسبت تماثل ہو تو اسکا حکم یہ ہے کہ ان میں سے ایک فریق کے عدد رؤس کو اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے مثلاً: ورثاء میں چھ بیٹیاں، تین دادیاں اور تین چچے ہیں۔

تشریح: یہاں سے دوسری قسم کے چار اصولوں کا بیان ہے جن میں اعداد رؤس کی آپس میں نسبت دیکھی جاتی ہے ان میں سے پہلا اصول یہ ہے کہ اگر ورثاء کے دو یا دو سے زیادہ فریق ہوں اور ان کے حصے ان پر پورے پورے تقسیم نہ ہوتے ہوں اور ان تمام فریقوں کے اعداد رؤس کی آپس میں نسبت تماثل ہو تو کسی ایک فریق کے عدد رؤس کو اصل مسئلہ میں یا اگر مسئلہ عائلہ ہو تو عول میں ضرب دی جائے گی پھر اسی عدد سے ہر فریق کے حصے میں ضرب دی جائے گی۔

مثال: مسئلہ ۶ / ۱۸ المضروب ۳

میت

دادیاں ۳	بیٹیاں ۶ (۳)	چچا ۳
۱/۳	۴/۱۲	۱/۳

اس صورت میں ورثاء کے تین فریق ہیں تینوں فریقوں کو جتنا حصہ ملا ہے ان پر پورے تقسیم نہیں ہو رہے، چنانچہ سب سے پہلے تو ہم نے ہر فریق کے عدد رؤس اور اس کے حصے میں نسبت دیکھی تو معلوم ہوا دادیوں کے عدد رؤس اور حصوں میں نسبت تباین ہے یہی حال چچاؤں کا بھی ہے لہذا ان کے اعداد رؤس کو ایسے ہی چھوڑ دیا گیا البتہ بیٹیوں کے اعداد رؤس اور انکے حصوں میں نسبت توافق بالنصف ہے چنانچہ اب ان کے عدد رؤس کے وفق تین ہی کو عدد رؤس شمار کیا جائے گا، اب گویا تین دادیاں، تین بیٹیاں اور تین چچے ہیں جو آپس میں متماثل ہیں، ان میں سے کسی ایک کے عدد رؤس یعنی تین کو لے کر اصل مسئلے میں ضرب دی تو اٹھارہ حاصل ہوئے پھر اسی عدد تین سے ہر ایک کے حصے سے ضرب دی تو سب کے حصے بالا کسر حاصل ہو گے۔ مسئلہ ۶ سے ہو کر ۱۸ سے تصحیح ہوا۔

وَالثّانی اَن یکونَ بعضُ الاعدادِ متداخلاً فِی البعضِ فالحُکمُ فِیھا اَن یُضرَبَ اکثرُ الاعدادِ فِی أصلِ المسئلةِ مثلُ اربعِ زوجاتٍ وثلاثِ جداتٍ واثنَی عشرَ عمًا

ترجمہ: اور دوسرا اصول یہ ہے کہ بعض اعداد رؤس بعض میں متداخل ہوں تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ ان اعداد رؤس میں سے بڑے عدد رؤس کو اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے گی مثلاً: ورثاء میں چار بیویاں اور تین دادیاں اور بارہ چچا ہیں۔

تشریح: جن چند فریقوں پر کسر واقع ہو رہی ہو اور ان کے اعداد رؤس کے مابین نسبت تداخل ہو تو جو بڑا عدد ہے اسے

اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے گی اسی طرح مسئلہ عائلہ ہے تو عول میں ضرب دی جائے گی مثلاً:۔

مثال: مسئلہ ۱۲/۱۴۴ المضروب ۱۲

میت

بیویاں ۴	دادیاں ۳	چچا ۱۲
۳/۳۶	۲/۲۴	۷/۸۴

اس صورت میں مسئلہ ربع اور سدس کے جمع ہونے کی وجہ سے بارہ سے ہوا جن میں سے تین بیویوں کو، دو دادیوں کو اور سات چچاؤں کو ملے، پہلے تو ان کے اعداد رؤس اور حصوں کے مابین نسبت دیکھی، تو تمام فریقوں کے اعداد رؤس اور ان کے حصوں کے درمیان نسبت تباین نظر آئی چنانچہ سب کے وہی اعداد برقرار رہے، اب ان کے اعداد رؤس کی آپس میں نسبت دیکھی تو چار اور تین دونوں تداخل ہیں یعنی چار اور تین دونوں پر بارہ تقسیم ہو جاتا ہے لہذا بڑے عدد یعنی بارہ کو اصل مسئلہ میں ضرب دی تو ۱۴۴ حاصل ہوئے پھر اسی المضروب یعنی ۱۲ سے ہر ایک فریق کے حصے سے ضرب دی تو ۳۶ بیویوں کو، ۲۴ دادیوں اور ۸۴ چچاؤں کو حاصل ہوئے جو سب پر بلا کسر پورے تقسیم ہو گئے۔

وَالثّالثُ اَن یُوافقَ بعضُ الاعدادِ بعضًا فالحُکمُ فیھا اَن یُضرَبَ وفقُ احدِ الاعدادِ فِی جمیع الثّانِی ثُمّ مَا بلغَ فی وفقِ الثّالثِ اِن وافقَ المبلغُ الثالثَ واِلّا فالمبلغُ فی جمیع الثّالثِ ثُم المبلغُ فِی الرّابع کذالكَ ثُم المبلغُ فِی أصل المسئلةِ کاربع زوجاتٍ وثمانِیَ عشرةَ بنتًا وخمسَ عشرةَ جدةً وستةَ اعمام

ترجمہ: اور تیسرا اصول یہ ہے کہ بعض فریق کے اعداد رؤس بعض کے ساتھ نسبت توافق رکھتے ہوں، چنانچہ ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ ایک فریق کے اعداد رؤس کے وفق کو دوسرے فریق کے جمیع اعداد رؤس میں ضرب دی جائے پھر ما حاصل ضرب کو تیسرے فریق کے وفق میں ضرب دی جائے اگر ان کے مابین نسبت توافق ہو ورنہ اس حاصل ضرب کو تیسرے کے جمیع اعداد رؤس میں ضرب دی جائے پھر جو کچھ حاصل ہوا اس کو چوتھے فریق کے عدد رؤس میں ایسے ہی ضرب دی جائے پھر اسی حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں جا کر ضرب دی جائے مثلاً: ورثاء میں چار بیویاں اور اٹھارہ بیٹیاں اور پندرہ دادیاں موجود ہیں۔

تشریح: دوسری قسم کا تیسرا اصول یہ ہے کہ ایک یا ایک سے زائد فریقوں پر ان کے حصے پورے تقسیم نہ ہوتے ہوں تو حسب دستور سب سے پہلے ان کے اعداد رؤس اور حصوں میں نسبت نکال کر رؤس متعین کیئے جائیں گے، اس کے بعد اگر ان کے اعداد رؤس کے مابین توافق پایا جائے تو پھر ایک فریق کے اعداد رؤس کے وفق کو لے کر دوسرے کے کل میں ضرب دی جائے گی پھر جو کل کچھ حاصل ہو گا اس کو دوسرے فریق کے رؤس کے ساتھ نسبت دیں گے اور اگر ان میں بھی توافق کی

نسبت پائی جائے تو ایک کے وفق کو لے کر دوسرے کے کل میں ضرب دی جائے گی اسی طرح یہ سلسلہ آگے چلایا جائے گا یہاں تک کہ آخری حاصل ضرب کو المضروب بنا کر اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے گی اور اگر عائلہ ہے تو عول میں ضرب دے کر مسئلے کی تصحیح کی جائے گی، نیز المضروب کو ہر ایک فریق کے حصے میں ضرب دے کر اس کا حصہ نکالا جائے گا۔

یاد رہے کہ یہ توافق کی صورت میں ہے اور اگر حاصل ضرب اور دوسرے فریق کے اعداد روس میں تباین ہو تو پورے ایک عدد کو دوسرے میں ضرب دی جائے گی۔

مثال: مسئلہ ۲۴×۱۸۰/۴۳۲۰ المضروب ۱۸۰

میت

بیویاں ۴	بیٹیاں ۱۸(۹)	دادیاں ۱۵	چچا ۶
۳/۵۴۰	۱۶/۲۸۸	۴/۷۲۰	۱/۱۸۰

مذکورہ صورت میں سب سے پہلے تو حسب دستور ہر فریق کے اعداد روس اور ان کے حصوں کے درمیان نسبت معلوم کی ،چنانچہ بیویوں کے اعداد روس اور ان کے حصوں کے درمیان نسبت تباین پائی گئی ،لہذا ان کے اعداد روس یعنی ۴ ہی برقرار رہے یہی حال دادیوں اور چچاؤں کا بھی ہے ،ان کے بھی اعداد روس وہی رہے البتہ بیٹیوں کے اعداد روس اور ان کے حصوں کے مابین توافق کی نسبت ہے جن کے اعداد روس کا وفق ۹ حاصل ہوا، اور اب یہی ان کا عدد روس کہلائے گا، گویا اب ہمارے پاس کل روس ۴ ، ۹ ، ۱۵ اور ۶ ہیں ، پھر جب ان کے درمیان نسبت دیکھی گئی تو معلوم ہوا کہ ۴ اور ۶ کے درمیان توافق بالنصف ہے لہذا ایک کے وفق کو لے کر دوسرے کے کل میں ضرب دی تو ۱۲ حاصل ہوئے پھر ۱۲ اور ۹ میں نسبت دیکھی تو توافق بالثلث نظر آئی ، ان میں سے ایک کے وفق کو لے کر دوسرے کے کل میں ضرب دی تو ۳۶ حاصل ہوئے پھر ۳۶ کی ۱۵ سے نسبت نکالی تو یہ بھی توافق بالثلث نکل آئی چنانچہ دونوں میں سے کسی ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دی تو ۱۸۰ حاصل ہوئے اب یہی المضروب ہوا، جسے اصل مسئلہ یعنی ۲۴ میں ضرب دینے سے ۴۳۲۰ حاصل ہوئے اور پھر اسی المضروب یعنی ۱۸۰ کو ہر ایک کے حصے میں ضرب دینے سے ہر ایک فریق کا حصہ معلوم ہوا جو کہ مذکورہ مثال میں واضح ہے۔

وَالرَّابِعُ اَن تكونَ الاعدادُ متبائنةً لا يوافقُ بعضُها بعضًا فالحُكمُ فِيهَا اَن يُضربَ احدُ الاعدادِ فِي جميع الثَّانِي ثُمّ مَا بلغَ فِي جميع الثَّالثِ ثُمّ مَا بلغَ فِي جميع الرَّابع ثُم مَا اجتمعَ فِي أصلِ المَسئلةِ كامرأتينِ وستِ جداتٍ وعشرِ بناتٍ وسبعةِ اعمامٍ۔

ترجمہ: اور دوسری قسم کا چوتھا اور آخری اصول یہ ہے کہ فریقوں کے اعداد روس کے درمیان نسبت تباین ہو نہ کہ ان کے بعض، بعض کے ساتھ توافق رکھتا ہو تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ ایک فریق کے جمیع عدد روس کو دوسرے فریق کے جمیع میں ضرب

دی جائے پھر ما حاصل کو تیسرے فریق کے جمیع میں ضرب دی جائے پھر ما حاصل کو چوتھے فریق میں ضرب دی جائے پھر جو کچھ بھی جمع ہوا سے اصل مسئلہ میں ضرب دے دی جائے مثلاً: ورثاء میں دو بیویاں، چھ دادیاں، دس بیٹیاں اور سات چچے موجود ہیں۔

تشریح: یہ دوسری قسم کا چوتھا اور مجموعی طور پر ساتواں اور آخری اصول ہے۔ چنانچہ صاحب سراجی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جن ایک سے زائد فریقوں پر کسر واقع ہو رہی ہو اگر ان کے درمیان نسبت توافق کے بجائے تباین کی ہو تو ایک فریق کے جمیع اعداد روس کو دوسرے کے جمیع اعداد روس میں ضرب دی جائے گی پھر جو کچھ حاصل ہوا سے تیسرے فریق میں پھر یوں ہی چوتھے فریق میں ضرب دی جائے گی پھر ٹوٹل جو کچھ جمع ہوا ہے اسے اصل مسئلہ میں ضرب دے کر مسئلے کی تصحیح کی جائے گی۔

مثال: مسئلہ ۲۴×۲۱۰/۵۰۴۰ المضر وب ۲۱۰

میت

بیویاں ۲	دادیاں ۶ (۳)	بیٹیاں ۱۰ (۵)	چچا ۷
۳/۶۳۰	۴/۸۴۰	۱۶/۳۳۶۰	۱/۲۱۰

مذکورہ صورت میں سب سے پہلے تو حسب سابق ہر فریق کے اعداد روس اور ان کے حصوں کے مابین نسبت دیکھی گئی تو ۲ بیویوں اور ان کے ۳ حصوں کے درمیان نسبت تباین پائی گی چنانچہ ان کا عدد روس ۲ ہی رہا، پھر ۶ دادیوں اور ان کے ۴ حصوں میں نسبت توافق بالنصف حاصل ہوئی تو اب ان کے عدد روس کے وفق ۳ کو روس شمار کیا جائے گا اسی طرح بیٹیوں کے عدد روس اور ان کے حصوں میں نسبت دیکھی تو توافق بالنصف نکل آئی چنانچہ ان کے عدد روس کے وفق ۵ ہی کو روس سمجھا جائے گا، پھر ۷ چچاؤں اور ان کے ایک حصے کی نسبت تباین تو ظاہر ہی ہے لہذا ان کا عدد روس ۷ ہی ہوگا، اب کل روس ۲، ۳، ۵، ۷ حاصل ہوئے اور ان سب کے درمیان نسبت تباین ہے چنانچہ ۲ کو ۳ میں ضرب دینے سے ۶ حاصل ہوئے، ۶ کو ۵ میں ضرب دی تو ۳۰ ہوئے اور ۳۰ کو ۷ میں ضرب دینے سے ۲۱۰ حاصل ہوئے یہی المضر وب کہلائے گا، اور اسی کو اصل مسئلے میں ضرب دی تو ۵۰۴۰ ہوئے پھر المضر وب کو ہر فریق کے حصے میں ضرب دی تو سب کو بالا کسر حصے حاصل ہو گئے پھر جب سب کو جمع کیا گیا تو وہی ۵۰۴۰ کا مجموعہ بنا چنانچہ مسئلے کی تصحیح درست ہوگئی۔

فائدہ: شریفیہ شرح سراجیہ میں علامہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وذكر بعضهم انه قد علم با لاستقراء ان انكسا رالسهام لا يقع على اكثر من اربع طوائف [1]

[1] شریفیہ شرح سراجیہ، ص ۶۷

یعنی بعض ماہرینِ فن میراث کا کہنا ہے کہ استقراء سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ چار فریقوں سے زائد پر کسر واقع نہیں آسکتی۔

مشق

درج ذیل صورتوں کی تخریج کریں اور تصحیح کے سات اصولوں کو بھی واضح کریں۔

۱۔ میت کے ورثاء میں باپ، ماں، دو بیویاں اور ایک بیٹی ہیں بتایئے تقسیم ترکہ کس طرح ہوگا؟

۲۔ بیوی، دادی، ایک بیٹی، پانچ حقیقی بہنیں ہیں؟

۳۔ بیوی، باپ، چھ پوتیاں؟

۴۔ شوہر، پانچ دادیاں، دو بیٹے، ایک بیٹی ہیں؟

۵۔ ورثہ میں تین بیویاں، چار دادیاں، پانچ بیٹیاں ہیں؟

۶۔ شوہر، ماں، ایک حقیقی بھائی، دو حقیقی بہنیں؟

۷۔ ماں، باپ، دو بیویاں، چھ بیٹیاں؟

۸۔ چار بیویاں، سات بیٹے، ۹ بیٹیاں؟

۹۔ شوہر، چھ علاتی بہنیں، چار اخیافی بہنیں، چھ چچے؟

۱۰۔ دو دادیاں، پانچ بیٹیاں، چار حقیقی بہنیں؟

۱۱۔ ماں، دادی، پانچ بیٹیاں؟

۱۲۔ پانچ دادیاں، دو بیویاں، تین بیٹے، تین بیٹیاں، تین بھائی، دو بہنیں؟

۱۳۔ چار بیویاں، سترہ دادیاں، تیرہ بیٹے، پندرہ بیٹیاں؟

❀❀❀

فصل

وَإِذَا اردتَّ اَن تـعـرفَ نصيبَ كلّ فريقٍ مِن التَّصحيح فاضرِبْ مَا كَان لِكُلّ فريقٍ مِن أصلِ المسئلةِ فِى مَاضَربتَهُ فِى أصلِ المسئلةِ فمَا حصلَ كانَ نصيبَ ذالك الفريقِ و اِذا اردتَّ اَن تعرفَ نصيبَ كل واحدٍ من أُحادِ ذالك الفريقِ فاقْسِمْ مَا كانَ لِكل فريقٍ مِن أصلِ المسئلةِ عَلى عددِ رؤسِهم ثُم اضْرِبْ الخارجَ فِي المَضْروب فَالحاصلُ نصيبُ كلِ واحدٍ من أُحادِ ذالك الفريق

ترجمہ: اور جب تو چاہے کہ ہر فریق کا حصہ تصحیح سے معلوم کرے تو ہر فریق کو جتنا حصہ اصل مسئلہ سے ملا ہے اسے اس عدد میں ضرب دو جس کو تم نے اصل مسئلہ میں ضرب دیا ہے پھر جو کچھ حاصل ہوگا اسی فریق کا حصہ ہوگا، اور جب تو تصحیح سے فریق کے ہر شخص کا حصہ معلوم کرنا چاہے تو جو حصہ ہر فریق کو اصل مسئلہ سے ملا ہے اسے ان کے اعداد روس پر تقسیم کرو پھر خارج قسمت کو المضروب میں ضرب دے دو چنانچہ حاصل ضرب اس فریق کے ہر شخص کا حصہ ہوگا۔

تشریح: فاضل مصنف نے یہاں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ جب مسئلہ کی تصحیح ہو جائے تو اس کے بعد ہر فریق کا حصہ معلوم کرنا ہو تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اصل مسئلہ سے ہر فریق کو جتنا ملا ہے اسی حصے کو المضروب سے ضرب دو چنانچہ حاصل ضرب اس فریق کا حصہ ہوگا جیسا کہ تصحیح کے گذشتہ تمام مثالوں میں مذکور ہو چکا ہے، سہولت کی خاطر ایک مثال دوبارہ ملاحظہ کیجئے:۔

مثال: مسئلہ۲۴×۲۱۰/۵۰۴۰ المضروب۲۱۰

میت

بیویاں۲	دادیاں۶ (۴)	بیٹیاں۱۰ (۵)	چچا۷
۳/۶۳۰	۴/۸۴۰	۱۶/۳۳۶۰	۱/۲۱۰

اس صورت میں مسئلہ ۲۴ سے ہوا پہلے فریق یعنی بیویوں کو ۲۴ سے ۳، دادیوں کو ۴، بیٹیوں کو ۱۶ اور چچاؤں کو ایک ملا ہے، بعد ازاں المضروب یعنی ۲۱۰ کو ۲۴ میں ضرب دی تو ۵۰۴۰ ہوئے، پھر ہر فریق کا حصہ جو اسے اصل مسئلہ ۲۴ سے ملا تھا اسے المضروب میں ضرب دی (یا اس کے برعکس المضروب کو ہر فریق کے حصے سے ضرب دے دی جائے) تو ہر ایک کا حصہ حاصل ہوگیا، پہلے فریق کے حصے ۳ میں المضروب ۲۱۰ کو ضرب دینے سے ۶۳۰ ہوئے اسی طرح باقیوں کے حصے بھی حاصل ہو گئے۔ اور اگر ہر فریق کو حصہ ملنے کے بعد ان کے ہر شخص کا الگ الگ حصہ معلوم کرنا ہو تو مصنف نے یہاں اس کے تین طریقے بیان کیئے ہیں جن میں سے پہلا یہ ہے کہ ہر فریق کو جتنا حصہ اصل مسئلہ سے ملا ہے اسے اس فریق کے عدد روس پر تقسیم کیا جائے پھر جو خارج قسمت حاصل ہوا سے المضروب میں ضرب دی جائے چنانچہ ہر شخص کا حصہ معلوم ہو جائے گا

جیسے مثال مذکور کو ہی ملاحظہ کیجئے کہ دو بیویوں کو اصل مسئلہ ۲۴ سے ۳ ملا ہے اسی ۳ کو ان کے عدد رؤس ۲ پر تقسیم کیا تو ۱½ یعنی ایک اور نصف خارج قسمت حاصل ہوئے پھر خارج قسمت ڈیڑھ کو ۲۱۰ میں ضرب دی تو ۳۱۵ حاصل ہوئے جو ہر فرد کا حصہ ہے۔

وَ وَجهٌ آخرُ وهُو اَن تقسِمَ المضروبَ علی أی فریقٍ شئتَ ثُم اضربُ الخارجَ فی نصیبِ الفریقِ الذِی قسَمتَ علیهِم المَضرُوبَ فَالحَاصلُ نصیبُ کلِ واحدٍ مِن اُحادِ ذالك الفریق۔

ترجمہ: اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ المضروب کو جس بھی فریق پر تو چاہے تقسیم کردے پھر خارج قسمت کو اسی فریق کے حصے میں ضرب دیدے جن پر تونے المضروب کو تقسیم کیا، پھر جو کچھ حاصل ہوگا اس فریق کے ہر شخص کا حصہ ہوگا۔

تشریح: مثلاً مذکورہ مثال میں پہلے فریق یعنی بیویوں کے عدد رؤس ۲ پر المضروب ۲۱۰ کو تقسیم کیا تو ۱۰۵ خارج قسمت حاصل ہوئے پھر خارج قسمت ۱۰۵ کو بیویوں کے مجموعی حصہ یعنی ۳ جو ان کو اصل مسئلہ سے ملا تھا سے ضرب دی تو ۳۱۵ حاصل ہوئے جو ہر ایک بیوی کا حصہ ہے اسی طرح بقیہ فریقوں کے ہر شخص کا حصہ نکالا جائے۔

وَ وجهٌ آخرُ وهُو طریقُ النّسبةِ وهُو الاوضَحُ وهُو اَن تنسبَ سِهامَ کلّ فریقٍ مِن أصلِ المَسئلةِ اِلی عددِ رؤسِهم مُفردًا ثُمّ تُعطِی بمثلِ تلكَ النسبةِ مِن المَضرُوبِ لکلّ واحدٍ مِن اُحادِ ذالك الفریق۔

ترجمہ: ایک اور دوسرا طریقہ بھی ہے اور یہ طریقہ نسبت کا ہے جو زیادہ واضح بھی ہے، وہ یہ کہ جتنے حصے ہر فریق کو اصل مسئلہ سے ملیں ہیں انہیں تو صرف تنہا انھی فریق کے اعداد رؤس کے ساتھ نسبت دے پھر اسی نسبت کے بقدر اس فریق کے ہر شخص کو اپنا حصہ المضروب سے دیدو۔

تشریح: یہ ہر فریق کے ہر شخص کا حصہ معلوم کرنے کا تیسرا طریقہ ہے چونکہ اس طریقے میں ہر فریق کے رؤس اور اس کے حصوں میں نسبت دیکھی جاتی ہے اور اسی نسبت کے اعتبار سے المضروب میں سے ہر فریق کو حصہ دیا جاتا ہے لہذا اس وجہ سے اسے نسبت کا طریقہ بھی کہا جاتا ہے۔ جس کا طریقہ کار یہ ہے کہ مثلاً۔ دو بیویوں کو اصل مسئلہ سے مجموعی طور پر ۳ حصے آئے یعنی ہر ایک کا ڈیڑھ حصہ ہے تو اب المضروب یعنی ۲۱۰ کو بھی ڈیڑھ بنا کر ہر ایک کو حصہ دیا گیا یعنی ۲۱۰ کامل اور دوسرا اسی ۲۱۰ کا نصف یعنی ۱۰۵ دونوں جمع کیئے گے تو ۳۱۵ ہوئے جو ہر ایک بیوی کا حصہ ہے، یہی عمل ہر فریق کے ساتھ کیا جائے گا۔ صاحب سراجی علامہ سجاوندی علیہ رحمہ نے اسی طریقہ کو زیادہ واضح اور آسان فرمایا ہے کیونکہ اس میں ضرب و تقسیم کی حاجت پیش نہیں آتی، لیکن یاد رہے کہ یہ طریقہ بھی بیدار مغز اور ہوشیار قسم کے طلبہ کا یا پھر فن علم الحساب کے ماہرین کے لیے آسان ہے جبکہ عام پڑھے لکھے طلباء کرام اس طریقے میں دشواری محسوس کرتے ہیں چنانچہ ان کے لیے عام فہم اور آسان قاعدہ یہ ہے

کہ تصحیح سے ہر فریق کو جتنا حصہ ملا ہے اسے اس فریق کے عددِ رؤس سے تقسیم کر دیا جائے خارج قسمت ہر ایک شخص کا حصہ ہوگا جیسے دو بیویوں کو تصحیح سے ۶۳۰ ملا، اس کو ان کے عدد رؤس دو سے تقسیم کیا تو خارج قسمت ۳۱۵ حاصل ہوئے جو ہر ایک بیوی کا حصہ ہے، دادیوں کو ۸۴۰ ملے جسے ان کے عدد رؤس ۶ سے تقسیم کیا تو خارج قسمت ۱۴۰ ہوئے جو ہر ایک دادی کا حصہ ہے. بیٹیوں کے ۳۳۶۰ کو ۱۰ سے تقسیم کیا تو ہر بیٹی کو ۳۳۶ حاصل ہوئے اور چچاؤں کے حصے ۲۱۰ کو ان کے عدد رؤس ۷ سے تقسیم کیا تو فی چچا کو ۳۰ حاصل ہوئے۔

مسئلہ: پاک وہند میں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ باپ کے مرجانے کے بعد اس کے تمام بیٹے ترکہ پر قابض ہوتے ہیں اور یکجائی شرکت میں کام کرتے رہتے ہیں۔ لینا دینا، تجارت، زراعت، کھانا پینا، ایک ساتھ مدتوں رہتا ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ بڑا لڑکا خود مختار ہوتا ہے وہ خود جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کے دوسرے بھائی اس کی ماتحتی میں اس بڑے کی رائے ومشورہ سے کام کرتے ہیں۔ مگر یہاں نہ لفظ مفاوضہ کی تصریح ہوتی ہے اور نہ اس کے ضروریات کا بیان ہوتا ہے اور مال بھی عموماً مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور علاوہ روپے اشرفی کے متاع اور اثاثہ اور دوسری چیزیں بھی ترکہ میں ہوتی ہیں جن میں یہ سب شریک ہیں۔ لہذا یہ شرکت، شرکت مفاوضہ نہیں بلکہ یہ شرکت ملک ہے اور اس صورت میں جو کچھ تجارت وزراعت اور کاروبار کے ذریعہ سے اضافہ کریں گے اس میں یہ سب برابر کے شریک ہیں اگرچہ کسی نے زیادہ کام کیا ہے اور کسی نے کم۔ اور کوئی دانائی وہوشیاری سے کام کرتا ہے اور کوئی ایسا نہیں اور اگر ان شرکاء میں سے بعض نے کوئی چیز خاص اپنے لیئے خریدی اور اس کی قیمت مال مشترک سے ادا کی تو یہ چیز اسی کی ہوگی مگر چونکہ قیمت مال مشترک سے دی ہے لہذا بقیہ شرکاء کے حصہ کا تاوان دینا ہوگا۔

(بہارِ شریعت، ج ۲ حصہ ۱۰، شرکت کا بیان ص ۱۳)

فصل فی قسمة التركات بين الورثة والغرماء

اِذَا كَان بينَ التّصحيح والتركةِ مبايَنةٌ فاضربُ سهامَ كلِ وارثٍ مِنَ التّصحِيح فِی جَميع التّركةِ ثُم اقْسِم المبلغَ عَلى التّصحِيح مثالُه بنتان وابوَان والتركةُ سبعةُ دنانيرَ

ترجمہ: جب تصحیح اور ترکہ کے مابین نسبت تباین ہو تو تصحیح سے ملنے والے ہر وارث کے حصوں کو جمیع ترکہ میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو تصحیح پر تقسیم کردو، اسکی مثال یہ ہے کہ میت کے ورثاء میں دو بیٹیاں اور ماں، باپ ہیں اور ترکہ سات دینار ہے۔

تشریح: اس فصل میں دو باتوں کا بیان ہے اول یہ کہ اگر ورثاء ایک سے زیادہ موجود ہوں تو مال متروکہ ان کے درمیان کس طرح تقسیم کیا جائے اور دوسرا یہ کہ اگر قرضدار بہت سے ہوں اور مال متروکہ اسقدر کم ہے کہ ہر قرضدار کو اپنا پورا حق نہیں مل پا رہا تو ان کے درمیان بھی ترکہ کس طرح سے تقسیم کیا جائے، چنانچہ مصنف اس کا قاعدہ یوں بیان کرتے ہیں کہ اگر تصحیح (اگرچہ عول ہی ہو) اور ترکہ میں تباین کی نسبت ہو تو ہر وارث کے حصے کو کل ترکہ میں ضرب دینگے اور حاصل ضرب کو کل تصحیح پر تقسیم کردینگے۔ اب خارج قسمت اس وارث کا مجموعی حصہ ہوگا مثلا۔ ایک میت کا کل ترکہ سات دینار ہے اور ورثاء میں دو بیٹیاں اور ماں، باپ ہیں۔

مثال: مسئلہ ٦ میت — تباین — ترکہ ٧ دینار

ماں	باپ	بیٹی	بیٹی
١	١	٢	٢
٧	٧	١٤	١٤
٦ (٧÷٦) = ١ ١/٦		٦ (١٤÷٦) = ٢ ٢/٦	

معلوم ہوا کہ مذکورہ ورثاء کے ہوتے ہوئے مسئلہ چھ سے نکلے گا اور کل دینار سات ہیں اور ان دونوں کے درمیان نسبت تباین ہے۔ لہذا اب ہر وارث کے حصے کو کل ترکہ سات دینار میں ضرب دینے سے ہر بیٹی کو ١٤-١٤ اور ماں، باپ کو ٧-٧ حصے متعین ہوگئے پھر ہر وارث کے حصے کو تصحیح یعنی چھ پر تقسیم کرنے سے ہر بیٹی کو ٢ ٢/٦ دو دینار اور ثلث دینار حاصل ہوئے اور ماں باپ کو ١ ١/٦ یعنی ایک دینار اور سدس دینار ملے۔

وَاِذا كَان بينَ التّصحِيح والتركةِ موافقةٌ فاضربُ سهامَ كلِ وارثٍ مِن التّصحيح فِی وفقِ التّركةِ ثُم اَقْسِم المبلغَ عَلى وفقِ التّصحِيح فالخارجُ نصيبُ ذَالكَ الوارثِ فِی الوَجهينِ هذا لِمَعرفةِ نصيبِ كُل فردٍ

ترجمہ: اور جب تصحیح اور ترکہ کے درمیان نسبت توافق پائی جائے تو تصحیح سے ہر وارث کو جو حصہ ملا ہے اسکو ترکہ کے وفق میں ضرب دے دو پھر حاصل ضرب کو تصحیح کے وفق پر تقسیم کرو پس خارج قسمت اسی وارث کا حصہ ہے، دونوں صورتوں (توافق و تباین) میں یہ قاعدہ ہر فرد کے حصے معلوم کرنے کے لئے ہے۔

تشریح: مصنف نسبت تباین کے بعد توافق کی صورت بیان کر رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر ترکہ اور تصحیح میں توافق ہو تو وارث کے حصے کو ترکہ کے وفق میں ضرب دیں اور حاصل ضرب کو تصحیح کے وفق سے تقسیم کریں جو خارج قسمت ہو وہ اس وارث کا حصہ ہے مثلاً: میت نے ترکہ میں ۱۵ روپے چھوڑے اور ورثاء میں ماں، باپ، بیٹی چھوڑے۔

مذکورہ صورت میں تصحیح کا عدد ۶ ہے اور ترکہ ۱۵ روپے ہیں، ۶ اور ۱۵ میں توافق بالثلث ہے ۶ کا وفق ۲ ہوا اور ۱۵ کا وفق ۵ ہوا، لہذا ماں کے حصے ایک کو ۱۵ کے وفق ۵ سے ضرب دیا تو جواب ۵ ہوا اس کو ۶ کے وفق ۲ سے تقسیم کیا تو جواب $2\frac{1}{2}$ ہوا یہ ماں کا حصہ ہے۔ اسی طرح باپ کے حصے یعنی ۲ کو ۵ میں ضرب دیا حاصل ضرب ۱۰ ہوا پھر اس کو ۲ سے تقسیم کیا تو ۵ جواب آیا یہ باپ کا حصہ ہے، بیٹی کے حصے ۳ کو ۱۵ کے وفق ۵ میں ضرب دیا تو ۱۵ ہوا اسے ۶ کے وفق ۲ سے تقسیم کیا تو $7\frac{1}{2}$ بیٹی کا حصہ ہوا۔

اَمّا المعرفةُ نصيبُ كلِ فريقٍ منهُم فاضربُ مَا كَان لِكُل فريقٍ مِن أصلِ المَسئلةِ فِي وفقِ التّركةِ ثُم اَقْسِم المبلغَ عَلى وفقِ المسئلةِ اِن كان بينَ التركةِ و المسئلةِ موافقةٌ وَاِن كانَ بينَهُمَا مباينةٌ فاضربُ فِي كُل التركةِ ثُم اقسِم الحاصلَ عَلى جَميع المسئلةِ فالخارجُ نصيبُ ذالك الفريقِ فِي الوَجهين

ترجمہ: رہا ورثاء میں سے ہر فریق کا حصہ معلوم کرنے کا طریقہ تو ہر فریق کے اصل مسئلے سے ملنے والے حصے کو ترکہ کے وفق میں ضرب دو، پھر حاصل ضرب کو مسئلہ کے وفق پر تقسیم کر دو اگر اصل مسئلہ اور ترکہ کے درمیان نسبت توافق ہو اور اگر دونوں کے درمیان نسبت تباین ہو تو اصل مسئلہ سے ہر فریق کا جو حصہ تھا اسے جمیع ترکہ میں ضرب دو، پھر حاصل ضرب کو جمیع مسئلہ پر تقسیم کر دو پس خارج قسمت دونوں صورتوں (توافق و تباین) میں ہر فریق کا حصہ ہے۔

تشریح: سابقہ قاعدہ ہر فرد کا حصہ معلوم کرنے کے لیئے تھا اب ہر فریق کا حصہ معلوم کرنے کا طریقہ بیان ہو رہا ہے، لہذا

پہلے تو یہ دیکھا جائے گا کہ کل ترکہ اور تصحیح یا اصل مسئلہ کے درمیان کیا نسبت ہے، اگر نسبت توافق ہے تو ہر فریق کو جو کچھ اصل مسئلہ سے ملا ہے اسے ترکہ کے وفق میں ضرب دیں اور حاصل ضرب کو تصحیح مسئلہ کے وفق پر تقسیم کریں، اب جو خارج ہوگا وہ اس فریق کا حصہ ہے مثلاً:۔

مذکورہ صورت میں باپ کو اصل مسئلہ سے ۳ ملے پھر ۳ کو وفق ترکہ ۱۰ میں ضرب دینے سے ۳۰ ہوئے، پھر ۳۰ کو اصل مسئلہ کے وفق ۳ پر تقسیم کیا تو خارج قسمت ۱۰ حاصل ہوئے جو کہ باپ کا حصہ ہے، اسی طرح بہنوں کو اصل مسئلہ سے مجموعی طور پر ۴ ملے تھے، ان ۴ کو ترکہ کے وفق ۱۰ میں ضرب دی تو حاصل ۴۰ آیا اب ان ۴۰ کو وفق مسئلہ پر تقسیم کیا تو خارج قسمت $13\frac{1}{3}$ آیا یہی چار بہنوں کا حصہ ہے اسی طرح تیسرے فریق کا بھی یہی حال ہے۔

اور اگر تصحیح اور ترکہ میں تباین کی نسبت ہو تو ہر فریق کے حصے کو کل ترکہ میں ضرب دیں گے اور حاصل ضرب کو کل تصحیح پر تقسیم کردیں گے، اب خارج قسمت اس فریق کا مجموعی حصہ ہوگا۔ مثلاً:۔

مثال: مسئلہ ٦ تعول الی ٩ — تباین — ترکہ ٣٢ دینار

میت

شوہر	بہنیں ۴	ماں شریک بہنیں ٢
٣	۴	٢
٩٦	١٢٨	٦۴
٩٠	٩	٦٣
٦	٣٨	١
	٣٦	
	٢	
١٠ ٦/٩	١۴ ٢/٩	٧ ١/٩
٩	٩	٩

مذکورہ صورت میں چار بہنوں کا مجموعی حصہ ۴ ہے جسے کل ترکہ ۳۲ میں ضرب دینے سے ۱۲۸ حاصل ہوئے، انکو اصل مسئلہ ۹ پر تقسیم کیا تو خارج قسمت $14\frac{2}{9}$ حاصل ہوئے جو چاروں بہنوں کا مجموعی حصہ ہے، اسی طرح باقی ورثاء کا بھی یہی حال ہے۔

اَمّا فِی قضاءِ الدُّیُونِ فدینُ کلِ غریمٍ بمنزلةِ سهامِ کلِ وارثٍ فِی العملِ ومَجمُوعُ الدُّیونِ بمنزلةِ

التَّصحيح وإن كَان فِي التّركةِ كُسُورٌ فابسِطِ التّركةَ والمسئلةَ كِلتيهِما أي اجعلْهُمَا مِن جِنسِ الكسرِ ثُم قَدّم فيهِ ما رَسمْناهُ۔

ترجمہ: بہر حال قرضوں کے ادا کرنے میں ہر قرض خواہ کا قرض عمل (تقسیم) میں ہر وارث کے حصے کے برابر ہے، اور تمام قرضے تصحیح کے منزل میں ہیں اور اگر ترکہ میں کسر واقع ہو تو ترکہ اور مسئلہ دونوں کو پھیلا دو یعنی دونوں کو کسر کی جنس سے کر دو پھر اس میں وہی عمل کرو جسکو ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں۔

تشریح: اگر میت کے کفن دفن کے مصارف کے بعد بھی اتنا ترکہ بچا ہوا ہے کہ جس سے میت کا تمام قرض ادا ہو سکتا ہو تو فبہا، اور اگر مال متروکہ قلیل ہو اور قرض زیادہ ہو تو دیکھا جائے کہ قرض خواہ ایک ہے یا زیادہ اگر ایک ہے تو کل ترکہ اسی کو دیا جائے گا، اور اگر قرض خواہ زیادہ ہوں تو قرض کے مجموعے کو بمنزلہ تصحیح کے اور قرض خواہوں کو بمنزلہ ورثاء کے تصور کیا جائے اور جبکہ ہر قرض خواہ کے قرض کو حصوں کے قائمقام فرض کیا جائے بعد ازاں وہی سابقہ توافق و تباین وغیرہ کے قواعد کے مطابق عمل کیا جائے جس طرح تقسیم ترکہ میں ہوتا ہے مثلاً اس صورت میں غور کریں۔

مثال: میت مسئلہ $\frac{۵}{۱۵}$ توافق بالثلث ترکہ $\frac{۳}{۹}$ روپے

قرض خواہ اشفاق قرض ۱۰ روپے	قرض خواہ راشد ۵ روپے
۵	۵
۵ ‎۳۰ ۶	۵ ‎۱۵ ۳
۳۰	۱۵
x	x

مذکورہ صورت میں ایک شخص کا انتقال ہوا جس کا ترکہ ۹ روپے ہیں اور قرض ۱۵ روپئے، جن میں سے قرض خواہ اشفاق کے ۱۰ اور جبکہ راشد کے ۵ روپئے ہیں دونوں کا مجموعہ ۱۵ ہوا ان کو بمنزلہ مخرج مسئلہ کے کیا اور ۹۔ ۱۵ میں توافق بالثلث کی نسبت ہے، چنانچہ ۱۰ کو ۹ کے وفق ۳ میں ضرب دینے سے ۳۰ حاصل ہوئے پھر ۳۰ کو ۱۵ کے وفق ۵ پر تقسیم کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اشفاق ۶ روپئے پائے گا، اسی طرح ۵ کو ۹ کے وفق ۳ میں ضرب دینے کے بعد ۱۵ حاصل ہوئے پھر ۱۵ کو ۵ پر تقسیم کرنے سے معلوم ہوا کہ ترکہ سے راشد صاحب ۳ روپئے پائے گا، ایسے ہی اگر ترکہ اور قرض کے درمیان نسبت تباین ہو تو ہر ایک قرض خواہ کے کل قرض کو کل ترکہ میں ضرب دی جائے اور حاصل ضرب کو میت کے مجموعہ قرض پر تقسیم کر دیا جائے پس حاصل تقسیم ہر ایک قرض خواہ کا حصہ ہوگا۔

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ وان کان فی الترکۃ کسور سے لے کر آخر فصل تک کی عبارت سراجی کے پیشتر نسخوں میں نہیں پا جاتی، یہی وجہ ہے کہ سراجی کے نامور شارح علامہ السید السند میر شریف جرجانی اور دیگر کبار شارحین نے اس کو ذکر نہیں کیا، لیکن چونکہ ہمارے ہاں مطبوعہ نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے نیز فقیر کے پیش نظر نسخہ، میں بھی ہے، اس لیئے حتی المقدور

اس کی توضیح پیش کی جاتی ہے۔

چنانچہ اگر میت کے ترکہ میں کسر واقع ہو رہی ہو مثلاً ایک شخص نے ترکہ میں ۲۵$\frac{1}{3}$ روپے چھوڑے جبکہ ورثاء میں ماں، شوہر اور دو حقیقی بہنیں ہیں، اب یہ ترکہ بلا کسر ان ورثاء پر تقسیم کرنا ہے، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تو اصل مسئلہ بنا کر ان ورثاء کے حصے متعین کیئے جائیں، جس کی صورت یہ ہے۔

مثال: مسئلہ ٦ تعول الی ۸ — سکل ترکہ ۲۵$\frac{1}{3}$

میت

ماں	شوہر	بہنیں ۲
۱	۳	۴

اب ترکہ ۲۵$\frac{1}{3}$ کو ملاحظہ کیا تو اس میں ۲۵ اعداد صحیح اور $\frac{1}{3}$ کسر ہے، پھر ۲۵ کو مخرج کسر $\frac{1}{3}$ کے ۳ میں ضرب دی تو ۷۵ حاصل ہوئے پھر اس $\frac{1}{3}$ کا ایک بڑھایا تو ۷٦ ہوگئے، اب گویا کل ترکہ ۷٦ روپے ہیں، اسی طرح اصل مسئلہ کے عائلہ عدد ۸ کو مخرج کسر ۳ میں ضرب دینے سے ۲۴ حاصل ہوئے، اب ہر وارث کے حصے کو کل ترکہ ۷٦ میں ضرب دی جائے گی پھر حاصل ضرب کو ۲۴ پر تقسیم کیا جائے گا جو خارج قسمت ہوگا وہی اس وارث کا حصہ ہوگا، اب ایک مرتبہ پھر مذکورہ نقشہ کو مکمل ملاحظہ فرمائیں انشاء اللہ مسئلہ واضح ہوجائے گا۔

❁❁❁

اولاد کو جائیداد سے عاق کرنے کا شرعی حکم

عاق کے معنی نافرمان کے ہیں۔ لیکن باپ کا اولاد کو عاق کر دینا اور اخباروں میں چھاپ دینا، اولاد کو وراثت سے محروم نہیں کرتا۔ ہر شخص زندگی میں اپنے مال کا مالک ہے، جو چاہے تصرف کرے۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے مال کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی اور سب کے حصے قرآن پاک میں مقرر کر دیئے۔ لہٰذا اسی کے مطابق سب کو حصہ ملے گا۔ (وقار الفتاوی، کتاب الفرائض، ج ۳ ص ۳٦۴)

فصل فی التخارج

مَنْ صَالَح عَلى شيءٍ مِنَ التّركةِ فاطرحْ سهامَهُ مِن التّصحيح ثُم اَقْسِمْ مَا بَقِي مِن التّركةِ عَلى سِهَام البَاقِين كزوجٍ وأم وعمٍ فصَالَحَ الزّوجُ عَلى مَا فِي ذِمّتِهٖ مِنَ المَهرِ وَخرَجَ مِن البَيْنِ فتُقسَمُ بَاقِي التّركةِ بَيْنَ الامّ وَالعَمّ اَثْلاثاً بِقدرِ سِهَامِهِمَا سِهمان لِلأمّ وَسهمٌ لِلعَمّ أوْ زوجةٍ و أربعةِ بنينَ فَصالَحَ احدُ البَنِيْنَ عَلى شَيءٍ وَخرَجَ مِنَ البيْنِ فيُقسَمُ بَاقِي التّركةِ عَلى خَمْسَةٍ وَّ عِشْرِيْنَ سِهمًا لِلْمَرْاَةِ أربعةُ اَسْهُمٍ وَلِكُلّ ابنٍ سبعةٌ۔

ترجمہ: جس وارث نے میت کے ترکہ سے معین چیز پر صلح کر لی اس کے سہام کو تصحیح سے ساقط کر دو باقیماندہ ترکہ باقی ورثاء کے حصوں پر تقسیم کرو مثلاً:۔ ورثاء میں خاوند، ماں، چچا ہیں، پس خاوند نے اس مہر پر صلح کر لی جو اس کے ذمہ تھا اور وہ ورثاء کے درمیان سے نکل گیا چنانچہ باقی ترکہ کے تین حصے کر کے ماں اور چچا میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا یعنی دو حصے ماں کے لئے اور ایک حصہ چچا کے لئے، یا زوجہ اور چار بیٹے وارث ہیں (ان چاروں) بیٹوں میں سے ایک نے کسی معین چیز پر صلح کر لی اور ان کے درمیان سے نکل گیا تو باقی ترکہ کو پچیس حصوں پر تقسیم کیا جائے گا، زوجہ کے لئے چار حصے اور ہر بیٹے کے لئے سات حصے ہونگے۔

تشریح: تخارج باب تفاعل کا مصدر اور خروج سے مشتق ہے اور اصطلاح فرائض میں اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی وارث اپنے حصے کے عوض میت کے مال میں سے معین چیز کو لے کر تقسیم ترکہ سے الگ ہو جائے، چاہے وہ معین چیز اس کے حصے سے زائد ہو یا کم اور باقیماندہ ترکہ باقی ورثاء کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، مثلاً: میتہ نے ورثاء میں شوہر، ماں اور چچا چھوڑے، شوہر نے کہا میں اپنا حصہ مہر کے بدلے چھوڑتا ہوں اس پر باقی ورثاء راضی ہو گئے تو مال اس طرح تقسیم ہوگا۔

مثال: مسئلہ ۳

میتہ

ماں	چچا
۲	۱

مذکورہ صورت میں اصل مسئلہ شوہر کے ہوتے ہوئے ۶ تھا جن میں سے ۳ شوہر کو ملنے تھے اور تہائی یعنی ۲ ماں کے جبکہ ایک چچا کا تھا لیکن چونکہ شوہر مہر کے بدلے اپنے حق سے دستبردار ہو گیا لہٰذا شوہر کو خارج کر کے حسب سابق ماں کو ۶ کا تہائی ۲ اور چچا کو ایک دیا گیا۔

اور اگر ورثاء میں ایک بیوی اور چار بیٹے ہوں جن میں سے ایک بیٹا کوئی معین چیز لے کر ورثاء سے خارج ہو جائے تو اب ورثاء میں ایک بیوی اور تین بیٹے سمجھے جائیں گے چنانچہ باقی ماندہ ترکہ صرف انہی پر منقسم ہوگا جس کی صورت یہ ہے۔

مثال: مسئلہ ۸×۳/۲۴

میت

بیوی	بیٹا	بیٹا	بیٹا
۳	۷	۷	۷

❁❁❁

زندگی میں ہی جائداد تقسیم کرنے کا شرعی طریقہ

اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں ہی اپنے ورثاء کے درمیان جائداد تقسیم کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی اولاد کو خواہ بیٹے ہوں یا بیٹیاں سب کو برابر برابر دے گا۔ ہاں اگر کسی کی دینداری کے سبب ترجیح دینا چاہے تو جائز ہے۔ جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے:

اگر کسی شخص نے اپنی حالت صحت میں اپنی اولاد کو کچھ چیز عطیہ کی اور اس میں بعض کو بعض پر ترجیح دی تو ہمارے اصحاب سے اصل یعنی مبسوط میں اس کے متعلق کوئی روایت منقول نہیں ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، جبکہ سبب ترجیح اس کی دینداری میں فضیلت ہو اور اگر دونوں یا سب اولاد دینداری میں برابر ہوں تو کسی کو بھی ترجیح دینا مکروہ ہے اور المعلی نے امام ابو یوسف سے روایت کیا ہے کہ ترجیح دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ مقصد کسی کو نقصان پہنچانا نہ ہو اور اگر کسی کو نقصان پہنچانا مقصود ہو تو سب کو برابر دے بیٹی کو اتنا ہی دے جتنا بیٹے کو دیتا ہے اسی پر فتاوی ہے اور فتاوی قاضیخان میں بھی اسی طرح ہے یہی مختار ہے جیسا ظہیریہ میں ہے اور اگر کسی شخص نے اپنی حالت صحت میں اپنا کل مال ایک ہی بیٹے کو دیا تو قضاء جائز ہے البتہ اس طرح کرنے سے گناہگار ہوگا جیسا کہ فتاوی قاضی خان میں ہے۔

(عالمگیریہ، کتاب الھبۃ، الباب السادس فی الھبۃ للصغیر، ج۴، ص ۴۳۷)

باب الرّدّ

اَلرّدّ ضِدُّ العَوْلِ مَا فضلَ عَنْ فَرضِ ذوِی الفُرُوضِ وَلَا مُسْتَحقٌّ لَهٗ یُرَدّ عَلٰی ذوِی الْفروضِ بقَدْرِ حُقُوقِھِمْ اِلَّا عَلَی الزَّوجَیْنِ وَھُوَ قَولُ عَامَّۃِ الصَّحَابَۃِ وَبِہٖ أخَذَ أصحَابُنَا وَقَالَ زَیدٌ بنُ ثابتٍ لَا یُرَدّ الفاضلُ بَل ھو لبیتِ الْمَالِ وَبِہٖ اَخَذَ مَالِك وَالشَّافعی

ترجمہ: ردعول کی ضد ہے ترکہ میں جو حقدار ذوی الفرائض سے زائد ہو اور اس کا کوئی حقدار نہ ہو تو یہ زائد ذوی الفروض پر ہی ان کے حقوق کے مطابق رد کیا جائے گا سوائے زوجین کے، اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اسی کے قائل ہیں اور ہمارے علماء احناف رحمہم اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زائد مال (ذوی الفروض پر رد کرنے کے بجائے) بیت المال کے لئے ہے اسی کے قائل امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ ہیں۔

تشریح: ردعول کی ضد ہے کیونکہ عول میں حصے مخرج سے زیادہ ہوتے ہیں جبکہ رد میں مخرج حصوں سے زیادہ ہوتا ہے، رد کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ صَرفُ البَاقی مِن الفُرُوضِ النَّسَبِیہ بقدرِ حقُوقِھم عِندَ عدمِ عصبۃٍ یعنی تقسیم اول کے بعد نسبی ذوی الفروض سے بچے ہوئے مال کو ان ہی پر ان کے حصوں کے مطابق صرف کرنا رد کہلاتا ہے اس میں نسبیہ کی قید احترازی ہے، لہذا جو ذوی الفروض نسبی نہ ہو ان پر رد نہ ہوگا اس لیئے زوجین پر رد نہیں ہوتا کیونکہ اس سے نسبی رشتہ نہیں ہے اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی قول ہے اسی کو احناف نے بھی اختیار کیا ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک ذوی الفروض پر کسی حال میں بھی رد نہیں ہوتا بلکہ زائد مال بیت المال کا ہے۔ امام مالک وامام شافعی اور زہری وغیرہم کا بھی یہی قول ہے۔

فائدہ: زوجین پر رد نہ کرنے کے بارے میں متقدمین احناف کا قول تو وہی ہے جو جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے کہ زوجین پر رد نہیں ہوتا لیکن متاخرین احناف اور بعض شوافع یہ فرماتے ہیں کہ جب بیت المال غیر منتظم ہو تو زوجین پر بھی بقدر حقوق رد ہوگا بشرطیکہ دوسرے مستحقین نہ ہوں ردالمحتار میں مستصفی سے نقل کیا ہے کہ اس زمانہ میں فتویٰ رد کے جواز پر ہے صاحب بحرالرائق کی کتاب اشباہ میں بھی یہی ہے۔[1]

ثُمّ مَسَائِلُ الْبَابِ أیْ باب الرّدّ أقسامٌ اربعۃٌ احدُھَا أنْ یَکُوْنَ فِی الْمَسْئَلۃِ جنسٌ واحدٌ مِمَّن یُرَدّ عَلَیه عند عدمِ مَنْ لَا یُرَدّ عَلَیہ فَاجْعَل الْمَسْئَلۃَ مِن رُؤسِھِم کَمَا اِذَا ترَكَ بنْتَینِ أو أختَینِ أو جدّتَینِ فاجعَل المَسْئلۃَ مِن اثْنَینِ

[1] ردعلی الدر، کتاب الفرائض، باب العول، ج ۱۰ ص ۵۷۱

ترجمہ: پھر اس باب کے مسائل چار قسم کے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسئلہ من لا یرد علیہ یعنی زوجین نہ ہونیکی صورت میں من یرد علیہ کی ایک جنس ہو تو مسئلے کو ان کے عدد رؤس سے بناؤ مثلاً: اگر میت نے دو بیٹیاں یا دو بہنیں یا دو دادیاں چھوڑیں تو مسئلہ دو ہی سے بناؤ۔

تشریح: مسائل رد چار قسم پر ہیں اول یہ کہ مسئلہ میں صرف ایک ہی جنس کے لوگ ہوں جن پر رد ہوتا ہو اور من لا یرد علیہ یعنی جن پر نہیں ہوتا ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو اس صورت میں مسئلہ ان کے عدد رؤس کے مطابق ہوگا مثلاً: میت نے دو بیٹیاں یا دو بہنیں چھوڑیں تو اصل مسئلہ تین سے ہونا چاہئے کیونکہ دو بیٹیوں یا دو بہنوں کا حق ثلثین ہے لہذا اگر تین سے کیا جائے تو ایک بچتا ہے جو پھر انھی پر رد کیا جائے گا اس لیئے مسئلہ ابتداءً ہی دو سے کر کے دونوں کو ایک ایک کر کے دیا جائیگا۔ جس کی چند مثالیں یہ ہے۔

مثال ۱: مسئلہ ۲
میت

بیٹی	بیٹی
۱	۱

مثال ۲: مسئلہ ۲
میت

بہن	بہن
۱	۱

مثال ۳: مسئلہ ۲
میت

جدہ	جدہ
۱	۱

فائدہ: زوجین کو من لا یرد علیہ اور دیگر ذوی الفروض کو من یرد علیہ کہا جاتا ہے۔

وَالْقِسْمُ الثَّانِي إِذَا اجْتَمَعَ فِي الْمَسْئَلَةِ جِنْسَانِ أَو ثَلٰثَةُ أَجْنَاسٍ مِمَّن يُرَدُّ عَلَيهِ عِندَ عَدمِ مَن لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ فَاجْعَلِ الْمَسْئَلَةَ مِنْ سِهَامِهِم أَعْنِي مِنَ اثْنَينِ إِذَا كَانَ فِي الْمَسْئَلَةِ سُدُسَانِ أَو مِنْ ثَلَاثَةٍ إِذَا كَانَ فِيهَا ثُلُثٌ وَّ سُدُسٌ أَو مِن اربعةٍ إِذَا كَانَ فِيهَا نِصفٌ وَّ سُدُسٌ أَو مِنْ خَمسةٍ إِذَا كَانَ فِيهَا ثُلُثَانِ وَسُدُسٌ أَو كَانَ فِيهَا نصفٌ وَ سُدُسَانِ أَو كَانَ فِيهَا نصفٌ وَّ ثُلُثٌ

ترجمہ: اور دوسری قسم یہ ہے کہ جب مسئلہ میں من لا یرد علیہ نہ ہونیکی صورت میں من یرد علیہ کی تین یا دو جنس جمع ہو جائیں تو ان کے حصوں سے مسئلہ بناؤ یعنی مسئلہ دو سے بناؤ جب دو سدس لینے والے ہوں یا تین سے بناؤ جب مسئلہ میں ایک ثلث لینے والا ہو اور دوسرا سدس لینے ولا ہو اور چار سے بناؤ جب مسئلہ میں ایک نصف لینے والا ہو اور دوسرا سدس لینے والا ہو یا پانچ سے بناؤ جب مسئلہ میں ثلثان لینے والیں ہوں اور سدس لینے والا ہو یا نصف اور سدس لینے والے ہوں یا نصف اور ثلث لینے والے ہوں۔

تشریح: یہ دوسری قسم کا بیان ہے کہ اگر مسئلہ میں فقط من یرد علیہ ورثاء ہوں لیکن جنس واحد کے نہ ہوں بلکہ دو یا اس سے

زائد ہوں تو مسئلہ ان کے حصوں سے بنے گا یعنی یہ ورثاء جتنا حصے لیں گے ان سب کو جمع کر کے مخرج مسئلہ بنایا جائے گا چنانچہ اگر مسئلہ میں دو سدس جمع ہوں تو مسئلہ دو سے ہوگا جیسے:۔ مثال: مسئلہ ۲

میت

دادی	ماں شریک بہن
۱	۱

یا ثلث اور سدس جمع ہوں تو مسئلہ تین سے ہوگا جیسے:۔ مثال: مسئلہ ۳

میت

ماں شریک بہن ۲	ماں
۲	۱

اور اگر نصف اور سدس جمع ہوں تو مسئلہ چار سے ہوگا جیسے:۔ مثال: مسئلہ ۴

میت

بیٹی	پوتی
۳	۱

اور اگر ثلثان وسدس، نصف اور سدس، نصف وثلث جمع ہوں تو مسئلہ پانچ سے ہوگا جیسے:۔

مثال: مسئلہ ۵

میت

بیٹیاں ۲	ماں
۴	۱

مثال: مسئلہ ۵

میت

بیٹی	پوتی	ماں
۳	۱	۱

مثال: مسئلہ ۵

میت

بہن	ماں شریک بہنیں
۳	۲

فائدہ: یہ تمام مسائل اگر رد نہ ہوں تو مسئلہ چھ سے بنے گا۔

وَالثَّالِثُ أن يَّكونَ مَعَ الأوّل مَن لَا يُرَدّ عليهِ فاعطِ فرضَ مَن لَا يُرَدّ عَلَيهِ مِن أقَلّ مخارجِهٖ فَاِنِ اسْتَقَامَ البَاقِي عَلَى عددِ رُؤسِ مَن يُرَدّ عليهِ فَبِها وَنعِمَتْ اِذْ لَا حاجةَ اِلَى ضُروبٍ كَزَوجٍ وَّثلاثِ بناتٍ وَاِن لَم يَسْتَقِمْ فَاضْرِبْ عَلَى وفقِ رُؤسِهِنّ فِي فَرْضِ مَّن لَا يُردّ عليهِ اِنْ وافقَ رؤسُهُم كزوجٍ وَّستِ بناتٍ وَّاِلّا فَاضْرِبْ كُلَّ عددِ رُؤسٍ فِي مخرَجِ فرضِ مَّن لَا يُردّ عليهِ فَالمبلَغُ تَصحِيحُ المسئلةِ كَزَوجٍ وَّخَمسِ بناتٍ

ترجمہ: اور تیسری قسم یہ ہے کہ اول یعنی من یرد علیہ کے ساتھ من لا یرد علیہ بھی ہو تو من لا یرد علیہ کا حصہ اس کے کم تر مخارج سے

دو چنانچہ اگر بقیہ مال من یردعلیہ کے رؤس پر پورا پورا تقسیم ہو جائے تو بہت ہی خوب ہے کیونکہ ضرب کی حاجت نہیں ہے۔ جیسے ورثاء میں شوہر اور تین بیٹیاں ہوں اور اگر بقیہ مال من یردعلیہ پر پورا تقسیم نہ ہو تو من یردعلیہ کے رؤس کے وفق کو من لا یرد علیہ کے مخرج میں ضرب دو اگر من یردعلیہ کے رؤس اور بقیہ مال کے درمیان نسبت توافق ہو جیسے شوہر اور چھ بیٹیاں اور اگر عدد رؤس اور بقیہ مال کے درمیان نسبت توافق نہ ہو تو کل عدد رؤس کو من لا یردعلیہ کے مخرج میں ضرب دو چنانچہ حاصل ضرب مسئلہ کی تصحیح ہوگی جیسے ورثاء میں شوہر اور پانچ بیٹیاں ہیں۔

تشریح: یہ تیسری قسم کا بیان ہے کہ اگر مسئلہ میں ایک جنس کے لوگ ہوں اور ان کے ساتھ من لا یردعلیہ (جن پر رد نہیں ہوتا) بھی ہوں تو من لا یردعلیہ کا حصہ پہلے اس کے کم تر مخارج سے دیا جائے گا باقی مال من یردعلیہ پر تقسیم کر دیا جائے گا اگر ان کے رؤس پر پورا پورا تقسیم ہو رہا تو بہت ہی اچھا ہے مثلاً:۔

مثال: مسئلہ ۴

میت

شوہر	بیٹیاں ۳
۱	۳

مذکورہ صورت میں شوہر من لا یردعلیہ میں سے ہے جبکہ بیٹیاں من یردعلیہ میں سے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ شوہر کے مخرج دو ہیں ایک نصف دوسرا ربع۔ ربع کم تر مخرج ہے اس لیئے مسئلہ چار سے بنا کر شوہر کو اپنا حصہ دیدیا اب ۳ بچے تو انکو من یردعلیہ یعنی بیٹیوں کے عدد رؤس ۳ پر تقسیم کر دیا گیا جو پورا پورا تقسیم ہو گیا۔

لیکن اگر باقی مال من یردعلیہ پر برابر تقسیم نہ ہو تو دیکھا جائے کہ عدد رؤس اور عدد حصہ میں توافق ہے یا نہیں، اگر ہو تو وفق رؤس کو مخرج مسئلہ میں ضرب دی جائے اور حاصل ضرب کو مخرج مسئلہ بنایا جائے مثلاً اس صورت کو ملاحظہ کیجئے۔

مثال: مسئلہ ۴/ ۸

میت

شوہر	بیٹیاں ۶ (۲)
۱/۲	۳/۶

یہاں زوج کا فرض اقل مخارج ۴ ہے لہذا مسئلہ بھی ۴ سے کیا گیا شوہر کو ایک دے دیا تو ۳ بچے جو ۶ بیٹیوں پر برابر تقسیم نہیں ہوتے سو ہم نے ۳ اور ۶ میں نسبت دیکھی تو وہ تداخل کی ہے جس کا حکم بھی توافق کا ہی ہے اب بیٹیوں کے عدد رؤس کا وفق ۲ ہوا پھر اسی ۲ کو اصل مسئلہ یعنی ۴ سے ضرب دی تو حاصل ضرب ۸ آیا جس میں سے ۲ زوج کو ملے اور ۶ حصے چھ بیٹیوں کو حاصل ہوئے اور اگر عدد رؤس وعدد سھام (حصہ) میں نسبت تباین ہو تو کل عدد رؤس کو من لا یردعلیہ کے مخرج میں ضرب دیں

گے اور حاصل ضرب کو مخرج مسئلہ بنائیں گے مثلاً۔

مثال: مسئلہ ۴/ ۲۰

میت

شوہر	بیٹیاں ۵
۱/۵	۳/۱۵

مذکورہ صورت میں اصل مسئلہ سے شوہر کو ایک دینے کے بعد ۳ بچے جو ۵ بیٹیوں پر تقسیم نہیں ہو سکتے چنانچہ ۳ اور ۵ میں نسبت دیکھی تو تباین ہے اس لئے کل عدد روس یعنی ۵ کو اصل مسئلہ یعنی ۴ سے ضرب دی تو حاصل ضرب ۲۰ ہوئے جن میں سے شوہر کو ۵ اور بیٹیوں کو مجموعی طور پر ۱۵ ملے۔

والرّابعُ أنْ يكونَ مَعَ الثّاني مَنْ لَا يُردّ عليهِ فَاقْسِمْ مَا بَقِي مِنْ مَخْرج فرضِ مَنْ لَا يُردّ عليهِ عَلى مسئلةِ مَنْ يُرَدّ عليهِ فَانِ اسْتَقام البَاقِي فبِها وَهٰذَا اِنّما هُو فِيْ صُورَةٍ وَاحِدةٍ وَهِي أن يّكونَ لِلزّوجاتِ الرُّبُعُ وَالبَاقِي بَيْنَ أَهْلِ الرّدّ أثلاثًا كزوجةٍ وأربعِ جدّاتٍ وَسِتِ اخواتٍ لامّ

ترجمہ: اور رد کی چوتھی قسم یہ ہے کہ ثانی یعنی من یردعلیہ کی جنس کے ساتھ من لا یردعلیہ میں سے کوئی ہو تو جو مال من لا یردعلیہ کے فرض کے مخرج سے باقی بچا ہے اسکو من یردعلیہ کے مسئلہ سے تقسیم کردو اگر پورا تقسیم ہو جائے تو بہت ہی خوب اور یہ صرف ایک ہی صورت میں ہے وہ یہ ہے کہ بیویوں کے لئے چوتھائی ہو اور بقیہ مال من یردعلیہ یعنی اہل رد پر تین حصے کر کے تقسیم کیا جائے جیسے ورثاء میں ایک بیوی، چار دادیاں اور چھ اخیافی بہنیں ہوں۔

تشریح: یہ چوتھی قسم کا بیان ہے کہ اگر مسئلہ میں ایک جنس کے لوگ نہ ہوں بلکہ ان کے ساتھ من لا یردعلیہ بھی ہو تو اس صورت میں اس مال کو جو من لا یردعلیہ سے باقی رہا ہے اس کو من یردعلیہ کے مسئلہ پر تقسیم کیا جائے اگر پورا تقسیم ہو جائے تو بہت ہی خوب، ضرب کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی البتہ یہ صرف ایک ہی صورت میں ہے کہ بیوی کو چوتھائی ملتا ہو اور باقی مال من یردعلیہ پر تین حصے کر کے تقسیم ہو رہا ہو مثلاً۔

مثال: مسئلہ ۴/ ۴۸

میت

بیوی	دادیاں ۴	ماں شریک بہنیں ۶
۱/۱۲	۱/۱۲	۲/۲۴

صورت مذکورہ میں بیوی کو چوتھائی دیا گیا اور مسئلہ بھی چار ۴ سے بنایا گیا، بیوی کو ایک دینے کے بعد بقیہ تین ۳ دادیوں اور ماں شریک بہنوں پر پورا تقسیم ہو رہا ہے کیونکہ ثلث وسدس کے جمع ہونے کی صورت میں مسئلہ ۶ سے ہوتا ہے اور ۶ کا ثلث

دو اور سدس ایک ہے یعنی اہل رد کے حصوں اور باقیماندہ ۳ میں نسبت تماثل ہوئی لہذا باقیماندہ ۳ اہل رد یعنی دادیوں، ماں شریک بہنوں پر پورا تقسیم ہو گیا لیکن چار دادیوں پر ایک اور چھ ماں شریک بہنوں پر دو پورے تقسیم نہیں ہو رہے چنانچہ جب ہم نے عدد سہام اور عدد رؤس میں نسبت دیکھی تو دادیوں کے سہام اور عدد رؤس میں نسبت تباین ہے لہذا ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا لیکن بہنوں کے سہام اور عدد رؤس میں نسبت توافق ہے سو بہنوں کا عدد وفق تین ہوا چنانچہ دادیوں کے کل عدد رؤس یعنی ۴ کو بہنوں کے عدد رؤس کے وفق ۳ میں ضرب دینے سے ۱۲ حاصل ہوئے اور اسی ۱۲ کو اصل مسئلہ ۴ میں ضرب دینے سے ۴۸ حاصل ہوئے جس سے مسئلے کی تصحیح کی گی پھر اس ۱۲ سے ہر فریق کے حصے کو ضرب دی تو جتنا حاصل ہوا وہ ہر فریق کا حصہ ہے۔

وَاِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ فَاضْرِبْ جَمِيْعَ مسئلةِ مَنْ يُرَدّ عليهِ فِيْ مخرجِ فرضِ مَنْ لَا يُرَدّ عليهِ فَالمَبْلَغُ مخرجُ فُروضِ الفَرِيقَيْنِ كَاربَعِ زَوْجَاتٍ وّتسعِ بناتٍ وّسِتّ جَدّاتٍ ثُمّ اضْرِبْ سِهَامَ مَنْ لَا يُرَدّ عليهِ فِيْ مسئلةِ مَنْ يُرَدّ عليهِ وسهامُ مَنْ يّرَدّ عليهِ فيْمَا بَقِيَ مِنْ مَخرجِ فرضِ مَنْ لَا يُرَدّ عليهِ وَاِنِ انْكَسَرَ عَلَى البعْضِ فَتَصْحِيْحُ المَسَائِلِ بِالأصُولِ الْمَذْكُوْرَةِ۔

ترجمہ: اور اگر مابقی من یرد علیہ (اہل رد) پر پورا تقسیم نہ ہو تو من یرد علیہ کے جمیع حصوں کو من لا یرد علیہ کے مخرج میں ضرب دو چنانچہ حاصل ضرب دونوں فریق کے حصوں کا مخرج ہوگا جیسے (ورثاء میں) چار بیویاں، نو بیٹیاں اور چھ دادیاں ہیں پھر من لا یرد علیہ کے حصوں کو من یرد علیہ کے مخرج فرض سے جتنا بچا ہے اس میں ضرب دو اور اگر بعض ورثاء کے حصوں پر ان کا حصہ منکسر ہو جائے تو باب تصحیح میں جو اصول ذکر کئے گئے ہیں ان کے مطابق مسائل کی تصحیح کر لی جائے۔

تشریح: اگر من لا یرد علیہ (میاں، بیوی) کو حصہ دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ من یرد علیہ (بیٹیاں وغیرہ) کے مخرج پر پورا تقسیم نہ ہو تو من یرد علیہ کے کل مسئلے کو من لا یرد علیہ کے مسئلہ میں ضرب دی جائے چنانچہ جو حاصل ضرب ہوگا وہی دونوں فریقوں کا مخرج مسئلہ ہوگا مثلاً:۔

مثال: مسئلہ بالرد ۸×۵/۴۰×۳۶/۱۴۴۰ المضروب ۳۶

میتـــ

بیویاں ۴ (۲)	بیٹیاں ۹	دادیاں ۶ (۲)
۱	۴	۱
۵	۲۸	۷
۱۸۰	۱۰۰۸	۲۵۲
فی کس ۴۵	فی کس ۱۱۲	فی کس ۴۲

مذکورہ ورثاء کے ہوتے ہوئے اصل مسئلہ ۲۴ سے ہونا چاہئے تھا کیونکہ بیویوں کا ثمن بیٹیوں کے ثلثین اور دادیوں کے سدس کے ساتھ مجتمع ہے چنانچہ ۲۴ کا ثمن ۳ اور ثلثین ۱۶ اور سدس ۴ ہے جن کا مجموعہ ۲۳ ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ ردیہ ہے، چنانچہ ہم نے بیویوں کے حصے ثمن کے اقل مخرج ۸ سے اصل مسئلہ بنایا جس میں سے ایک بیویوں کو دینے کے بعد بقیہ ۷ بچے جبکہ بیٹیوں اور دادیوں کے حصے کل ملا کر ۵ ہیں کیونکہ ٦ کا ثلثان ۴ اور سدس ایک ہے اور یہ ۵۔۷ پر تقسیم نہیں ہو سکتے لہذا اسی ۵ کو ۸ میں ضرب دینے کے بعد ۴۰ حاصل ہوئے پھر اسی ۴۰ سے چار بیویوں کو ۵، چھ دادیوں کو ۷ اور نو بیٹیوں کو ۲۸ ملے، لیکن یہاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ ۵ حصے چار بیویوں پر، ۲۸ حصے نو بیٹیوں پر اور ۷ حصے چھ دادیوں پر تقسیم نہیں ہو رہے نیز ہر فریق کے عدد رؤس اور ان کے حصوں میں نسبت تباین ہے البتہ ان کے آپس میں عدد رؤس کی نسبت دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ٦ اور ۹ میں توافق ہے چنانچہ ٦ کے وفق ۲ کو ۹ میں ضرب دینے سے ۱۸ حاصل ہوئے پھر ۱۸ کو ۴ کے وفق ۲ میں ضرب دینے سے ۳٦ حاصل ہوئے پھر ۳٦ کو ۴۰ میں ضرب دینے سے ۱۴۴۰ ہوئے پس اسی سے مسئلے کی تصحیح ہوئی پھر المضروب ۳٦ کو ہر فریق کے حصے میں ضرب دینے سے ہر ایک کا حصہ معلوم ہوا جیسا کہ مذکورہ نقشہ سے واضح ہے۔

"وان کسر" کی عبارت سے فاضل مصنف کا مقصد یہ ہے کہ رد کا عمل ہو جانے کے بعد اگر کسی فریق کے رؤس اور اس کے حصوں میں کسر واقع ہو تو حسب سابق تصحیح کا عمل آخر میں حاصل ہونے والے مخرج اور حصوں پر جاری کیا جائے جیسا کہ ابھی مذکورہ مثال میں گذر چکا۔

مشق

درج ذیل صورتوں میں ہر وارث کا حصہ واضح کریں اور اگر رد یا عول ہو رہا ہے تو اسے بھی بیان کریں۔

۱۔ بیوی، ماں، ماں شریک بھائی؟
۲۔ بیوی، ماں، دو ماں شریک بہنیں؟
۳۔ شوہر، تین دادیاں؟
۴۔ شوہر، حقیقی بہن؟
۵۔ تین دادیاں، چھ اخیافی بھائی؟
٦۔ دادی، نانی؟
۷۔ تین بیٹے، سات بیٹیاں؟
۸۔ تین بیٹیاں؟

❁❁❁

باب مقاسمة الجد

قَالَ أَبُوبَكر الصِدّيق رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ وَمَن تَابعَهُ مِنَ الصّحَابَةِ بَنُو الأعْيَان وَبَنُو العَلّاتِ لَا يَرِثُونَ مَعَ الجدّ وَهذَا قَولُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحمَةُ اللّٰهِ عَلَيهِ وَبِهِ يُفتٰى وَقَالَ زيدُ بنُ ثَابتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ يَرِثُونَ مَعَ الجدّ وَهُوَ قَولُهُمَا وَقَولُ مالِكٍ وَالشّافِعِي رَحِمَهم اللّٰهُ تَعَالى

ترجمہ: حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے متبعین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ حقیقی بھائی بہن اور سوتیلے بھائی بہن دادا کے ہوتے ہوئے وارث نہیں ہوتے یہی قول امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حقیقی یا سوتیلے بھائی بہن دادا کے ہوتے ہوتے ہوئے وارث ہوتے ہیں یہی قول صاحبین کا ہے اور اسی کے قائل امام مالک و امام شافعی رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

تشریح: اگر کوئی شخص اپنے ورثاء میں دادا، بہن، بھائی خواہ حقیقی ہوں یا علاتی چھوڑ کر انتقال کر گیا تو ان کے درمیان میراث کیسے تقسیم کی جائے، یہ مسئلہ صحابہ کرام اور فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے، بعض صحابہ وفقہاء کا مسلک یہ ہے کہ دادا کے ہوتے ہوئے حقیقی اور علاتی بہن بھائی وارث نہیں ہوں گے اسی کے قائل صحابہ میں سے بعد از انبیاء افضل البشر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، ابن عباس، ابوھریرہ، ابن زبیر، ابن عمر، ابی بن کعب وغیرھم رضوان اللہ اجمعین ہیں جبکہ فقہاء میں سے امام الائمہ امام اعظم، شریح، عطاء وعروہ بن زبیر رضی اللہ عنھم کا بھی یہی مذہب ہے اور فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔

دوسرا مسلک یہ ہے کہ دادا کے ہوتے ہوئے بہن بھائی خواہ حقیقی ہوں یا علاتی وارث ہونگے صحابہ میں سے حضرت زید بن ثابت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی کے قائل ہیں جبکہ فقہاء کرام میں سے صاحبین یعنی امام ابو یوسف و امام محمد اور امام مالک و امام شافعی رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

حاصل کلام یہ ہے امام اعظم رضی اللہ عنہ مقاسمۃ الجد کے بالکل قائل نہیں، جبکہ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین اس کے قائل ہیں۔

فائدہ: دادا کے ہوتے ہوئے اخیافی بھائی، بہن کے محروم ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

وَعِندَ زيدِ بنِ ثَابتٍ للجَدّ مَعَ بَنِي الاَعيَان وبَنِي العَلّاتِ أفضلُ الأمرَينِ مِنَ المُقَاسَمَةِ وَمِن ثُلُثِ جَمِيعِ المَالِ وَتَفسِيرُ المُقَاسَمَةِ أنْ يُجعلَ الجدُّ فِي القِسمَةِ كَأحدِ الأخوةِ وَبنُو العَلاتِ يَدخُلُونَ فِي القِسمَةِ مَعَ بَنِي الأعيَان اِضرَارًا لِلجدّ

ترجمہ: اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک دادا کے لئے حقیقی اور باپ شریک بہن بھائیوں کے ساتھ دو چیزوں

مقاسمۃ اور جمیع مال کے ثلث میں سے جو افضل ہو وہی دیا جائے گا اور مقاسمۃ کی تفسیر یہ ہے کہ تقسیم میں دادا کو ایک بھائی کی مثل بنایا جائے اور باپ شریک بھائی بہن تقسیم میں حقیقی بھائی بہن کے ساتھ دادا کا حصہ گھٹانے میں داخل ہو جاتے ہیں۔

تشریح: جیسا کہ آپ حضرات پہلے معلوم کر چکے ہیں امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم رضی اللہ عنہ مقاسمۃ الجد کے قائل نہیں ہے (لہذا مصنف رحمۃ اللہ علیہ مقاسمۃ الجد کی تفصیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما اور صاحبین کے مذہب کے مطابق بیان فرما رہے ہیں) البتہ جو نفوس قدسیہ اس کے قائل ہیں ان میں بھی آپس میں طریقہ توریث میں اختلاف ہے چنانچہ توریث کے طریقے میں تین مذاہب ہیں، ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے دوسرا حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور تیسرا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے اور ائمہ ثلاثہ وصاحبین کا بھی اسی مذہب پر عمل ہے، مصنف ان مذاہب میں سے صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مذہب کو اختیار کر کے اس کی تفصیل وتشریح بیان کر رہے ہیں لہذا فرماتے ہیں کہ اگر ورثاء میں دادا کے ساتھ حقیقی یا باپ شریک بھائی بہن موجود ہوں تو دیکھنا چاہئے کہ دادا کے لیے مقاسمۃ افضل ہے یا جمیع مال کا ثلث بہتر ہے، دونوں میں سے جو زیادہ سود مند ہو اسی کو اختیار کیا جائے۔

مقاسمت کی تفسیر

مقاسمت کی تفسیر یہ ہے کہ حقیقی یا باپ شریک بھائی بہنوں کے ساتھ دادا کو ایک بھائی کی مثل قرار دیا جائے اور اسی کے مطابق اس کو ترکہ سے حصہ دیا جائے مثلاً۔

مثال: مسئلہ ۲
میت

بھائی	دادا
۱	۱

مذکورہ صورت میں دادا کو بھائی شمار کیا گیا اس لیے اس کو نصف ملا جو اس کے حق میں مفید ہے۔

فَاِذَا أخذَ الجدّ نصيبَهٗ فبَنُو العلاتِ يَخرُجُونَ مِنَ البَيْنِ خائِبِيْنَ بِغَيْرِ شَئٍ وَالبَاقِي الأعيَان اِلّا اِذَا كَانتْ مِنْ بَنِي الأعْيَانِ اختٌ واحدةٌ فانّها اِذَا اخذَتْ فرضَها نِصفَ الكُلّ بعدَ نصيبِ الجدّ فَانْ بَقِي شئٌ فَلِبنِي العَلاتِ وَاِلّا فَلا شئَ لهُمْ كجدٍ واختٍ لأبٍ وَاُمٍّ وَأختَينِ لأبٍ فبَقِي للأختَينِ لِاب عُشرُ المالِ و تصحّ مِن عشرِيْنَ وَلوكانتْ فِي هٰذِهِ المَسْئلَةِ اختٌ لابٍ لَمْ يَبق لَهَا شئٌ

ترجمہ: اور جب دادا نے اپنا حصہ لے لیا تو باپ شریک بھائی بہن محروم ہو کر ان کے درمیان سے نکل جائیں گے اور باقی حقیقی

بھائی بہنوں کے لئے ہوگا مگر جب کہ حقیقی بھائی بہنوں میں صرف ایک بہن ہو، چنانچہ جب اس نے اپنا کل مال میں سے نصف حصہ لے لیا دادا کے حصے کے بعد پھر اگر باقی کچھ رہتا ہے تو وہ باپ شریکوں کے لئے ہوگا ورنہ ان کے لئے کچھ نہ ہوگا مثلاً: دادا، حقیقی بہن اور دو باپ شریک بہنیں، لہذا دو باپ شریک بہنوں کے لئے مال کا دسواں حصہ باقی رہے گا اور مسئلہ کی تصحیح بیس سے ہوگی اور اگر مسئلہ میں باپ شریک بہن ایک ہو تو اس کے لئے کچھ نہیں بچے گا۔

تشریح: باپ شریک بھائی، بہن، دادا، اور حقیقی بھائی کے ساتھ تقسیم ترکہ میں شریک ہوکر خود محروم ہوجاتے ہیں اور دادا کے حصے کو بھی کم کردیتے ہیں مثلاً:۔ میت کے ورثاء میں دادا، ایک حقیقی بھائی اور ایک باپ شریک بھائی موجود ہوں تو ایسی صورت میں دادا کو ثلث ملے گا اور حقیقی بھائی دو ثلث کا حقدار ہوگا جبکہ باپ شریک محروم ہونے کے ساتھ دادا کے نصف حصے کو گھٹا کر ثلث کردے گا مصنف کی عبارت بنو العلات یدخلون الخ ... کا یہی مطلب ہے لیکن ایک صورت ایسی ہے جو باپ شریک بھائی بہن کو محروم ہونے سے بچاتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر دادا کے ساتھ صرف ایک حقیقی بہن موجود ہو تو اس صورت میں دادا کا حصہ دینے کے بعد حقیقی بہن کو کل مال کا نصف دیا جائے گا پھر جو کچھ بچے گا وہ باپ شریکوں کے حصے میں آئے گا مثلاً:۔ میت نے ایک دادا، ایک حقیقی بہن اور دو باپ شریک بہنیں چھوڑیں جس کی صورت یہ ہے۔

مثال: مسئلہ ۵/۱۰/۲۰

میت

دادا	حقیقی بہن	باپ شریک بہنیں ۲
۲	۱ ۲	۱
۴	۲	۲
۸	۵	۱
	۱۰	۲

مذکورہ صورت میں دادا ایک بھائی کے قائمقام ہے لہذ دادا کو دو بہنیں فرض کیا گیا، اس کے علاوہ ورثاء میں بقیہ تین بہنیں اور بھی ہیں تو یہ کل پانچ بہنیں ہوئیں اس لیئے مسئلہ پانچ سے ہوا، دادا کو دو دیئے کیونکہ دادا دو بہنوں کے قائمقام ہے اور حقیقی بہن ایک ہے لہذا اسے ۵ کا نصف $۲\frac{۱}{۲}$ دیا گیا اور آدھا باپ شریک بہنوں کے لیئے بچ گیا لیکن چونکہ یہاں حصے دو بہنوں پر پورے تقسیم نہیں ہو رہے چنانچہ دونوں حصوں کے مخرج کسر یعنی ۲ کو ۵ میں ضرب دینے سے ۱۰ حاصل ہوئے جن میں سے ۴ دادا کو اور ۵ حقیقی بہنوں کو اور ایک دو باپ شریک بہنوں کو ملا پھر ایک دو بہنوں پر تقسیم نہیں ہو رہا لہذا باپ شریک بہنوں کے عدد رؤس ۲ کو ۱۰ میں ضرب دی تو حاصل ضرب ۲۰ ہوئے جن میں سے ۸ دادا کو ۱۰ حقیقی بہن کو اور ۲ باپ شریک بہنوں کو ملے، اور اگر دادا کے ساتھ ایک حقیقی بہن اور ایک باپ شریک بہن وارث ہو تو اس صورت میں پہلے دادا کو نصف ترکہ دیا جائے گا بقیہ جو

کچھ بچے گا حقیقی بہن کا ہوگا لہذا باپ شریک بہن محروم ہو جائے گی۔

وَاِنِ اخْتَلَطَ بِهِمْ ذُوْ سِهْمٍ فَلِلْجدّ هُنَا افضلُ الأمورِ الثّلاثةِ بعدَ فرضِ ذِی سِهمٍ اِمّا المُقاسمةُ کزوج وجدّ واخ وامّا ثُلُثُ مَا بَقِی کجدّ وجدّةٍ واخوَیْنِ وأختٍ وامّا سُدُسُ جمیعِ المَالِ کجدّ وجدّةٍ وبنتٍ واخوَیْنِ وَاِذَا کانَ ثُلثُ البَاقِی خیرًا للجدّ ولیسَ لِلبَاقِی ثُلُثٌ صحِیْحٌ فاضْرِبْ مَخْرجَ الثّلثِ فِی أصلِ المَسْئَلةِ فَاِنْ تَرکتْ جدًا وزَوْجًا وبنتًا وَاُمًّا وَاُختًا لأبٍ وَاُمّ اَوْ لِابٍ فَالسُّدُسُ خیرٌ للجدّ وتَعُولُ المَسْئلةُ اِلٰی ثلاثةَ عشرَ وَلَا شئَ لِلأختِ

ترجمہ: اور اگر دادا اور بھائی بہنوں کے ساتھ ذوی الفروض میں سے کوئی جمع ہو جائے تو صاحب فرض کو حصے دینے کے بعد دادا کے لئے تین چیزوں میں سے جو بہتر ہوگا وہی دیا جائے گا، ان تینوں میں سے بہتر یا تو مقاسمہ ہے جیسے شوہر، دادا اور بھائی یا مابقی کا ثلث یعنی باقی کا تہائی بہتر ہے جیسے دادا، دادی، دو بھائی اور ایک بہن یا پورے مال کا سدس بہتر ہے جیسے دادا، دادی بیٹی اور دو بھائی اور جب باقی کا تہائی دادا کے لئے بہتر ہو اور باقی سے تہائی صحیح نہ نکلے تو مخرج تہائی یعنی تین کو اصل مسئلہ میں ضرب دیدو چنانچہ اگر کسی عورت نے ورثاء میں دادا، شوہر، بیٹی، ماں اور حقیقی یا باپ شریک بہن چھوڑے ہوں تو دادا کے لئے سدس بہتر ہے اور مسئلہ تیرہ تک عول ہوگا اور بہن کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

تشریح: اگر دادا اور حقیقی یا باپ شریک بھائی بہنوں کے ساتھ ذوی الفروض میں سے کوئی وارث موجود ہو تو پہلے اس ذوالفرض کو حصہ دیا جائے بعدہٗ دیکھا جائے کہ دادا کے لیئے تین چیزوں یعنی مقاسمت، ثلث مابقی، جمیع مال کے سدس میں سے کیا بہتر ہے جو زیادہ نفع بخش ہو وہی دیا جائے گا۔

مقاسمت کی مثال: مسئلہ ۲ تصــ ۴

میت

شوہر	دادا	بھائی
۲	۱	۱

مذکورہ صورت میں شوہر چونکہ نصف لے رہا ہے لہذا مسئلہ دو سے ہوا دو میں سے ایک شوہر نے لے لیا بقیہ ایک دادا اور بھائی کے حصے میں آیا لیکن ایک دو پر تقسیم نہیں ہو رہا اس لیئے دادا اور بھائی کے عدد رؤس یعنی دو کو اصل مسئلہ ۲ میں ضرب دینے سے ۴ حاصل ہوئے، ان میں سے نصف یعنی ۲ شوہر اور ایک ایک دادا اور بھائی کو ملا، اس مقاسمت کی صورت میں دادا کو کل مال کا چوتھائی ملا جو کہ سدس اور مابقی تہائی سے زیادہ بہتر ہے۔

ثلث ماقبی کی مثال: مسئلہ ۶ تصـ ۱۸

میت

دادا	دادی	بھائی	بھائی	بہن
۵	$\frac{۱}{۳}$	۴	۴	۲

مذکورہ صورت میں مسئلہ ۶ سے بنا جس میں سے ایک دادی کو دیا گیا بقیہ ۵ کا ثلث صحیح نہیں نکل رہا چنانچہ مخرج ثلث $\frac{۱}{۳}$ کے ۳ کو اصل مسئلہ میں ضرب دی تو ۱۸ حاصل ہوئے جن میں سے سدس یعنی ۳ دادی کو دینے کے بعد بقیہ ۱۵ کا ثلث یعنی ۵ دادا کو دیا گیا اور باقی ماندہ ۱۰ بھائی بہنوں کے درمیان تقسیم کیا گیا، اس صورت میں دادا کے لیئے ثلث ماقبی مقاسمت اور سدس سے زیادہ بہتر ہے لہذا اسی پر عمل کیا گیا۔

سدس کی مثال ا: مسئلہ ۶ تصـ ۱۲

میت

دادا	دادی	بیٹی	بھائی ۲
$\frac{۱}{۲}$	$\frac{۱}{۲}$	$\frac{۳}{۶}$	$\frac{۱}{۲}$

مذکورہ صورت میں مسئلہ نصف اور چھ کے جمع ہونے کی وجہ سے ۶ سے ہوا، بیٹی کو نصف، دادی کو چھٹا ملا باقی ۲ بچے لہذا اگر یہاں دادا کے لیئے دونوں بھائیوں کے ساتھ مقاسمت یا ثلث ماقبی کو اختیار کیا جائے تو دونوں صورتوں میں ایک حصے میں سے دو تہائی ملتے ہیں لیکن اگر کل ترکہ میں سے چھٹا حصہ دیا جائے تو پورا ایک حصہ ملتا ہے جو کہ مقاسمۃ اور ثلث ماقبی سے زیادہ بہتر ہے اس لیئے یہاں سدس کو اختیار دیا گیا۔

سدس کی مثال ۲: مسئلہ ۱۲ تعول الی ۱۳

میت

دادا	شوہر	بیٹی	ماں	حقیقی یا علاتی بہن
۲	۳	۶	۲	م

اس صورت میں ربع اور سدس جمع ہیں اس لیئے مسئلہ ۱۲ سے ہوا لیکن جب ہر وارث کو حصہ دینے کے بعد جمع کیا تو مسئلہ ۱۲ سے ۱۳ کی جانب عول ہوا، یہاں بھی دادا کو سدس ملا ہے جو اس کے حق میں مقاسمۃ اور ماقبی ثلث سے بہتر ہے نیز عول میں چونکہ عصبہ کو کچھ بھی نہیں ملتا اس لیئے یہاں بہنیں محروم ہیں۔

وَاعْلَمْ اَنَّ زيدَ بنَ ثابتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَجعلُ الأختَ لِابٍ وَاُمٍ اَوْ لِاَبٍ صاحبةَ فرضٍ مَعَ الجَدِّ اِلَّا فِي

الْمَسْئَلَةِ الأكدرِيَة وَهِيَ زَوْجٌ وَأمٌّ وجدّ واختٌ لابٍ وأمٍ أو لابٍ فَللزّوج النِصفُ وَللامِّ الثُّلثُ وَلِلجَدّ السُّدُسُ وَلِلاختِ النّصفُ ثُمّ يُضَمّ الجدّ نصيبُهُ اِلى نَصِيبِ الأختِ فيُقسَمَان للذَكرِ مثلُ حظّ الأنثيَيْنِ لِانّ المُقَاسَمَةَ خيرٌ للجَدّ أصلُها مِنْ سِتّةٍ وَتَعُولُ اِلى تسعةٍ وَتصحّ مِنْ سبعةٍ وّعِشْرِينَ

ترجمہ: معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حقیقی یا باپ شریک بہن کو دادا کے ساتھ ذوی الفروض میں سے نہیں مانتے سوائے مسئلہ اکدریہ کے اور وہ یہ ہے کہ ورثاء میں شوہر، دادا ماں اور حقیقی یا باپ شریک بہن ہوں، سو شوہر کے لئے نصف ہے اور ماں کے لئے ثلث، دادا کے لئے سدس اور بہن کے لئے نصف ہے، پھر دادا کا حصہ بہن کے حصے کے ساتھ ملا کر للذکر مثل حظ الانثیین کے قانون موجب ان میں تقسیم ہوگا اس لئے کے دادا کے لئے مقاسمۃ افضل ہے، اس مسئلہ کی اصل چھ سے ہوگی اور نو کی جانب عول ہوگا اور ستائیس سے اس کی تصحیح ہوگی۔

تشریح: مصنف رحمہ اللہ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حقیقی یا باپ شریک بہنوں کو دادا کے ساتھ فرض کے بجائے عصبہ قرار دیتے ہیں، البتہ ایک صورت ایسی ہے جس میں حقیقی یا علاتی بہنوں کو ذوالفرض بھی تسلیم کرتے ہیں جسے مسئلہ اکدریہ سے موسوم کیا جاتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ قبیلہء اکدریہ کی ایک عورت نے اپنے ورثاء میں درج ذیل ورثاء چھوڑے۔

مثال: مسئلہ ۶ تعول الی ۹×۳/ ۲۷

میت

شوہر	ماں	دادا	بہن
۳	۲	۱	۳
۹	۶	۳	۹
		۸	۴

اس صورت میں نصف، ثلث اور سدس کے مجتمع ہونے کی وجہ سے اصل مسئلہ ۶ سے ہوا شوہر کو نصف ۳، ماں کو تہائی ۲ اور دادا کو چھٹا یعنی ایک دینے کے بعد بہن کے لیئے کچھ بھی نہیں بچتا لیکن چونکہ یہاں بہن کے لیئے کوئی حاجب نہیں لہذا اصل مسئلہ ۶ پر بہن کے حصے ۳ بڑھا کر ۹ تک عول کیا گیا، اب ۹ سے دادا کو ایک اور بہن کو ۳ ملے پھر اس کا اور دادا کا حصہ جمع کیا تو ۴ ہوئے، یہاں چونکہ دادا بھائی کے قائمقام ہے جو دو بہنوں کے برابر لیتا ہے لہذا ﴿لِلذّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْن﴾ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، لیکن یہ ۴ مذکورہ قانون کے مطابق ان کے درمیان پورے تقسیم نہیں ہو رہے، اب جیسا کہ دادا کو دو بہنیں فرض کیا جا چکا ہے اس لیئے یہ تیسری بہن کے ساتھ مل کر گویا تین بہنیں ہوگئیں سوان کے عدد روس ۳ اور ان کے

سہام (حصوں) یعنی ۴ میں نسبت دیکھی تو تباین کی ہے، لہٰذا ان کے عدد رؤس ۳ کو مخرج مسئلہ ۹ میں ضرب دینے سے ۲۷ حاصل ہوئے، ۲۷ سے شوہر کو ۹، ماں کو ۶، دادا کو ۳ اور جبکہ بہن کو ۹ دیئے گئے، پھر دادا اور بہن کے حصوں کو جمع کیا تو ۱۲ ہوئے جوان کے درمیان ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْن﴾ کے مطابق تقسیم کرنے سے دادا کو ۸ اور بہن کو ۴ ملے۔

یادرہے حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ابتداءً تو بہن کو فرض بنایا لیکن بعد میں عصبہ کردیا تا کہ دادا کا حصہ کم نہ ہو نیز اس صورت میں دادا کے لیئے مقاسمۃ سدس اور مابقی ثلث سے زیادہ بہتر ثابت ہوا سو عمل بھی اسی پر کیا گیا۔

وَسُمِّيَتْ اكدريةٌ لانّها واقعةُ امراةٍ مِنْ بَنِي اكْدَرٍ وَقَالَ بعضُهُمْ سُمّيتْ اكدريةٌ لانّها كدرتْ عَلى زيدِ بنِ ثابتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عنهُ مذهبَهٗ

ترجمہ: اور اس مسئلہ کا نام اکدریہ اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ قبیلہ اکدریہ کی ایک عورت کا واقعہ ہے اور بعضوں کا یہ کہنا ہے کہ اس کا اکدریہ نام اس لئے ہے کہ اس مسئلے نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر ان کے مذہب کو مکدر کردیا ہے۔

تشریح: مسئلہ اکدریہ کی وجہ تسمیہ میں مختلف آرائیں پائی جاتی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

اولاً: قبیلہء بنی اکدریہ کی ایک عورت گزشتہ صورت میں درج ورثاء چھوڑ کر انتقال کر گئی جس کی وجہ سے اس مسئلہ کو اکدریہ سے موسوم کیا گیا۔

ثانیاً: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ کا مذہب خود ان پر مشتبہ نظر آرہا ہے بایں طور کہ ایک طرف تو آپ رضی اللہ عنہ حقیقی یا علاتی بہنوں کو ذوالفرض نہیں مانتے اور نہ ہی عول کو تسلیم کرتے ہیں اسی طرح اگر بہنوں کے لیئے کچھ نہ بچے تو انہیں ساقط کر دیتے ہیں پھر دوسری طرف آپ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں نہ صرف بہنوں کو ذوالفرض تسلیم کیا ہے بلکہ دادا کے ساتھ انہیں عصبہ بھی بنایا ہے اور مسئلہ کا عول بھی کیا ہے۔

ثالثاً: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بنی اکدریہ کا ایک شخص علم الفرائض میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مذہب کو اچھا سمجھتا تھا، ایک دن خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اس سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو اس نے جواب درست نہیں دیا تب سے اس مسئلہ کو اس کے قبیلے اکدریہ کی جانب منسوب کیا جانے لگا، نیز یہ مسئلہ اہل عراق کے درمیان مسئلۃ الغراء کے نام سے مشہور ہے جبکہ اہل مدینہ اس کو ام الفروخ سے یاد کرتے ہیں[1]

[1] شریفیہ شرح سراجیہ، ص ۹۰

ولو كانَ مكانَ الأختِ اخٌ أو أختان فَلا عَولَ وَلاَ اكدرية۔

ترجمہ: اور اگر بہن کے بجائے بھائی یا دو بہنیں ہوں تو نہ عول ہوگا اور نہ ہی اکدریہ ہوگا۔

تشریح: اگر گزشتہ مسئلہ میں بجائے ایک بہن کے بھائی یا دو بہنیں ہوتیں تو نہ عول کی ضرورت محسوس ہوتی اور نہ ہی اکدریہ ہوتا جیسے:۔

مثال: مسئلہ۶

میت

شوہر	ماں	دادا	بھائی (حقیقی یا علاتی)
۳	۲	۱	م

اس صورت میں شوہر، ماں اور دادا کے حصوں کے بعد کوئی زائد حصہ نہیں ہے لہذا بھائی محروم ہوا۔

مثال: مسئلہ۶ تصــ۱۲

میت

شوہر	ماں	دادا	بہنیں۲
۳ / ۶	۱ / ۲	۱ / ۲	۱ / ۲

اس صورت میں بہنیں موجود ہیں چنانچہ ماں کو ثلث کے بجائے سدس ملا مسئلہ نصف اور سدس کے جمع ہونے کی وجہ سے ۶ سے ہوا، شوہر کے لیئے نصف، ماں اور دادا کے لیئے ایک ایک سدس اور ایک بہنوں کو ملا، ایک، دو بہنوں پر پورا تقسیم نہیں ہو رہا، لہذا ان کے عدد روس ۲ کو اصل مسئلہ ۶ میں ضرب دینے سے ۱۲ ہوئے جن میں سے ہر ایک کو اپنا پورا حصہ دے دیا گیا، چنانچہ نہ عول کی حاجت ہوئی اور نہ ہی اکدریہ ہوا۔

مسئلہ: متبنی (کسی بچے کو لے پالک) بنانا اسلام میں کچھ اصل نہیں رکھتا اور نہ ہی وہ وارث ہوتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادعوهم لآبائهم هو اقسط عند الله فان لم تعلموا آبائهم فاخوانكم فى الدين ومواليكم (۵/۳۳)﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہیں انکے باپ ہی کا کہہ کر پکارو، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ٹھیک ہے پھر اگر تمہیں انکے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچازاد ہیں۔ (فتاوی رضویہ، کتاب الفرائض، ج۲۶، ص۳۳۱)

باب المناسخة

وَلَوْ صَارَ بعضُ الأنصباءِ ميراثًا قبلَ القِسمةِ كزوجٍ وبنتٍ وأمٍّ فماتَ الزّوجُ قبلَ القِسمةِ عَنِ امْرَأةٍ وأبوينِ ثُمّ ماتَتِ البِنْتُ عَنِ ابْنَيْنِ وبنتٍ وجدّةٍ ماتَتِ الجدّةُ عَنْ زَوْجٍ وَأخوَيْنِ فَالأصْلُ فيْهِ أنْ تُصَحّحَ مسئلةُ الميتِ الأوّلِ وتعْطٰى سِهامُ كلّ وارثٍ مِنَ التّصْحِيح ثُمّ تُصَحّحَ مسئلةُ الميتِ الثّاني وَيُنْظُرُ بينَ مَا فِى يدِهٖ مِنَ التّصْحِيْحِ الأوّل وَبينَ التّصْحِيْحِ الثّاني ثَلاثةُ أحْوال فإنِ اسْتَقَامَ مَا فِى يدِهٖ مِنَ التّصْحِيْحِ الأوّلِ عَلَى الثّانِى فَلاحَاجَةَ إلَى الضّرْبِ وَإنْ لّمْ يَسْتَقِمْ فَانْظُرْ إنْ كَانَ بَيْنَهُما موافقةٌ فَاضْرِبْ وفقَ التّصْحِيْحِ الثّانِى فِى التّصْحِيْحِ الأوّلِ وَإنْ كَانَ بينهُما مباينةٌ فاضْرِبْ كلّ التّصْحِيْحِ الثّاني فِى كُلّ التّصْحِيْحِ الأوّل فَالْمَبْلغُ مخرجُ الْمَسْئَلَتَيْنِ فسِهامُ ورثةِ الميتِ الأوّل تُضْرَبُ فِى الْمَضْرُوْبِ أعْنِى فِى التّصْحِيْحِ أوْ فِى وفقِهٖ وسهامُ ورثةِ المَيّتِ الثّاني تُضْرَبُ فِى كُلّ مَا فِى يدِهٖ أوْ فِى وفقِهٖ وَإنْ مّاتَ ثالثٌ أو رابعٌ أو خامسٌ فاجْعَلِ المبلغَ مقامَ الأولٰى وَالثّالثةُ مقامَ الثّانيةِ فِى الْعَمَلِ ثُمّ فِى الرّابعةِ وَالخامسَةِ كذٰلِكَ إلى غَيْرِ النّهَايَةِ۔

ترجمہ: اگر تقسیم ترکہ سے پہلے ہی بعض حصے، میراث ہو جائیں جیسے ورثاء میں شوہر، بیٹی اور ماں ہوں پھر قبل از تقسیم شوہر بیوی اور والدین چھوڑ کر مر گیا، پھر بیٹی دو بیٹے، ایک لڑکی اور ایک جدہ چھوڑ کر مرگئی پھر جدہ شوہر اور دو بھائی چھوڑ کر مرگئی تو اس صورت میں قاعدہ یہ ہے کہ پہلے تو میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے اور اسی تصحیح سے ہر وارث کا حصہ دیا جائے پھر میت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے پھر میت ثانی کے مافی یدہ یعنی جو کچھ اسے تصحیح اول سے ملا ہے اس کے درمیان اور تصحیح ثانی کے درمیان نظر کی جائے تو تین حالتیں ہوں گی چنانچہ اگر تصحیح اول کا مافی الید تصحیح ثانی پر پورا پورا تقسیم ہو جائے تو ضرب کی چنداں حاجت نہیں، اور اگر مافی یدہ تصحیح ثانی پر پورا پورا تقسیم نہ ہو تو غور کرنا چاہے کہ اگر دونوں کے درمیان نسبت توافق ہو تو تصحیح ثانی کے وفق کو تصحیح اول میں ضرب دینی چاہیئے چنانچہ حاصل ضرب دونوں مسئلوں کا مخرج ہوگا پھر میت اول کے ورثاء کے حصوں کو مضروب یعنی تصحیح ثانی یا اس کے وفق میں ضرب دی جائے اور میت ثانی کے ورثاء کے حصوں کو مافی الید کے کل یا اس کے وفق میں ضرب دے دی جائے اور اگر تیسرا یا چوتھا یا پانچوں وارث مرجائے تو حاصل ضرب کو میت اول کے قائم مقام اور تیسری کو دوسری کے قائم مقام عمل میں بناؤ پھر چوتھے اور پانچوے میں بھی اسی طرح غیر متناہی تک عمل کرنا چاہیئے۔

تشریح: مناسخہ نسخ سے ماخوذ ہے جس کا لغوی معنیٰ ہے ''ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا'' یا ''پھیرنا'' اور اہل فرائض کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ ابھی میت اول کا ترکہ ورثاء پر تقسیم نہ ہوا ہو کہ کوئی وارث مرجائے اور اسکے حصے کا مال

اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے، ایسی صورت میں سب سے پہلے میت اول کی تصحیح کی جائے گی اور ہر وارث کے حصے انہیں دے دیئے جائیں گے، پھر میت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کر کے اس کے ہر وارث کو حصہ دیا جائے گا بعدازاں میت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح اور اس کے مافی الید کے درمیان غور کیا جائے کہ ان میں نسبت تماثل ہے یا توفق یا تباین ہے، اگر تماثل ہے تو ضرب کی کوئی حاجت نہیں ہے، اور اگر میت ثانی کی تصحیح اور مافی الید کے مابین نسبت توافق ہو تو تصحیح ثانی کے عدد وفق کو تصحیح اول کے کل میں ضرب دی جائے گی، اب حاصل ضرب کو دونوں کی تصحیح شمار کیا جائے گا، اور اگر دونوں کے درمیان نسبت تباین ہو تو تصحیح ثانی کے کل کو تصحیح اول کے کل میں ضرب دے دی جائیگی، اب حاصل ضرب دونوں مسئلوں کا مخرج ہوگا۔

اس طرح اگر مافی الید اور تصحیح ثانی کے درمیان نسبت تداخل ہو تو چھوٹے عدد کو کسی سے ضرب نہیں دی جائے گی بلکہ بڑے عدد کے وفق سے ضرب دی جائے گی، بعدازاں میت اول کے ورثاء کے حصوں کو تصحیح ثانی کے کل یا اس کے وفق میں ضرب دی جائے اور میت ثانی کے ورثاء کے حصوں کو مافی الید کے کل یا اس کے وفق میں ضرب دی جائے گی اس طریقے پر ہر وارث کا حصہ اصل مسئلہ مخرج سے نکل آئیگا، پھر آگے جتنے ورثاء مرتے جائیں گے سب میں یہی اصول جاری ہونگے صرف اتنا خیال رکھنا ہے کہ پہلی اور دوسری تصحیح کا مبلغ پہلے مسئلہ کی تصحیح کے قائمقام ہوگا اور تیسرا دوسری تصحیح کے، وعلی ہذا القیاس۔

اس کی ایک جامع مثال جس میں تینوں نسبتیں یعنی تماثل، توافق اور تباین مجتمع ہوں علامہ سجاوندی رحمہ اللہ یوں دیتے ہیں کہ ایک عورت شوہر، بیٹی اور ماں چھوڑ کر مرگئی پھر شوہر تقسیم ترکہ سے پہلے بیوی اور والدین چھوڑ کر مرگیا پھر بیٹی دو بیٹے اور ایک بیٹی اور نانی چھوڑ کر مرگئی پھر نانی بھی شوہر اور دو بھائی چھوڑ کر رخصت ہوگئی غور کیا تو اس میں میت ثانی کی تقسیم اور مافی الید کے مابین نسبت تماثل ہے اور میت ثالث میں توافق اور جبکہ میت رابع میں نسبت یباین ہے جس کی صورت یہ ہے۔

مثال: مسئلہ بالرد ۱۲۸/۴×۳۲/۲×۱۶/۴×۴

میتہ

شوہر	بیٹی	ماں
حامد	کریمہ	عظیمہ
۱/۴	۳/۹	۱/۳/۶
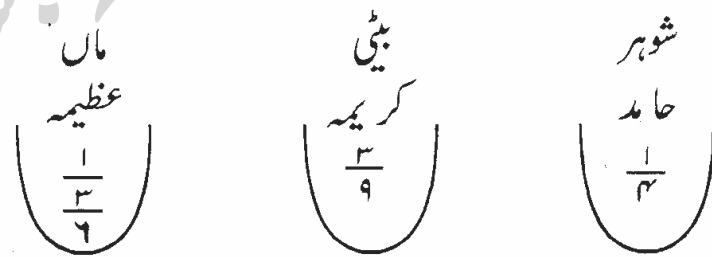
مثال: مسئلہ ۴ — تماثل — حامد

میتہ

بیوی	باپ	ماں
حلیمہ	عمرو	رحیمہ
۱/۲/۸	۲/۴/۱۶	۱/۲/۸

مثال: مسئلہ ۲/۶ میتہ — توافق بالثلث — کریمہ ۳/۹ مف

بیٹی	بیٹا	بیٹا	نانی
رقیہ	خالد	عبداللہ	عظیمہ
۱/۳/۱۲	۲/۶/۲۴	۲/۶/۲۴	۱/۳

مثال: مسئلہ ۲×۲/۴ میتہ — تباین — عظیمہ ۹ مف

شوہر	بھائی	بھائی
عبدالرحمٰن	عبدالرحیم	عبدالکریم
۱/۲/۱۸	۱/۹	۱/۹

المبلغ ۱۲۸

الاحیـــــــــاء

حلیمہ	عمرو	رحیمہ	رقیہ	خالد	عبداللہ	عبدالرحمٰن	عبدالرحیم	عبدالکریم
۸	۱۶	۸	۱۲	۲۴	۲۴	۱۸	۹	۹

صورت مذکورہ میں میت اول کا مسئلہ رد یہ ہے کیونکہ ربع نصف اور سدس کی اجتماع کی وجہ سے مسئلہ ۱۲ سے ہوا جس سے شوہر کو ربع یعنی ۳، بیٹی کو نصف یعنی ۶ اور ماں کو سدس یعنی ۲ دیئے تو یہ کل ۱۱ ہوئے ایک پھر بھی بچ گیا چنانچہ رد کی ضرورت پیش آئی تو اب شوہر کے اقل مخرج ۴ سے مسئلہ بنا کر شوہر کو ایک دیا اور بیٹی اور ماں کے حصے ۴ تھے اور یہاں کل ۳ باقی بچے تو ۴ کو ۴ میں ضرب دی تو ۱۶ حاصل ہوئے، ۱۶ میں سے ۴ شوہر کو، ۹ بیٹی کو اور ۳ ماں کو دیئے، اب زید یعنی شوہر انتقال کر گیا اس کے ورثاء پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ مسئلہ کی تصحیح ۴ سے ہوگی اور جبکہ ادھر اس کا اپنا حصہ یعنی مافی الید بھی ۴ ہی ہے لہذا دونوں میں نسبت تماثل ہے تو اب ضرب کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ ۴ اس کے ورثاء پر پورے تقسیم ہو گئے، پھر بیٹی یعنی کریمہ چل بسی جس کے ورثاء کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مسئلہ ۶ سے بنتا ہے اور خود کریمہ کے ہاتھ میں پہلے مسئلہ سے ۹ ملے ہیں تو ۶ اور ۹ میں سے نسبت توافق بالثلث ہے کیونکہ ۹ اور ۶ دونوں کو ۳ فنا کر دیتا ہے لہذا ۶ کا وفق ۲ ہوا اور ۹ کا وفق ۳ حاصل ہوا، اب ۶ کے وفق ۲ کو پہلے مسئلے کے عدد ۱۶ میں ضرب دی تو بتیس ۳۲ حاصل ہوئے اس بتیس ۳۲ میں سے پہلے مسئلہ میں ماں کے حصے کو ۲ سے ضرب دی تو ۶ حاصل ہوئے پھر دوسرے مسئلے میں بھی بیوی اور ماں باپ کے حصوں کو ۲ سے ضرب دی تو بیوی کو ۲ اور ماں کو بھی

۲ حاصل ہوئے جبکہ باپ کو ۴ ملے اس کے بعد تیسرے مسئلے کے ورثاء کے حصوں کو خود میت یعنی کریمہ کے مافی الید یعنی ۹ کے وفق ۳ سے ضرب دی تو بیٹی کو ۳ اور دونوں بیٹوں کو بارہ اور جبکہ نانی کو تین حاصل ہوئے، پھر جب ان تمام حصوں کو جمع کیا تو وہی ۳۲ ہو گئے .اس کے بعد نانی بھی شوہر اور دو بھائی چھوڑ کر راہیء ملک عدم ہوئی ۔ مسئلہ ۲ سے ہوا ایک شوہر کو ملا اور ایک دو بھائیوں کو لیکن چونکہ ایک دو بھائیوں پر تقسیم نہیں ہو رہا تھا اس لیئے عدد روٴس یعنی ۲ کو اصل مسئلہ میں ضرب دی تو ۴ حاصل ہوئے اب ۴ اور نانی کے مافی الید ۹ میں نسبت تباین ہے لہذا ۴ کو ۳۲ میں ضرب دینے سے ۱۲۸ حاصل ہوئے پھر اسی ۴ کو اوپر کے تینوں مسئلوں کے ورثاء کے حصوں میں ضرب دی تو ہر ایک کے حصے نکل آئے اور نانی کے مافی الید کے عدد ۹ کو نانی کے ورثاء کے حصوں کے ساتھ ضرب دی تو شوہر کو ۱۸ اور دونوں بھائیوں کو بھی ۱۸ ملے، پھر جب چاروں مسئلوں کے کل حصوں کو جمع کیا تو وہی ۱۲۸ حاصل ہوئے۔

چند فوائد:

۱۔ اگر میت ثانی کے ورثاء بعینہ وہی ہیں جو میت اول کے تھے اور تقسیم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا تو ایک ہی مرتبہ تقسیم کافی ہوگی، کیونکہ تکرار بے کار ہے مثلا: ایک شخص دو بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑ کر مرا اب تقسیم ترکہ سے پہلے ایک بیٹی انتقال کر گئی اور اسکا کوئی وارث سوائے حقیقی بھائی بہنوں کے کوئی اور نہیں ہے تو اب ظاہر ہے کہ انکے درمیان ترکہ ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ ﴾ کی بنیاد پر تقسیم کیا جائیگا اور اس طرح انکے حصوں میں تقسیم کے اعتبار سے کچھ فرق نہ ہوگا لہذا بجائے اس کے کہ ہم دوبارہ الگ سے مسئلہ کی تصحیح کریں ہم نے شروع سے مال اس طرح تقسیم کیا کہ مرنے والی بیٹی کو بالکل ساقط کر دیا اور اس کی صورت یوں بنائی۔

مثال: مسئلہ ۶

میت

بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
۲	۲	۱	۱

گویا اب بیٹیاں بجائے تین کے دو ہی ہیں اور مرنے والی بیٹی کا ترکہ از خود اس کے بھائیوں اور بہنوں پر تقسیم ہو گیا۔

۲۔ مناسخہ کے مسئلہ لکھنے کی ترکیب یہ ہے کہ لفظ میت لمبا کر کے اس کی الٹی جانب کونے پر میت کا نام لکھ دیا جاتا ہے اور سیدھی جانب وہ عدد لکھ دیا جاتا ہے جس سے یہ مسئلہ بنا ہے، پھر میت کے نام کی الٹی طرف جو کچھ اس کو پہلے مسئلے سے ملا ہے اس کا عدد لکھ کر اگر مذکر ہے تو مافی یدہ اور اگر موٴنث ہے تو مافی یدھا لکھ دیا جاتا ہے اور کبھی ''مف'' کی علامت سے بھی اس کا اظہار کیا جاتا ہے نیز اصل مسئلہ اور مافی یدہ کے مابین جو نسبت ہوتی ہے اس کو درمیان میں لکھ دیا جاتا ہے جیسے بینہما تماثل،

تداخل، تباین یا بینهما توافق بالنصف وغیرہ اور تصحیح کو تصح منہ یا صرف ''ص'' کی علامت سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔

۳۔ ضرب صرف انہی ورثاء کے حصوں میں دی جائے گی جو زندہ ہیں اور جو مردہ ہیں انکو ایک گول دائرے میں محصور کردیا جاتا ہے تاکہ ضرب دیتے وقت غلطی کا امکان نہ رہے۔

۴۔ اختتام عمل پر لفظ الاحیاء المبلغ لکھ کر جو زندہ وارث ہوں ان کے مجموعی حصے لکھ دیئے جاتے ہیں، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کئی بطون سے مختلف حصے پاتا ہے مثلاً: عظیم نے بطن اول سے ۲، بطن ثانی سے ۴ اور بطن ثالث سے ٦ حصے پائے تو اب الاحیاء کے نیچے اس کا نام لکھ کر ۱۲ لکھ دیا جائے گا، اس طرح عمل مناسخہ تکمیل کو پہنچے گا۔

❀❀❀

مشق

درج ذیل مناسخہ کی صورتوں کو حل کریں۔

۱۔ ایک شخص انتقال کرگیا جو اپنے ورثاء میں دولڑکے عرفان اور اسلم چھوڑ گیا، پھر عرفان کا انتقال ہوا اور اس نے ایک بیوی مسماۃ شریفہ اور دولڑکیاں شگفتہ وشازیہ اور ایک بھائی اسلم چھوڑے پھر اسلم کا انتقال ہوا انہوں نے ایک بیوی مسماۃ حمیدہ اور دولڑکے طارق اور عظیم اور ایک لڑکی مسماۃ صغری ورثاء میں چھوڑے پھر مسماۃ حمیدہ کا انتقال ہوا اس نے ایک لڑکی صغری اور باپ سعید اللہ اور ایک بھائی حبیب اللہ اور تین بہنیں نصیبہ، وزیرہ، کریمہ چھوڑے، بتایئے ان کے درمیان تقسیم ترکہ کس طرح ہوگا؟

۲۔ ایک شخص انتقال کرگیا جس کے ورثاء میں بیوی، باپ، دوبیٹے اور ایک بیٹی ہیں، پھر باپ کا انتقال ہوگیا ورثاء میں دوپوتے اور ایک پوتی ہے۔ پھر ایک بیٹے کا انتقال ہوگیا اور سوگواروں میں ایک بیوی، بیٹا، بھائی اور بہن چھوڑے؟

۳۔ ایک عورت انتقال کرگئی، ورثاء میں شوہر، باپ، ماں، بیٹی، دوبھائی چھوڑے۔ پھر شوہر انتقال کرگیا، ورثاء میں بیٹی، ایک علاتی بھائی، دوحقیقی بھائی، ایک حقیقی بہن چھوڑے۔ پھر باپ انتقال کرگیا، ورثاء میں بیوی، پوتی اور دوبیٹے چھوڑے؟

۴۔ ایک شخص انتقال کرگیا، ورثاء میں دوبیویاں، تین بیٹیاں، چچا۔ پھر ایک بیوی انتقال کرگئی جسکے ورثاء میں دوبیٹیاں باپ، بھائی ہیں۔ پھر ایک بیٹی انتقال کرگئی جسکے ورثاء میں خاوند، سوتیلی ماں، حقیقی بہن، علاتی بہن موجود ہیں؟

باب ذوی الارحام

ذُوالرَّحِمِ هُوَ كُلّ قَرِيبٍ لَيْسَ بِذِي سَهْمٍ وَلَا عصبةً وَكَانَتْ عامّةُ الصَّحَابَة رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ يَرَوْنَ تَوْرِيثَ ذَوِي الأَرْحَامِ وَبِهِ قَالَ أَصْحَابُنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَا مِيْرَاثَ لِذَوِي الأَرْحَامِ وَيُوْضَعُ الْمَالُ فِي بَيْتِ الْمَالِ وَبِهِ قَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِي رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى

ترجمہ: ذی رحم ہر وہ رشتہ دار ہے جو نہ تو صاحب فرض ہو اور نہ ہی عصبہ اور صحابہ کرام کی اکثریت ذوی الارحام کے وارث ہونے کے قائل ہیں اور ہمارے علمائے احناف بھی اسی کے قائل ہیں، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ ذوی الارحام کے لئے میراث میں کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ مال بیت المال میں جمع کیا جائے گا اور اسی کے قائل امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ ہیں۔

تشریح: ذوی الارحام ذورحم کی جمع ہے رحم دراصل عورت کے پیٹ کا وہ حصہ ہے جہاں بچہ رہتا ہے پھر ان لوگوں کو ذوی الارحام کہا جانے لگا جو ایک ہی رحم سے پیدا ہوں اور ان سے رشتہ داری ہو، علامہ طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذوی الارحام مطلقاً رشتہ داروں کو بھی کہتے ہیں خواہ ان سے کسی بھی قسم کی رشتہ داری ہو جبکہ اصطلاح فرائض میں ذورحم ہر وہ رشتہ دار ہے جو نہ ذوی الفرائض سے ہو اور نہ ہی عصبات میں سے ہو۔

ذوی الارحام کے وارث ہونے اور نہ ہونے کے متعلق مذاہب اور ان کے مابین اختلاف کا بیان متن کے ترجمہ سے واضح ہے، چونکہ صاحب سراجی حضرت علامہ عبدالرشید سجاوندی رحمہ اللہ حنفی ہیں اس لیئے یہاں علمائے احناف کے مذہب کے مطابق ذوی الارحام کی تشریح وتوضیح بیان کررہے ہیں۔

وَذُو الأَرْحَامِ أَصْنَافٌ أَرْبَعَةٌ الصِّنْفُ الأَوَّلُ يَنْتَهِي اِلَى الْمَيِّتِ وَهُمْ أَوْلَادُ الْبَنَاتِ وَأَوْلَادُ بَنَاتِ الإِبْنِ وَالصِّنْفُ الثَّانِي يَنْتَهِي اِلَيْهِمُ الْمَيِّتُ وَهُمُ الأَجْدَادُ السَّاقِطُوْنَ وَالْجَدَّاتُ السَّاقِطَاتُ وَالصِّنْفُ الثَّالِثُ يَنْتَهِي اِلٰى أَبَوَيِ الْمَيِّتِ وَهُمْ أَوْلَادُ الأَخَوَاتِ وَبَنَاتُ الإِخْوَةِ وَبَنُو الإِخْوَةِ لأُمٍّ وَالصِّنْفُ الرَّابِعُ يَنْتَهِي اِلٰى جَدَّيِ الْمَيِّتِ أَوْ جَدَّتَيْهِ وَهُمُ الْعَمَّاتُ وَالأَعْمَامُ لأُمٍّ وَالأَخْوَالُ وَالْخَالَاتُ فَهٰؤُلَآءِ وَكُلُّ مَنْ يَدْلِي بِهِمْ مِنْ ذَوِي الأَرْحَامِ

ترجمہ: اور ذوی الارحام کی چار اقسام ہیں پہلی قسم ان رشتہ داروں کی ہے جو میت کی جانب منسوب ہیں اور یہ میت کی نواسیاں اور پوتیوں کی اولاد ہیں اور دوسری قسم ان رشتہ داروں کی ہے جن کی جانب میت خود منسوب ہوتا ہے اور یہ وہ اجداد وجدات

ہیں جو اصحاب فرائض کی وجہ سے محروم ہوتے ہیں، تیسری قسم ان رشتہ داروں کی ہے جو میت کے والدین کی جانب منسوب ہیں اور یہ سگے بھانجے اور بھانجیاں اور سگی بھتیجیاں ہیں اور خیفی بھتیجے ہیں، اور چوتھی قسم میں وہ رشتہ دار داخل ہیں جو دادا، نانا، دادی، نانی کی جانب منسوب ہوتے ہیں اور یہ پھوپیاں، خیفی چچے، ماموں اور خالائیں ہیں سو یہ سب کے سب اور ہر وہ لوگ جو ان مذکورہ رشتہ داروں کے ذریعے میت کی جانب منسوب ہوتے ہوں سب ذوی الارحام سے ہیں۔

تشریح: علمائے فرائض نے عصبات کی طرح ذوی الارحام کی بھی چار اقسام بیان فرمائی ہیں جیسا کہ مصنف فرماتے ہیں:

قسم اول میں وہ ورثاء شامل ہیں جو میت کی جانب منسوب کیئے جاتے ہیں ان کے بھی دو گروہ ہیں اولاً بیٹیوں کی اولاد نیچے تک خواہ مذکر ہو یا مؤنث جیسے نواسے، نواسیاں دوسرے گروہ میں پوتیوں کی اولاد شامل ہے خواہ مذکر ہوں یا مؤنث جیسے پوتی کے بیٹے، بیٹیاں نیچے تک۔ اسی طرح قسم ثانی میں وہ اقرباء داخل ہیں میت جن کی جانب خود منسوب ہوتا ہے اور یہ اجداد فاسد اور جدات فاسدہ ہیں جن کی تعریف پہلے گزر چکی ہے چونکہ یہ ذوی الفرائض اور عصبات کے ہوتے ہوئے میراث پانے سے محروم ہوتے ہیں اس لیئے متن میں انکے ساتھ ساقط اور ساقطات کا اضافہ کیا گیا۔ اور قسم ثالث میں وہ لوگ ہیں جو میت کے ماں باپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں ان میں پانچ قسم کے لوگ ہیں اولاً سگی بہنوں کی اولاد نیچے تک خواہ مذکر ہو یا مؤنث، ثانیاً علاتی بہنوں کی اولاد نیچے تک چاہے مذکر ہو یا مؤنث، ثالثاً سگے بھائیوں کی صرف مؤنث اولاد، رابعاً علاتی بھائیوں کی بھی صرف مؤنث اولاد، خامساً اخیافی بھائی بہن کی اولاد نیچے تک مذکر ہو یا مؤنث۔

اسی طرح قسم رابع میں ایسے رشتہ دار داخل ہیں جو میت کے دادا، دادی، نانا، نانی کی جانب منسوب ہوتے ہیں اور یہ پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں ہیں یہ سب خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا پھر خیفی ہوں اسی طرح خیفی چچا بھی ان میں شامل ہے یاد رہے یہاں چچا کے ساتھ اخیافی کی قید اس لیئے لگائی گی کہ حقیقی اور علاتی چچا عصبات میں داخل ہیں، اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ یہ چاروں اقسام ہوں یا وہ تمام لوگ جو ان کے ذریعے سے میت کے رشتہ دار بنتے ہوں سب کے سب ذوی الارحام میں داخل ہیں۔

فائدہ: مذکورہ چاروں اقسام اور ان کے وسیلے سے میت کی جانب منسوب ذوی الارحام کی کل چودہ اقسام بنتی ہیں۔

رَوٰى أَبُـوسُـلَيمَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بنِ الحَسنِ عَنْ أَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنّ أَقْرَبَ الأَصْنَافِ الصِّنَفُ الثَّانِى ثُمّ الأَوّلُ وَاِنْ سَفلُوا ثُمّ الثّالِثُ وَاِنْ نَزَلُوا ثُمّ الرّابِعُ وَاِنْ بَعُدُوا

ترجمہ: اور ابو سلیمان نے محمد بن حسن اور انھوں نے امام اعظم رحمہم اللہ سے روایت کیا ہے کہ ذوی الارحام کی مذکورہ چاروں

اقسام میں سے سب سے زیادہ قریب ترقسم ثانی ہے اگر چہ اوپر کے درجے کے ہوں اس کے بعد قسم اول ہے اگر چہ نیچے درجے کے ہوں پھر قسم ثالث ہے اگر چہ یہ بھی نیچے کے ہی ہوں پھر قسم رابع ہے اگر چہ دور کے ہوں۔

تشریح: جب میت کے ورثاء میں ذوی الارحام کی چاروں اقسام جمع ہو جائے تو وارث کس کو بنایا جائے اس میں مصنف نے امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم رحمہ اللہ سے دو روایات نقل کی ہیں ایک روایت حضرت ابوسلیمان سے منقول ہے جو انہوں نے امام محمد بن حسن کے ذریعے امام اعظم سے روایت کی ہے کہ ذوی الارحام کی چاروں اقسام میں سے قسم ثانی اگر چہ اوپر درجہ کے ہوں یعنی وہ اجداد فاسدہ جن کا تعلق ذوی الفرائض اور عصبات سے نہ ہو میت کے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں چنانچہ ان کے ہوتے ہوئے باقی محروم ہو جائیں گے، یہ نہ ہوں تو قسم اول وارث بنیں گے اگر چہ نیچے درجہ کے ہوں جیسے بیٹیوں اور پوتیوں کی اولاد، ان کے بعد قسم ثالث حقدار ہوں گے یہ بھی چاہے کتنا ہی نیچے درجے سے تعلق رکھتے ہوں اور یہ بہنوں کی اولاد ہے، ان سب کے بعد قسم رابع ہے جس میں دادا، دادی۔ نانا، نانی کے وہ رشتہ دار داخل ہیں جو نہ تو فرائض میں سے ہیں اور نہ ہی عصبات میں سے، ان سب کی تفصیلات پہلے گزر چکی ہے۔

وَ رَوٰی أَبُـو یُوسفَ وَالحَسنُ بنُ زِیَادٍ عَنْ أَبِی حَنِیفةَ وَابنُ سَماعَة عَنْ مُحَمّدٍ بنِ الحَسَنِ عَن أَبِی حنِیفةَ رَحِـمَهُـمُ اللّٰهُ تَعَالی اِنّ أَقرَبَ الأَصْنَافِ الصِنفُ الأوّل ثُمّ الثّانِی ثُمّ الثّالثُ ثُمّ الرّابعُ کتَرتِیبِ العَصَبَاتِ وَهُوَ الْمَاخُوذُ بِهِ وَعِندَهُمَا الصِنفُ الثّالثُ مقدّمٌ عَلَی الجَدّ ابِ الأمّ لأنّ عندهُمَا کُلّ واحدٍ مّنهُم أُولٰی مِنْ فَرْعِهٖ وَفَرعُهٗ وَاِنْ سفُلَ أوْلی مِنْ أَصلِهٖ۔

ترجمہ: امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد امام اعظم سے روایت کرتے ہیں اسی طرح ابن سماعہ امام محمد سے اور وہ امام اعظم سے روایت کرتے ہیں کہ چاروں اقسام میں سے میت کے زیادہ قریب ترقسم اول ہے پھر ثانی پھر ثالث پھر رابع ہے جیسا کہ عصبات کی ترتیب میں ہوتا ہے اور یہی قول فتویٰ کے لئے اختیار کیا گیا ہے، اور صاحبین کے نزدیک قسم ثالث جد فاسد (نانا) پر مقدم ہے کیونکہ ان دونوں کے نزدیک ان میں سے ہر ایک اپنی فرع سے اولیٰ ہے اور اس نانا کی فرع اگر چہ نیچے درجے کی ہو اپنی اصل سے اولیٰ ہے۔

تشریح: متن کی مذکورہ روایت کے مطابق ذوی الارحام کی ترتیب بعینہ وہی ہے جو عصبات کی ہے یعنی میت کے زیادہ قریب ترقسم اول ہے پھر ثانی پھر ثالث اور پھر رابع ہے، صاحب سراجی نے بھی اسی کو وهو الماخوذ کہہ کر ترجیح دی ہے اور ردالمختار میں علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "هذا ظاهر الرواية وعليه الفتوی "[1] چنانچہ احناف کا اسی پر عمل ہے۔ البتہ صاحبین کے نزدیک قسم ثالث ثانی پر مقدم ہے کیونکہ قسم ثالث کا ہر فرد اپنی فرع سے اولیٰ ہوتا ہے جبکہ اسکے

[1] ردالمختار، باب توریث ذوی الارحام، ج ١٠، ص ٥٧٦

برعکس قسم ثانی کی فرع اپنی اصل سے اولیٰ ہوتی ہے۔

فائدہ: سراجی کے مروجہ نسخوں میں لان عندھما سے صاحبین کے اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ سراجی کے قدیم نسخوں میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے چنانچہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فھی ملحقات بعض الطلبة القاصرين لا من** كلام الشيخ ولهذا لم توجد في النسخ القديمة [1] "یعنی یہ اختلافی عبارت مصنف علامہ سجاوندی رحمہ اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ بعض قاصر طلباء کی جانب سے الحاق ہے چنانچہ یہ عبارت قدیم نسخوں میں موجود نہیں ہے" لیکن اس کے باوجود خود سید السادات نے اس عبارت کو اپنی شرح میں درج کر کے توجیح وتوضیح بیان کی ہے۔

فصل في الصنف الاول

أَوّلُهُمْ بِالْمِيرَاثِ أَقْرَبُهُمْ إِلَى الْمَيِّتِ كبِنْتِ البِنْتِ فَمِنْهَا أَوْلَى مِن بنتِ بنتِ الِابْنِ وَإِنِ اسْتَوَوْا فِي الدَّرَجَةِ فَوَلَدُ الوَارِث أَوْلَى مِنْ وَلَدِ ذَوِي الأرحامِ كبنتِ بنتِ الابْنِ فمِنْها أَوْلَى مِن ابنِ بنتِ البنتِ وَإِن استَوَتْ درجاتُهُمْ وَلَمْ يَكُنْ فِيهِمْ ولدُ الوَارِثِ أَوْ كَانَ كلّهُمْ يُدْلَوْنَ بِوارِثٍ فعِنْدَ أَبِي يُوسفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى وَالحسنُ بنُ زيادٍ يعتبرُ ابدانَ الفُرُوعِ ويُقْسَمُ المالُ عَلَيْهِمْ سواءٌ اتفقتْ صفةُ الأُصُولِ فِي الذّكُورةِ وَالأنُوثَةِ أو اختَلفتْ ومُحَمّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالى يعتَبِرُ ابدانَ الفُرُوعِ إن اتّفَقَتْ صِفَةُ الأُصُولِ مُوَافِقًا لَهُمَا

ترجمہ: ذوی الارحام کی قسم اول میں سے میراث پانے کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جو میت کا قریب تر ہے۔ مثلاً: نواسی، پوتی کی بیٹی سے زیادہ اولیٰ ہے اور اگر یہ سب ایک ہی درجے کے ہوں تو وارث کی اولاد ذوی الارحام کی اولاد سے زیادہ مستحق ہے مثلاً: پوتی کی بیٹی نواسی کے بیٹے سے اولیٰ ہے اور اگر ان ذوی الارحام کا درجہ ایک ہی ہو اور ان میں کوئی وارث کی اولاد نہ ہو یا سب کے سب کے ایک ہی وارث کے ذریعے منسوب ہوں تو امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد رحمہما اللہ کے نزدیک ابدان فروع کا اعتبار ہوگا اور ان پر مالِ میت برابر تقسیم ہوگا چاہے ان کے اصول مرد وعورت ہونے میں متفق ہوں یا مختلف اور امام محمد بھی ان بزرگوں کے موافق ابدان فروع کا اعتبار کرتے ہیں بشرطیکہ صفت اصول مرد وعورت ہونے میں متفق ہو۔

تشریح: مصنف ذوی الارحام کی تعریف، تقسیم اور ترتیب کے بعد یہاں سے ہر ایک قسم کی تفصیل بیان کر رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ ذوی الارحام کی قسم اول میں عصبہ کے قانون الاقرب فالاقرب کی طرح یہاں بھی وہی وراثت کا مستحق ہوگا جو میت کا سب سے زیادہ قریب تر ہوگا جیسے نواسی، پوتی کی بیٹی سے زیادہ میت کے قریب ہے کیونکہ نواسی پوتی کی

[1] شریفیہ شرح سراجیہ ص ۹۹

بیٹی سے ایک درجہ کے فرق سے قریب ہے، لہذا پوتی کی بیٹی محروم ہو جائے گی، اور اگر قریب ہونے میں سب برابر ہوں تو ان میں سے جو وارث یعنی ذوالفرض یا عصبہ کی اولاد ہو وہ ذوالرحم کی اولاد سے زیادہ مستحق ہے جیسے پوتی کی بیٹی کے ہوتے ہوئے نواسی کا بیٹا محروم ہوگا کیونکہ پوتی کی بیٹی ذوالفرض کی بیٹی ہے اور نواسی کا بیٹا ذوالرحم کا بیٹا ہے، اور اگر قریب ہونے میں تو سب برابر ہوں لیکن ان میں سے کوئی وارث کی اولاد نہ ہو یا پھر سب کے سب وارث کی اولاد ہوں تو مال سب میں برابر تقسیم کیا جائے گا جبکہ تمام ذوی الارحام مرد ہوں یا تمام عورتیں ہوں اور اگر کچھ مرد ہوں اور کچھ عورتیں ہوں تو ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ ﴾ کے مطابق تقسیم ہوگا، اس بات پر ہمارے ائمہ یعنی امام ابو یوسف، حسن بن زیاد اور امام محمد رحمہم اللہ کا اتفاق ہے جبکہ ان کے ذوی الارحام کے آباء وامہات ذکورۃ وانوثۃ کی صفت میں متفق ہوں مثلاً:۔

مثال: مسئلہ ۳

میت

نواسہ	نواسی
۲	۱

صورت مذکورہ میں صفت اصول متفق ہے یعنی دونوں بیٹی کی اولاد ہیں سو مال کی تقسیم باعتبار ابدان ہوگی یعنی نواسہ مرد ہونے کی وجہ سے دوگنا لے گا۔

وَيَعْتَبِرُ الأُصُولَ إِنِ اخْتَلَفَتْ صِفَاتُهُم وَيُعْطِي الفُرُوعَ مِيرَاثَ الأُصُولِ مُخَالِفًا لَهُمَا كَمَا إِذَا تَرَكَ ابنَ بِنتٍ وَبِنتَ بِنتٍ عِندَهُمَا يَكُونُ المَالُ بَينَهُمَا لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ بِاعتِبَارِ الأَبْدَانِ وَعِندَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ كَذَالِكَ لِأَنَّ صِفَةَ الأُصُولِ مُتَّفِقَةٌ وَلَو تَرَكَ بِنتَ ابنِ بِنتٍ وَابنَ بِنتِ بِنتٍ عِندَهُمَا المَالُ بَينَ الفُرُوعِ أَثلاثًا بِاعتِبَارِ الأَبْدَانِ ثُلُثَاهُ لِلذَّكَرِ وَثُلُثُهُ لِلأُنثَى وَعِندَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ المَالُ بَينَ الأُصُولِ أَعْنِي فِي البَطنِ الثَّانِي أَثلاثًا ثُلُثَاهُ لِبِنتِ ابنِ البِنتِ نَصِيبُ أَبِيهَا وَثُلُثُهُ لابنِ بِنتِ البِنتِ نَصِيبُ أُمِّهِ

ترجمہ: اور امام محمد اصول کا اعتبار کرتے ہیں جب ذوی الارحام کی صفت اصول مختلف ہوں اور امام ابو یوسف وحسن کے برخلاف اصول کی میراث فروع کو دیتے ہیں جیسا کہ کسی میت نے ورثاء میں ایک نواسا اور ایک نواسی چھوڑے ہوں امام ابو یوسف وحسن کے نزدیک ان دونوں میں مال باعتبار ابدان ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ ﴾ کے قانون موجب تقسیم ہوگا اور امام محمد کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے اس لئے کہ صفت اصول متفق ہے اور اگر میت نے ورثاء میں نواسے کی بیٹی اور نواسے کا بیٹا چھوڑے تو دونوں بزرگوں کے نزدیک کل مال فروع یعنی نواسے کی بیٹی اور نواسی کے بیٹے کے درمیان باعتبار ابدان تین ثلث ہوکر تقسیم ہوگا جن میں سے دو تہائی مذکر کے لئے ہے اور ایک تہائی مونث کے لئے ہے جبکہ امام محمد کے نزدیک کل مال اصول کے درمیان یعنی بطن ثانی میں تین تہائی ہوکر تقسیم ہوگا جن میں سے دو تہائی نواسے کی بیٹی کو اس کے باپ یعنی نواسے کا

حصہ حاصل ہوگا اور ایک تہائی نواسی کے بیٹے کو اس کی ماں یعنی نواسی کا حصہ حاصل ہوگا۔

تشریح: اور اگر اصول کی صفات ذکورت وانوثت کے اعتبار سے مختلف ہوں تو امام ابو یوسف اور امام حسن بن زیاد کے نزدیک ابدان فروع کا اعتبار ہوگا، اور مال ان کے درمیان برابر تقسیم ہوگا بشرطیکہ وہ سب مرد ہوں یا سب عورتیں ہوں اور اگر ملے جلے ہوں تو ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْن ﴾ کے مطابق تقسیم ہوگا۔ ثمرہ اختلاف درج ذیل مثال سے واضح ہے۔

مثال: مسئلہ ۳ عند ابی یوسف والحسن رحمہما اللہ

میت

بطن اول	بیٹی	بیٹی
بطن دوم	بیٹا	بیٹی - اصول
بطن سوم	بیٹی	بیٹا - فروع
	۱	۲

مذکورہ صورت میں امامین نے تیسرے بطن کو مدنظر رکھتے ہوئے ابدان فروع پر تین حصے ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْن ﴾ کے مطابق تقسیم کیئے ہیں۔

جبکہ امام محمد اصول یعنی دوسرے بطن میں ذکورت اور انوثت (مرد و عورت) کے اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے تقسیم کررہے ہیں چنانچہ بیٹے کو دو اور بیٹی کو ایک حصہ دیا پھر ان کی فروع یعنی اولاد کو بھی یہی حصے منتقل کیے۔

مثال: مسئلہ ۳ عند امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ

میت

بطن اول	بیٹی	بیٹی
بطن دوم	بیٹا	بیٹی - اصول
بطن سوم	بیٹی	بیٹا - فروع
	۲	۱

فائدہ: ذوی الارحام کے بارے میں امام اسبیجابی نے مبسوط میں فرمایا کہ امام ابو یوسف کا قول اصح ہے کیونکہ وہ سہل تر ہے صاحب محیط کا بیان ہے کہ بخارا کے مشائخ نے ان مسائل میں امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔[1]

وَكَذَالِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى اِذَا كَانَ فِي أَوْلَادِ الْبَنَاتِ بطونٌ مختلفةٌ يُقْسَمُ المالُ على أَوَّلِ بَطْنٍ اخْتُلِفَ فِي الأُصُولِ ثُمَّ يُجْعَلُ الذُّكورُ طائفةً والإناثُ طائفةً بعدَ القِسْمةِ فَمَا أَصَابَ الذُّكورَ

[1] عالمگیریہ ج ۶، ص ۵۰۸

يُجْمَعُ وَيُقْسَمُ عَلى أَعْلَى الخِلافِ الَّذِىْ وَقَعَ فِى أَوْلادِهِمْ وَكَذَالِكَ مَا أَصَابَ الإِنَاثَ وَهٰكَذَا يُعْمَلُ اِلٰى يَنْتَهِى بِهٰذِهِ الصُّورَةِ۔

مسئلہ ۱۵ × ۴ تصـــ ۶۰ المضروب ۴

میت

بطن اول	بنت.بنت.بنت.بنت.بنت.بنت.بنت.بنت.بنت	ابن . ابن . ابن
	۳۶	۲۴
بطن ثانی	بنت.بنت.بنت.بنت.بنت.بنت.بنت.بنت.بنت	بنت.بنت.بنت
	۳۶	۲۴
بطن ثالث	بنت.بنت.بنت.بنت.بنت.بنت. ابن . ابن . ابن	بنت.بنت .ابن
	۱۸ ۱۸	۱۲ ۱۲
بطن رابع	بنت.بنت.بنت.ابن . ابن . ابن. بنت.بنت. ابن	بنت.بنت.بنت
	۶ ۱۲ ۔ ۹ ۹	۱۲ ۱۲
بطن خامس	بنت.بنت.ابن. بنت . بنت.ابن.بنت.بنت. بنت	بنت.ابن. بنت
	۳ ۳ ۶ ۶ ۹ ۹	۴ ۸ ۱۲
بطن سادس	بنت.ابن.بنت. ابن . بنت.بنت.ابن.بنت.بنت	بنت.بنت.بنت
	۱ ۲ ۳ ۴ ۲ ۶ ۶ ۳ ۹	۴ ۸ ۱۲

ترجمہ: اوراسی طرح امام محمد کے نزدیک جب اولاد بنات مختلف بطون پر مشتمل ہوتو ترکہ اس بطن اول پر تقسیم کیا جائے گا جس کے اصول مختلف ہوں۔ پھر تقسیم ترکہ کے بعد مردوں کا علیحدہ گروپ بنایا جائے گا اور عورتوں کا علیحدہ، اب جو ترکہ مردوں کو پہنچا ہے اسے جمع کیا جائے گا اور تقسیم کیا جائے گا اس اعلیٰ بطن پر جس میں مرد یا عورت کا اختلاف واقع ہوا ہے اوراسی طرح اس ترکہ کو بھی تقسیم کیا جائے گا جو عورتوں کو پہنچا ہے اور یونہی سلسلہ آگے چلاتے رہنا چاہئے یہاں تک کہ منتہی ہو جائے اس صورت کی طرح۔

تشریح: صورت مذکورہ میں کل چھ بطون ہیں جن میں سے صرف چھٹے بطن کے ورثاء زندہ ہیں بقیہ تمام بطون کے ورثاء انتقال کر چکے ہیں، چھٹے بطن کے ورثاء میں نو عورتیں اور تین مرد ہیں، امام ابو یوسف کے نزدیک چونکہ فروع کے اختلاف کا اعتبار ہوتا ہے چنانچہ آپ نے اس آخری بطن کے ورثاء میں ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے ضابطے کے مطابق مردوں کو دو، دو اور عورتوں کو ایک، ایک حصہ دیا لہذا مسئلہ کی تصحیح ۱۵ سے ہوئی جس کی صورت یہ ہے۔

مثال: مسئلہ ۱۵

میت

بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۱	۲	۱	۲	۱	۱	۲	۱	۱	۱	۱	۱

اور چونکہ امام محمد رحمہ اللہ ابدان فروع کے بجائے اصول کی ذکورۃ وانوثۃ کا اعتبار کرتے ہیں چنانچہ آپ کے نزدیک سب سے پہلے بطن اول پر نظر ڈالی جائے گی، جہاں مذکر ومونث کا اختلاف موجود ہے یعنی بطن اول میں نو عورتیں اور تین مرد ہیں جن میں سے ہر عورت کو ایک ایک جبکہ ہر مرد کو دو، دو حاصل ہوئے لہذا یہ مسئلہ ۱۵ سے بنا بعد ازاں مردوں اور عورتوں کا الگ الگ گروپ بنا کر ہر ایک کے نیچے خط کھینچ دیا گیا، پھر مذکر گروپ کے نیچے دوسرے بطن میں نظر کی تو تین بیٹیاں تھیں یعنی کوئی اختلاف نہ تھا سو، ان پر تقسیم کا عمل جاری نہ ہوا پھر مذکر گروپ کے نیچے بطن ثالث میں دیکھا تو وہاں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں یعنی اختلاف پایا گیا لہذا ان میں ان کے مورثین کے ۶ حصوں کو تقسیم کیا گیا، بیٹے کو ۳ اور دو بیٹیوں کو بھی ۳ ملے، اب پھر ان کے نیچے بطن رابع میں نظر دوڑائی تو بیٹے کے نیچے بطن رابع وخامس اور سادس میں ایک، ایک بیٹی ہے یعنی اختلاف نہیں لہذا بیٹے کا حصہ ان کی طرف منتقل کرتے ہوئے بطن سادس کی بیٹی کو دیا گیا، اسی طرح بطن ثالث کی دو بیٹیوں کے نیچے بھی بطن رابع میں صرف بیٹیاں ہیں یعنی اختلاف نہیں البتہ بطن خامس میں ان کے نیچے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے لہذا ان کے ۳ حصے ان میں تقسیم کیئے گئے تو بیٹے کو دو جبکہ بیٹی کو ایک حاصل ہوا اور یہی حصے ان کے بطن سادس میں موجود ورثاء کو ملیں گے، یہاں بطن اول کے مذکر گروپ کی تقسیم ختم ہوگئی، اب مونث گروپ کی طرف نظر کی تو نو عورتوں کو ۹ حصے ملے تھے جن کو تقسیم کرنے کے لیئے بطن ثانی میں نظر کی تو مذکر ومونث کا اختلاف موجود نہیں ہے اس لیئے تیسرے بطن کی جانب نظر دوڑائی تو ان کے مقابل چھ بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں اور یہ بات طئے ہے کہ ہر بیٹا دو بیٹیوں کے برابر ہوتا ہے، لہذا اب گویا کہ یہ کل ۱۲ رؤس ہوئے جن پر ۹ حصے تقسیم کرنے ہیں، نسبت دیکھی تو ۹ اور ۱۲ میں توافق بالثلث ہے، اس لیئے ۱۲ کے ثلث ۴ کو اصل مسئلہ یعنی ۱۵ میں ضرب دے دی گی تو ۶۰ حاصل ہوئے اب اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔

شروع میں مذکر گروپ کو ۱۵ میں سے ۶ حاصل ہوئے اب ان ۶ کو المضروب ۴ میں ضرب دی تو ۲۴ حاصل ہوئے پھر ان ۲۴ کو بطن ثانی چھوڑ کر بطن ثالث میں مذکر گروپ کے بالمقابل ایک بیٹے اور دو بیٹیوں پر تقسیم کیا تو بیٹے کو ۱۲ حاصل ہوئے اور یہی حصہ اس کے نیچے بطن رابع، خامس میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے بطن سادس کے وارث کو منتقل کر دیا گیا اور ادھر باقی ۱۲ دو بیٹیوں کو حاصل ہوئے جو بطن خامس میں اختلاف ہونے کی بنا پر بیٹے کو ۸ اور بیٹی کو ۴ کر کے دے دئے گئے اور یہی حصے بطن سادس میں ان کے وارثاء کو منتقل کر دے گئے۔

اور دوسری جانب مؤنث گروپ کو ۹ حصے حاصل ہوئے تھے جن کو المضروب ۴ میں ضرب دینے سے ۳۶ حاصل ہوئے بطن ثانی میں اختلاف نہیں جبکہ بطن ثالث مختلف فیہ ہے جس میں ۳ بیٹے اور ۶ بیٹیاں ہیں اور یہ بات تو طئے ہے کہ ۳ بیٹے ۶ بیٹیوں کے برابر ہیں اس لیئے ۳۶ کا نصف یعنی ۱۸ بیٹوں کو اور بقیہ ۱۸ بیٹیوں کو دے دیئے گئے پھر بطن ثالث کے الگ الگ گروپ

بنانے کے بعد مذکر گروپ کے نیچے دیکھا تو بطن رابع میں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں موجود تھیں اس لیئے ۱۸ کا نصف ۹ بیٹے کو دیکر یہی حصہ بطن خامس میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ کر بطن سادس میں اس کی بیٹی کو منتقل کیا گیا، اور دونوں بیٹیوں کے حصے ان کے نیچے بطن خامس میں بھی اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ کر بطن سادس میں ان کے دو وارثوں یعنی بیٹے اور بیٹی میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کے مطابق تقسیم کیئے گئے یعنی ۹ میں سے ٦ بیٹے کو اور ۳ بیٹی کو حاصل ہوئے، بعد ازاں بطن ثالث کی طرف ایک مرتبہ پھر مونث گروپ کی چھ عورتوں کی جانب نظر کی جن کو ۱۸ حصے ملے تھے جنہیں تقسیم کرنے کے لیئے بطن رابع میں ان کے مقابل تین بیٹیوں اور تین بیٹوں کو ملاحظہ کیا گیا تو تین بیٹیوں کو ۱۸ میں سے ٦ ملے جبکہ تین بیٹوں کو ۱۲ دے کر ان کے الگ الگ گروپ بنادے گئے، چنانچہ بطن خامس میں مذکر گروپ کے بالمقابل ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں اب ۱۲ کا نصف ٦ بیٹے کو دئے جو بطن سادس میں اس کی وارث بیٹی کو مل گئے اور باقی ماندہ ٦ دو بیٹیوں کو ملے جو بطن سادس میں ان کے وارثوں کو مل گئے یعنی ۴ بیٹے کو اور دو بیٹی کو، بعد ازاں ایک مرتبہ پھر بطن رابع کے مونث گروپ کو طرف توجہ کی جہاں تین بیٹیوں کو ٦ حصے ملے تھے ان کے بالمقابل بطن خامس میں دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے، چنانچہ ٦ کا نصف ۳ بیٹے کو حاصل ہوئے جو اس کے بطن سادس میں موجود وارث بیٹی کو مل گئے اور بقیہ ٦ کا نصف ۳ دو بیٹیوں کو ملے جو بطن سادس میں موجود ان کے ورثاء یعنی ایک بیٹے اور دو بیٹی کو قانون الٰہی عزوجل کے مطابق تقسیم کر کے انہیں دے دیئے گئے یعنی بیٹے کو ۲ اور بیٹی کو ایک حصہ دے دیا گیا۔

وَكَذَالِكَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالى يَاخُذُ الصِفَةَ مِنَ الأَصلِ حَالَ القِسْمَةِ عليهِ والعدَدُ مِن الفُرُوع كما اِذا تَرَكَ ابنَى بنتِ بنتِ بنتٍ وبنتَ ابنِ بنتِ بنتٍ وبنتَى بنتِ ابنِ بنتٍ بهٰذهِ الصّورةِ۔

مسئله ۷ تصـ ۲۸ — المضروب ۴

میت

بطن اول	بنت	بنت	بنت
بطن ثانی	بنت	بنت	ابن
بطن ثالث	بنت	ابن	بنت
بطن رابع	ابنی	بنت	بنتی
	٦	٦	١٦

عِنْدَ أبى يُوسفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالى يُقسَم المالُ بينَ الفُروُع اسباعًا باعتِبَارِ أَبْدانِهِم وعِنْدَ محمدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالى يُقسَم المالُ عَلى أعلى الخِلافِ أعْنِى فِى البَطنِ الثّانى أسباعًا باعتِبَارِ عددِ الفُروع فِى الأُصُول أَرْبعةَ أَسْبَاعِهِ لِبنتَى بنتِ ابنِ البنتِ نصيبُ جدّهِمَا وثلثةَ أَسْبَاعِهِ وهُوَ نصيبُ البِنْتَينِ يُقْسَم عَلى وَلَدَيهِمَا أعْنِى فِى البَطنِ الثّالثِ اِنْصافًا نصفُه لبنتِ ابنِ بنتِ البنتِ نصيبُ أبيُها والنّصفُ الآخرُ

لِابنَی بنتِ بنتِ البنتِ نصیبُ أمّہِمَا وتَصِحّ المسئلةُ مِن ثمانیةٍ وّعشرِیْن وقولُ محمّدٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالی أشْهَرُ الرّوایتَیْن عَنْ أبی حنِیْفةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالی فِی جمِیعِ ذَوِی الأرْحَامِ وعلیْہِ الفَتْوٰی۔

ترجمہ: اوراسی طرح امام محمد رحمہ اللہ اصل کی صفت یعنی مذکر ومؤنث کا اعتبار کرتے ہیں اصل پر تقسیم ترکہ کے وقت اور فرع کے عدد کا لحاظ کرتے ہیں مثلاً: میت نے ورثاء میں نواسی کے دونواسے اور نواسی کی ایک پوتی اور نواسے کی دونواسیاں چھوڑیں تو ایسی صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک کل مال فرع کے مابین باعتبار ابدان سات حصے کرکے تقسیم کیا جائے گا اور امام محمد کے نزدیک کل مال اعلی خلاف پر تقسیم کیا جائے گا یعنی بطن ثانی میں اصول کے اندر عدد فروع کے اعتبار سے سات حصے کرکے تقسیم کیا جائے گا جن میں سے چار حصے میت کے نواسے کی دونوں نواسیوں کے لئے ہے جو کہ ان کے نانا کا حصہ ہے اور ان سات حصوں میں سے تین حصے دونوں کے لئے ہے جو ان دونوں کی اولاد پر تقسیم کیا جائے گا یعنی بطن ثالث میں نصف نصف تقسیم ہوگا چنانچہ ان تینوں حصوں کا نصف یعنی ڈیڑھ میت کی نواسی کی پوتی کا ہے جو کہ اس کے باپ کا حصہ ہے اور جبکہ دوسرا نصف یعنی ڈیڑھ نواسی کے دونوں نواسوں کو ملے گا جو کہ ان دونوں کی ماں کا حصہ ہے اور مسئلہ اٹھائیس سے صحیح ہوگا اور جمیع ذوی الارحام کے بارے میں امام محمد کا وہ قول ان دونوں روایتوں میں سے زیادہ مشہور ہے جو امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

تشریح: فاضل مصنف یہاں سے امام محمد کے ایک اصول کی توضیح بیان کررہے ہیں کہ اگر کسی مسئلہ میں اصل ایک ہی ہو اور اس کی اولا د یعنی فروع میں تعدد ہو تو آپ صفت اصول یعنی ذکورت وانوثت کو ثابت رکھتے ہوئے فروع سے عدد لیتے ہیں، یعنی اگر اصل بیٹا ہے اور اس کی اولاد میں دو بیٹے یا دو بیٹیاں ہیں تو اصل کو دو بیٹے فرض کرتے ہیں اور اگر اصل میں بیٹی ہے تو اسے دو بیٹیاں فرض کرتے ہیں جیسا کہ متن کی مثال سے واضح ہے۔

نقشۂ متن میں تین بیٹیاں ہیں اور ان کی اولاد در اولاد موجود ہے البتہ ان میں صرف بطن رابع ہی کے افراد زندہ ہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صرف بطن رابع میں ہی ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ کے مطابق کل مال سات حصے ہو کر تقسیم ہوگا، جن میں سے دو، دو حصے دو بیٹوں کو اور ایک، ایک حصہ تین بیٹیوں کو ملے گا۔

اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ان کے قانون کے مطابق جس بطن میں سب سے پہلے مذکر ومؤنث کا اختلاف واقع ہے تقسیم کی ابتداء وہیں سے ہوگی، چنانچہ صورت مذکورہ میں یہ اختلاف بطن ثانی میں موجود ہے، اس بطن میں ایک بیٹی ایسی ہے جس کے فروع میں یعنی بطن رابع میں دو بیٹے ہیں اسی طرح بطن ثانی میں دوسری بھی بیٹی ہے جس کے فروع یعنی بطن رابع میں ایک بیٹی موجود ہے ایسے ہی بطن ثانی میں ایک بیٹا ہے جس کے فروع یعنی بطن رابع میں دو بیٹیاں موجود ہیں، اب امام محمد کے قانون موجب بطن ثانی کی پہلی بیٹی کے فروع میں چونکہ دو بیٹے ہیں لہذا اس بیٹی کو دو بیٹیاں فرض کیا گیا اور اسی طرح بطن ثانی

کی دوسری بیٹی کے نیچے فروع میں صرف ایک بیٹی ہے تو اسے ایک بیٹی فرض کیا گیا، البتہ بطن ثانی کے ایک بیٹے کے فروع میں چونکہ دو بیٹیاں ہیں لہذا اسے بھی دو بیٹے فرض کیا گیا، اب گویا کہ تین بیٹیاں اور دو بیٹے وارث ہیں اور یہ دو بیٹے چار بیٹیوں کے برابر ہیں یعنی سات بیٹیاں ہوگئیں تو مسئلہ بھی ۷ ہی سے تصحیح پائے گا، جن میں سے بطن ثانی کے بیٹے کو چار حصے ملیں گے جو کہ اس کے فروع کی جانب منتقل کیئے جائیں گے اور بطن ثانی کی بقیہ دو بیٹیوں کا الگ گروپ بنا کر انہیں ۷ میں سے ۳ حصے دیئے جائیں گے پھر یہی حصے ان کے فروع کی جانب نصف، نصف کر کے منتقل کیئے جائیں گے یعنی بطن ثالث میں موجود ایک بیٹی اور ایک بیٹے کو ملتے ہیں پھر ان کے حصے ان کی بطن رابع میں موجود اولاد کی طرف منتقل کرتے ہیں، لیکن چونکہ بطن ثالث میں پہلے ایک بیٹی ہے جو دو بیٹیوں کے برابر ہے اور ایک بیٹا ہے یہ بھی دو بیٹیوں کے برابر ہے یعنی کل چار بیٹیاں ہیں اور حصے ۳ ہیں جو ان پر پورے تقسیم نہیں ہو پا رہے چنانچہ ۴ اور ۳ میں نسبت دیکھی تو تباین معلوم ہوئی لہذا ان کے عدد رؤس ۴ کو تصحیح کے عدد ۷ میں ضرب دی تو ۲۸ حاصل ہوئے گویا کہ المضر وب ۴ ہوئے اور مسئلہ ۲۸ سے تصحیح ہوا، بعد ازاں ایک مرتبہ پھر بطن ثانی کی طرف نظر کی جہاں ایک بیٹے کو ۴ حصے ملے تھے اور دو بیٹیوں کو ۳ حصے ملے تھے اب المضر وب ۴ کو بیٹے کے حصے ۴ میں ضرب دی تو ۱۶ حاصل ہوئے جو کہ اس کی اولاد یعنی بطن رابع میں موجود دو بیٹیوں کے مابین نصف، نصف کر کے تقسیم کیئے گئے، اسی طرح المضر وب ۴ کو دونوں بیٹیوں کے حصے ۳ میں ضرب دی تو ۱۲ حاصل ہوئے جو کہ بطن ثالث میں موجود ان کی اولاد یعنی ایک بیٹی کو ۶ اور ایک بیٹے کو ۶ ملے بعد ازاں ان کے یہ حصے بطن رابع میں موجود ان کی اولاد کی جانب منتقل کر دیئے گئے، اس پورے عمل کے بعد جب سب کے حصے جمع کیئے تو ۱۲۸ پورے ہوئے جیسا کہ متن کے نقشہ سے واضح ہے۔

فصل

عُلماؤُنا رَحِمَهُم اللّٰهُ تَعالی یَعْتَبِرُوْنَ الجِهاتِ فِي التّوریْثِ غَیرَ أنّ أبا یُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعالی یَعْتَبرُ الجِهاتِ فِي أبْدانِ الفُرُوعِ ومحمّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعالی یَعْتَبِرُ الجِهاتِ فِي الأُصُولِ کَمَا إذَا تَرَكَ بنتَيْ بنتِ بنتٍ وهُمَا أیْضًا بنتَا ابنِ بنتٍ وابْنُ بنتِ بنتٍ بهٰذِهِ الصُّوْرَةِ۔

مسئلہ ۳ عند امام ابی یوسف، و ۷×۴/۲۸ عند امام محمد

میت

بطن اول	بنت	بنت	بنت
بطن ثانی	بنت	ابن	بنت
بطن ثالث	بنت بنت		ابن
عند امام ابی یوسف	۱ ۱		۱
عند امام محمد	۱۱ ۱۱		۶

عِنْدَ أبي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالى يَكُونُ المالُ بينَهُم أثلاثًا وصَارَ كانّه ترَكَ أربعَ بناتٍ وابنًا ثُلثَانِهِ للبِنْتَيَن وثلثُهُ للابنِ وعنْدَ محمّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالى يُقْسَم المالُ بينَهُم عَلى ثمانيةٍ وّعشْرِيْن سِهْمًا للبِنْتَيَن اثنَان وّعشْرُون سِهْمًا ستةَ عشرَ سِهْمًا مِنْ قِبَلِ أبِيْها وستةُ أسهُمٍ مِنْ قِبَلِ أمّهما وللابنِ ستةُ أسهُمٍ مِن قِبَلِ أمّه۔

ترجمہ: ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ ذوی الارحام کو وارث بنانے میں جہات کا اعتبار کرتے ہیں البتہ امام ابو یوسف ابدان فروع میں جہات کا اعتبار کرتے ہیں اور امام محمد اصول میں جہات کا اعتبار کرتے ہیں مثلاً: میت نے ایک نواسی کی دو بیٹیاں چھوڑیں اور یہی دونوں اس کے نواسے کی بھی بیٹیاں ہیں اسی طرح ایک اور نواسی کا بیٹا بھی چھوڑا ہے (متن میں مذکور صورت کے مطابق) امام ابو یوسف کے نزدیک کل مال ان ورثاء کے مابین تین حصے کر کے تقسیم کیا جائے گا اور یہ ایسا ہے گویا کہ میت نے چار بیٹیاں اور ایک بیٹا چھوڑا ہے۔ کل مال میں سے دو تہایاں بیٹیوں کے لئے اور ایک تہائی بیٹے کے لئے اور امام محمد کے نزدیک کل مال ان تمام ورثاء کے مابین اٹھائیس حصے کر کے تقسیم کئے جائیں گے جن میں سے بائیس حصے دونوں بیٹیوں کے لئے ہیں سولہ حصے ان کے باپ کی جانب سے ہیں اور چھ حصے ان کی ماں کی جانب سے ہیں اور چھ حصے بیٹے کو ملیں گے جو اس کی ماں کی جانب سے ہیں۔

تشریح: امام لائمہ امام اعظم علیہ رحمہ اور آپ کے تمام تلامذہ اس بات میں تو متفق ہیں کہ اگر ذوی الارحام کی قرابت میت کے ساتھ دو یا دو سے زیادہ جہات سے ہو تو ان کے لیئے وارثت میں دو یا زیادہ جہات کا اعتبار کیا جائے گا یعنی میت سے جتنی زیادہ جہات سے رشتہ داری ہوگی اس اعتبار سے انھیں حصہ دیا جائے گا البتہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ ابدان فروع میں جہات کا اعتبار کرتے ہیں جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ اصول میں جہات کا لحاظ کرتے ہیں جس کی مثال درجہ ذیل ہے۔

مسئلہ ۳ عند امام ابی یوسف رحمہ اللہ

میت

بطن اول	بیٹی	بیٹی	بیٹی
بطن ثانی	بیٹی	بیٹا	بیٹی
بطن ثالث	بیٹی بیٹی		بیٹا
	۱ ۱		۱
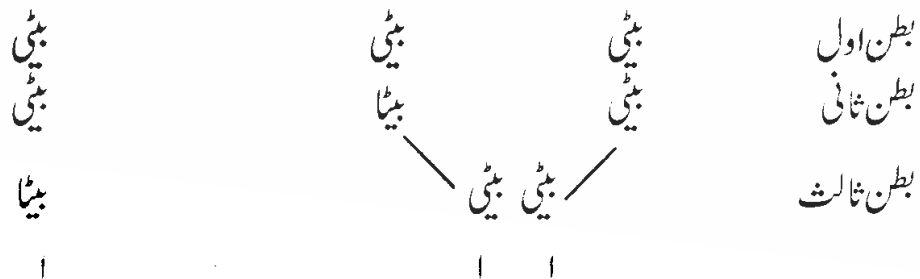
صورت مذکورہ میں میت کی ایک نواسی کا نکاح اسی کے دوسرے نواسے کیا گیا ہے جن سے دو بیٹیاں ہوئیں ہیں اسی

طرح میت کی تیسری نواسی سے ایک بیٹا ہے اب امام ابو یوسف کے قانون کے موجب یہاں گویا چار بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے کیونکہ بطن اول اور ثانی کے فروع میں دونوں بیٹیوں کو ماں کی جانب سے میت کے ساتھ رشتہ داری ہے اور باپ کی جانب سے بھی میت کے ساتھ رشتہ داری ہے یعنی قرابت کی دو جہتیں موجود ہیں البتہ بطن ثالث میں موجود ایک بیٹے کو صرف ماں کی جانب سے میت کے ساتھ رشتہ داری ہے یعنی ایک جہت سے قرابت ہے چنانچہ امام ابو یوسف کے نزدیک ابدان فروع کا اعتبار کرتے ہوئے دو بیٹیاں شمار کیا گیا اور چار بیٹیوں کو فرض کر کے ان کو دو تہائی دے دیا گیا جبکہ ایک تہائی ایک بیٹے کو دیا گیا یعنی مسئلہ ۳ سے ہوا دو حصے دو بیٹیوں کو اور ایک حصہ ایک بیٹے کو حاصل ہوا۔

مسئلہ ۷ تصـ ۲۸ عند امام محمد رحمہ اللہ — المضر و ب ۴

میت

بطن اول	بیٹی	بیٹی	بیٹی
بطن ثانی	بیٹی	بیٹا	بیٹی
بطن ثالث	بیٹی بیٹی		بیٹا
	۱۱ ۱۱		۶

اور امام محمد کے نزدیک چونکہ اصول میں جہات کا اعتبار ہوتا ہے۔ لہذا جس بطن میں مذکر و مؤنث کا اختلاف پایا جائے گا وہیں سے تقسیم کی ابتدا ہوگی۔ جیسا کہ صورت مذکورہ میں بطن ثانی میں اختلاف موجود ہے۔ جس میں ایک بیٹی ہے جو دو بیٹیوں کے برابر ہے اور ایک بیٹا ہے اور یہ بھی دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ اس لیئے کہ امام محمد کے ہاں اصل کی ذکورت وانوثت کے ساتھ فرع کی تعداد بھی دیکھی جاتی ہے چنانچہ یہاں بھی فرع میں دو بیٹیوں کے ہونے کی وجہ سے اصل کو بھی دو دو شمار کیا گیا البتہ تیسری بیٹی ایک ہی شمار ہوگی کیونکہ اس کی فرع میں صرف ایک بیٹا ہے تو گویا اب کل رؤس سات ہوئے یعنی ایک بیٹی دو بیٹیاں، ایک بیٹا چار بیٹیاں اور آخر میں ایک بیٹی ایک ہی شمار کئے گئے۔ چنانچہ مسئلہ بھی سات ہی سے ہوگا جن میں سے ۴ حصے بیٹے کو دیئے گئے جب کہ ۳ حصے دو بیٹیوں کو ملے اب یہی حصے بطن ثالث کے ورثاء کی جانب منتقل کرنے ہیں اور بطن ثالث میں دو بیٹیاں اور ایک بیٹا موجود ہیں اور یہ بیٹا دو بیٹیوں کے برابر ہے یعنی ۴ رؤس ہیں اور حصے تین ہیں جو پورے تقسیم نہیں ہو رہے، لہذا تین اور چار میں نسبت تباین پائی گئی ایسی صورت میں عدد رؤس ۴ کو اصل مسئلہ میں ضرب دی تو ۲۸ حاصل ہوئے بعد ازاں المضر و ب ۴ کو بطن ثانی میں دو بیٹیوں کو ملنے والے حصے ۳ سے ضرب دی تو ۱۲ حاصل ہوئے اور اسی طرح المضر و ب ۴ کو بطن ثانی میں موجود بیٹے کے حصے ۴ سے ضرب دی تو ۱۶ حاصل ہوئے اب بیٹیوں کے ۱۲ حصے بطن ثالث میں موجود ان کی اولاد میں تقسیم کیئے تو بیٹے کو ۶ حصے اور دونوں بیٹیوں کو بھی ۶ حاصل ہوئے یعنی ہر بیٹی کو ۳۔۳ حصے آئے اسی طرح بطن ثانی کے

بیٹے کی فرع میں بھی وہی دو بیٹیاں موجود ہیں سو اس کے ۱۶ حصے بھی ان میں نصفاً نصفاً کر کے دیئے گئے تو اب دونوں بیٹیوں میں سے ہر ایک کے کل ۱۱۔۱۱ حصے ہوئے جن میں سے ۳۔۳ ان کی ماں جانب سے جبکہ ۸۔۸ ان کے باپ کی جانب سے ہو گئے اور بطن ثالث میں موجود ایک بیٹے کو ۶ حصے حاصل ہوئے جو کہ صرف اس کی ماں کی جانب سے ہے جب تمام حصے جمع کیئے گئے تو ٹوٹل ۲۸ حصے ہوئے۔

فصل فی الصنف الثانی

أَوْلٰهُم بِالمِيراثِ أَقْرَبُهُم إِلَى المَيّت مِن أيّ جهةٍ كانَ وعِندَ الإِسْتِواءِ فَمَنْ كانَ يُدْلي بِوارثٍ فَهُوَ أَوْلى كأبِ أمّ الامِ مِن ابِ ابِ الأمّ عِندَ أبي سُهَيل الفَرائِضِي وأبي فضل الخَصاف وعَلي بنِ عيسٰى البَصَرِيّ وَلا تفضِيلَ لهُ عِندَ أبي سُلَيْمانَ الجُرجاني وأبي عَلِي البَسْتِي

ترجمہ: ان میں سے سب سے زیادہ میراث کا مستحق وہی ہے جو میت کے زیادہ قریب ہے چاہے کسی بھی جہت سے قریب ہو اور قرب میں مساوی ہونے کے وقت وہی اولی ہو گا جو میت کی طرف کسی وارث کے ذریعے منسوب ہو. جیسے نانی کا باپ زیادہ اولی ہے نانا کے باپ سے ابوسہل فرائضی، ابوفضل خصاب اور علی بن عیسٰی البصری کے نزدیک البتہ ابوسلیمان جرجانی اور ابوعلی البستی کے نزدیک ایسے وارث کو دوسروں پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

تشریح: ذوی الارحام کی دوسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جن کا میت خود جزو ہے یعنی جن کی اولاد میں میت خود ہے جیسے نانا یا ماں اور باپ کا نانا لہذا اگر میت کے ورثاء میں ذوی الارحام کی قسم اول کے وارث نہ ہوں تو قسم ثانی کے وارث بننے کے درج ذیل قواعد ہیں

۱۔ اگر ایک سے زیادہ وارث ہیں تو جو میت سے زیادہ قریب ہوگا وہی وارث ہوگا، خواہ وہ باپ کی جانب سے قریب ہو یا ماں کی جانب سے جیسے:۔

مثال: مسئلہ ۱

میت

نانا	نانی کا باپ	دادی کا باپ
۱	م	م

۲۔ اور اگر قرب رشتہ داری میں سب برابر ہوں تو ابوسہل، ابوالفضل اور علی بن عیسٰی کے نزدیک جو شخص کسی وارث کے واسطے سے میت کے ساتھ نسبت رکھتا ہو تو وہ زیادہ مستحق میراث ہے اس شخص سے جو غیر وارث کے واسطے سے منسوب ہو جیسے:۔

مثال: مسئلہ ۱

میت

نانا کا باپ	نانی کا باپ
م	ا

اس صورت میں نانی کے باپ کی رشتہ داری میت سے نانی کے واسطے سے ہے اور نانی ذوی الفروض میں سے ہے یعنی وارث ہے جبکہ نانا کے باپ کی رشتہ داری نانا کے واسطے سے ہے اور وہ ذوی الفروض میں سے نہیں یعنی وارث نہیں ہے اسی لیئے ابوسہل وغیرہ کے نزدیک نانی کا باپ وارث ہوگا اور نانا کا باپ محروم رہے گا۔

البتہ ابوسلیمان اور ابوعلی کے نزدیک نانی کا باپ اور نانا کا باپ ایک ہی درجے کے ہیں لہذا ان میں سے کسی کو فضیلت نہیں اس لیئے دونوں وارث ہونگے چنانچہ مال کے تین حصے کر کے ایک حصہ نانی کے باپ اور دو حصے نانا کے باپ کو دیئے جائیں گے۔

مثال: مسئلہ ۳

میت

نانا کا باپ	نانی کا باپ
۲	ا

فائدہ: اصح اور مفتی بہ قول ابوسلیمان اور ابوعلی کا ہے کمافی عالمگیریہ: وان استو وا فی القرب لم یکن الا دلاء بو ارث مو جباً للتقدیم فی الا صح لا ن سبب الا ستحقاق القرابة دون الا دلا ء بو ارث [1]

وَاِن اسْتَوَتْ مَنازِلُهُمْ وَلَيْسَ فِيهِم مَن يُدْلِي بوارِثٍ أو كانَ كُلُّهم يُدْلُون بوارِثٍ واتفقَتْ صفةُ مَن يُدْلُون بهِمْ واتَّحَدَتْ قرابَتُهم فالقسمةُ حِينَئِذٍ عَلى أبدانِهِم وانِ اخْتَلَفَتْ صفةُ مَن يُدْلُون بهِمْ يُقْسَمُ المالُ عَلى أوّل بطنٍ اختلَفَتْ كَمَا فِي الصّنفِ الأَوّلِ

ترجمہ: اور اگر یہ سب درجہ میں مساوی ہوں اور ان میں سے کوئی بھی کسی وارث کے بواسطہ میت سے منسوب نہ ہو یا سب کے سب کسی وارث کے واسطے سے منسوب ہوتے ہوں اور جن کے واسطے سے منسوب ہوتے ہوں وہ ذکورت وانوثت کی صفت میں متفق ہو اور وہ قرب رشتہ داری میں بھی متحد ہوں تو ایسی صورت میں تقسیم ترکہ ذوی الارحام کے ابدان پر ﴿ لِلذّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْن ﴾ کے مطابق ہوگی اور اگر جن کے ذریعے سے منسوب ہوتے ہوں ان کی صفت ذکورت وانوثت مختلف ہو تو سب سے پہلے جس بطن میں یہ اختلاف واقع ہوا ہے اسی پر ﴿ لِلذّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْن ﴾ کے مطابق مال میت تقسیم کیا

[1] عالمگیریہ، کتاب الفرائض، باب ذوی الارحام، ج ۶ ص ۵۰۹

جائے گا جیسا کہ ذوی الارحام کی قسم اول میں کیا ہے۔

تشریح: یہاں سے ذوی الارحام کی قسم ثانی کا تیسرہ قاعدہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر قسم ثانی کے تمام ورثاء درجہ میں برابر ہوں تو ترکہ ان کے مابین ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ﴾ کے مطابق ان کے ابدان پر تقسیم کیا جائے گا، مصنف نے اس کی چار شرائط ذکر کی ہیں:

۱۔ یہ سب درجے میں برابر ہوں۔

۲۔ ان میں سے کسی کی بھی نسبت میت کی طرف کسی وارث کے واسطے سے نہ ہو جیسے نانا کا باپ اور نانا کی ماں، ان میں نانا کے باپ کی رشتہ داری نانا کے واسطے ہے اور نانا ذوی الارحام میں سے ہے یہی رشتہ نانا کی ماں کا بھی ہے لہذا دونوں کی رشتہ داری وارث کے واسطے سے نہیں، یا پھر ان سب کی نسبت میت کی طرف وارث کے واسطے سے ہو جیسے دادی کا باپ اور نانی کا باپ ان میں دادی کے باپ کی رشتہ داری دادی کے ذریعے سے ہے اور دادی ذوی الفروض میں سے ہے اسی طرح نانی کے باپ کی رشتہ داری نانی کے ذریعے سے ہے اور یہ بھی ذوی الفروض سے ہے۔

۳۔ یہ سب میت سے رشتہ داری میں بھی متحد ہوں یعنی سب میت کے باپ کی جانب سے رشتہ دار ہوں جیسے دادی کا دادا اور دادی کی دادی یا پھر ان سب کی رشتہ داری ماں کی جانب سے ہو جیسے نانا کا باپ اور نانا کی ماں۔

۴۔ جن کے واسطے سے رشتہ داری ہے وہ ذکورت وانوثت کی صفت میں متفق ہوں جیسے مذکورہ شرط کی مثال میں ہے یعنی نانا کا باپ اور نانا کی ماں جب یہ تمام شرائط پوری ہونگی تو قسم ثانی کے ذوی الارحام کے درمیان ترکہ ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ﴾ کے مطابق ان پر تقسیم کیا جائیگا۔ اور اگر جن کے واسطے سے نسبت تھی ان کی ذکورت وانوثت کی صفت میں اختلاف ہے تو سب سے پہلے جہاں اختلاف پیدا ہوا ہے وہاں ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ﴾ قانون کے مطابق مذکروں کو دو حصے اور مؤنثوں کو ایک حصہ دیا جائے گا جیسا کی ذوی الارحام کی قسم اول میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

وَإِن اختَلَفتُ قرابَتُهُم فالثُلثَانِ لقرابةِ الأبِ وهُوَ نصيبُ الأبِ والثُلثُ لقَرابةِ الأمّ وهُوَ نصيب الأمّ ثُمّ مَا أَصَابَ لِكُلّ فريقٍ يُقسَم بينَهُم كمَا لَو اتّحَدَتْ قرابتُهُم۔

ترجمہ: اور اگر یہ رشتہ داری میں مختلف ہوں تو دو تہائی باپ کی طرف سے رشتہ داری رکھنے والے کے لئے ہے اور یہ باپ کا حصہ ہے اور ایک تہائی ماں کی طرف سے رشتہ داری رکھنے والے کے لئے ہے اور یہ ماں کا حصہ ہے پھر ہر فریق کو جتنا حصہ پہنچا ہے وہ ان کے مابین اس طرح تقسیم کیا جائے گا جس طرح ان کی رشتہ داری متحد ہونے کے وقت تقسیم کیا جاتا ہے۔

تشریح: چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ اگر یہ سب درجہ میں تو مساوی ہوں لیکن رشتہ داری میں متحد نہ ہوں یعنی بعض باپ کی

طرف سے رشتہ دار ہوں اور بعض ماں کی طرف سے تو ایسی صورت میں دو تہائی حصہ باپ کی طرف سے رشتہ داری رکھنے والوں کو دیا جائے گا کیونکہ یہ باپ کا حصہ لے رہے ہیں اور ایک تہائی ماں کی طرف سے رشتہ داری رکھنے والوں کو دیا جائے گا کیونکہ یہ ماں کا حصہ لے رہے ہیں، بعد ازاں ہر فریق کو جتنا حصہ حاصل ہوا ہے وہ ان کے وارث پر اس طرح تقسیم کیا جائے جس طرح ان کی رشتہ داری متحد ہونے کی صورت میں کیا جاتا ہے یعنی دو حصے باپ کے قرابت والوں پر اور ایک حصہ ماں کے قرابت والوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

فائدہ: اس پوری بحث کا خلاصہ وضابطہ علامہ سید میر شریف جرجانی رحمہ اللہ نے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قسم ثانی کے ذوی الارحام درجہ قرابۃ میں برابر ہونگے یا نہیں اگر برابر نہ ہوں تو جو زیادہ قریب ہوگا وہی اولیٰ ہے اور اگر برابر ہوں تو دیکھا جائے گا کہ قرابت میں اتحاد ہے یا اختلاف اگر اختلاف ہو تو مال تین حصے کر کے تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر آئیں ہیں (یعنی دو تہائی مذکر کا حصہ اور ایک تہائی مونث کا) اور اگر قرابت میں اتحاد ہو لیکن صفت اصول میں اتفاق ہوگا یا نہیں اگر اتفاق ہو تو مال ابدان فروع پر تقسیم ہوگا اور اگر اتفاق نہ ہو تو سب سے پہلے جہاں صفت انوثت وذکورت کا اختلاف پیدا ہوا ہے وہاں سے مال کی تقسیم ہوگی جیسا کہ ذوی الارحام کی قسم اول میں طریقہ کار ہے [1]

فصل فی الصنف الثالث

الـحُكْـمُ فِيهِـم كـالـحُكْمِ فِي الصّنفِ الأوّل أعْنى أوْلُهم بالميراثِ أقربُهم إلَى المَيّتِ وإنِ اسْتَوَوْا فِي القُـرْبِ فَوَلَدُ العَصبة أوْلَى مِن وَلَدِ ذَوِى الأرْحامِ كبنتِ ابنِ الأخ وابنِ بنتِ الأختِ كلاهُمَا لأب وأمّ أو لأبٍ أو أحـدِهـمـا لأبٍ وأمّ والآخـر لابٍ المالُ كلُّه لبنتِ ابنِ الأخ لأنّها ولدُ العصبةِ ولَو كانَا لأمّ الـمـالُ بينَـهُـما للذكرِ مثلُ حظّ الأنْثيَيْن عِنْدَ أبى يُوسفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعالى بِاعتِبَارِ الأبدانِ وعِنْدَ محمّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعالى المالُ بينهُما إنْصافًا باعتِبَارِ الأصُولِ بهٰذِهِ الصّوْرَةِ۔

مسئلہ ۳ عند امام ابی یوسف و ۲ عند امام محمد

میت

	الاخ لام	الاخت لام
	ابن	بنت
	بنت	ابن
عند امام ابی یوسف	۱	۲
عند امام محمد	۱	۱

[1] شریفیہ ص ۱۱۰

ترجمہ: قسم ثالث کا حکم قسم اول کی طرح ہی ہے یعنی ان سب سے زیادہ مستحق میراث وہی ہوگا جو میت کے سب سے زیادہ قریب ہوگا اور اگر قربِ رشتہ داری میں سبھی مساوی ہوں تو اولا دعصبہ اولا د ذوی الارحام سے زیادہ اولیٰ ہے مثلاً: بھتیجے کی بیٹی اور بھانجی کا بیٹا یہ دونوں عینی ہوں یو علاتی یا ان میں سے ایک تو عینی ہو اور دوسرا علاتی تو کل مال بھتیجے کی بیٹی کا ہے کیونکہ یہ اولا دعصبہ میں سے ہیں اور اگر یہ دونوں خیفی ہوں تو امام ابو یوسف کے نزدیک باعتبار ابدان کل مال ان کے درمیان ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا اور امام محمد کے نزدیک مال ان دونوں کے درمیان باعتبار اصول تقسیم کیا جائے گا جسکی صورت یہ ہے۔

تشریح: ذوی الارحام کی تیسری قسم میں میت کے بھائی بہنوں کی وہ اولا دیں شامل ہیں جو عصبات اور ذوی الفروض میں داخل نہیں ہیں، اس قسم میں تمام بھائیوں خواہ عینی، علاتی یا اخیافی ہوں ان سب کی بیٹیاں داخل ہیں اسی طرح عینی، علاتی اور اخیافی بہنوں کے بیٹے بیٹیاں نیز اخیافی بہنوں کے بیٹے بھی شامل ہیں، ان کے وارث ہونے کی درج ذیل شرائط ہیں۔

۱۔ ذوی الارحام کی قسم اول کی طرح یہاں بھی الاقرب فالاقرب کے قانون موجب جو زیادہ قریب ہوگا وہی وارث ہوگا اگر چہ مونث ہی ہو اور بعید محروم رہے گا جیسے:۔

مثال: مسئلہ ۱

میت

بھانجی	بھتیجے کا بیٹا
۱	م

۲۔ اور اگر سب ایک ہی درجے کے ہوں اور ان میں کچھ اولا دِ عصبہ ہوں اور کچھ اولا دِ ذوی الارحام تو اولا دِ عصبہ زیادہ مستحق ہوگی جیسے:۔

مثال: مسئلہ ۱

میت

بھتیجے کی بیٹی	بھانجی کا بیٹا
۱	م

مذکورہ صورت میں بھتیجے کی بیٹی عصبہ ہے اور بھانجی کا بیٹا ذوی الارحام میں سے ہے۔

۳۔ اور اگر حقیقی و علاتی بھتیجے کی بیٹی کے بجائے خیفی بھتیجے کی بیٹی ہے، اور ادھر بھی حقیقی یا علاتی بھانجی کے بجائے خیفی

بھانجی کا بیٹا ہے تو ایسی صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک ابدان کا اعتبار کرتے ہوئے دونوں کے مابین ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ ﴾ کے مطابق مال تقسیم کیا جائے گا جبکہ امام محمد کے نزدیک اصول کا اعتبار کرتے ہوئے مال نصف نصف کر کے تقسیم کیا جائے گا جیسے:۔

مثال: مسئلہ ۳ عند ابی یوسف رحمہ اللہ

میت

خیفی بھائی	خیفی بہن
بیٹا	بیٹی
بیٹی	بیٹا
۱	۲

مثال: مسئلہ ۲ عند محمد رحمہ اللہ

میت

خیفی بھائی	خیفی بہن
بیٹا	بیٹی
بیٹی	بیٹا
۱	۱

وَاِنِ اسْتَوَوْا فِي الْقُرْبِ وَلَيْسَ فِيْهِم وَلَدُ عَصَبَةٍ أَوْ كَانَ كُلُّهُم أَوْلَادَ الْعَصَبَاتِ أَوْ كَانَ بَعضُهم اولادَ الْعَصَبَاتِ وبعضُهُم اولادَ أَصْحَابِ الفَرائِضِ فأبويوسف رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى يَعْتَبِرُ الأَقْوَى ومحمّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى يُقْسِمُ المالَ عَلَى الإِخْوَةِ وَالأَخَواتِ اعتبارَ عددِ الفُرُوعِ والجِهَاتِ فِي الأُصُولِ فَمَا أَصَابَ كُلَّ فريقٍ يُقْسِم بينَ فروعِهِم كَمَا فِي الصِّنفِ الأَوّلِ كَمَا إِذَا تَرَكَ ثَلاثَ بناتِ اخوةٍ مُتفرِّقِين وثلثة بنِيْن وثلثَ بناتِ اخواتٍ مُتَفَرِّقَاتٍ بِهٰذِهِ الصُّورةِ۔ ـ(أُنْظُرها فِي الشَّرح)۔ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى يُقْسَمُ كُلُّ المالِ بينَ فُرُوعِ بنِي الأَعْيَانِ ثُمّ بينَ فُرُوعِ بنِي العَلاتِ ثُمّ بينَ فُرُوعِ بنِي الأَخْيَافِ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ أَرْبَاعًا باعتِبارِ الأَبْدانِ

ترجمہ: اور اگر یہ قسم ثالث قرب رشتہ داری میں سب مساوی ہوں اور ان میں ولد عصبہ نہ ہو یا سب عصبات ہوں یا کچھ تو اولاد عصبات ہوں اور کچھ اولاد اصحاب فرائض میں سے ہوں تو ایسی صورت میں امام ابو یوسف قوت رشتہ داری کا اعتبار کرتے ہیں اور امام محمد اصول میں عدد فروع اور جہات کا اعتبار کرتے ہوئے کل مال بھائی بہنوں پر تقسیم کرتے ہیں بعد ازاں ہر فریق کو جتنا حصہ پہنچا ہے اسے ان کے فروع کے مابین تقسیم کرتے ہیں جیسا کہ قسم اول میں کیا ہے مثلاً: کسی میت نے ورثاء میں متفرق یعنی تینوں قسم کے بھائیوں کی تین بیٹیاں اور تینوں قسم کی بہنوں کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑے اس صورت (یعنی شرح میں دیئے ہوئے نقشے کے مطابق) سو اب امام ابو یوسف کے نزدیک کل مال حقیقی بھائیوں کی فروع کے درمیان پھر علاتی بھائیوں کے درمیان پھر اخیافی بھائیوں کی فروع کے درمیان چار حصے کر کے ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ ﴾ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

تشریح: اگر ذوی الارحام کی قسمِ ثالث کے تمام رشتہ دار قربِ رشتہ داری میں برابر ہوں تو اس کی تین صورتیں ہیں:۔

۱۔ اولادِ عصبات میں سے کوئی بھی نہ ہو جیسے ایک بھائی کی نواسی اور دوسرے بھائی کا نواسہ۔

۲۔ سب کے سب اولادِ عصبہ میں سے ہوں جیسے حقیقی یا علاتی بھتیجے کی بیٹی اور ایسے ہی دوسرے حقیقی یا علاتی بھتیجے کی بیٹی۔

۳۔ بعض اولادِ عصبہ سے ہوں اور بعض اولادِ اصحابِ فرائض سے ہوں جیسے حقیقی بھائی کی بیٹی جو کہ اولادِ عصبہ میں سے ہے اور خیفی بھائی کی بیٹی جو کہ اولادِ فرائض میں سے ہے۔

ان تمام صورتوں میں امام ابو یوسف قوت رشتہ داری کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ آپ حقیقی بھائی بہن کی اولاد کو علاتی اور اخیافی بھائی بہن کی اولاد پر ترجیح دیتے ہیں اسی طرح علاتی بھائی بہن کی اولاد کو اخیافی بھائی بہن کی اولاد پر مقدم کرتے ہیں اور اگر درجہ، قوت وضعف میں سب مساوی ہوں نیز مذکر ومونث دونوں ہوں تو ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ قانون کے مطابق مال تقسیم کرتے ہیں، اور اگر فروع میں محض مذکر ہوں یا محض مؤنث ہوں تو پھر ان کے ابدان کا اعتبار کرتے ہوئے مال برابر تقسیم کرتے ہیں، اس کے برعکس امام محمد اولاً اصول یعنی بہن بھائیوں پر مال تقسیم کرتے ہیں نیز دوران تقسیم اصول میں بھی جہات کا بھی لحاظ رکھتے ہیں اور تعداد کا اعتبار فروع سے کرتے ہیں، بعد ازاں ہر فریق کو جتنا حصہ حاصل ہوگا وہی ان کے فروع میں تقسیم ہوگا جیسا کہ قسم اول میں گزر چکا ہے، دونوں مذاہب کو سمجھنے کے لیے درج ذیل صورت میں غور کیجئے۔

مثال: مسئلہ عندابی یوسف من ۴، وعندامام محمد من ۳ وتصح من ۹

میت	حقیقی بھائی	حقیقی بہن		علاتی بھائی	علاتی بہن		خیفی بھائی	خیفی بہن	
	بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹا	بیٹی
عندامام ابی یوسف	۱	۲	۱	م	م	م	م	م	م
عندامام محمد	۳	۲	۱	م	م	م	۱	۱	۱

مذکورہ صورت میں میت کے ورثاء میں عینی، علاتی اور اخیافی بھائی بہنوں کی اولادیں موجود ہیں جن میں سے بہنوں کی اولاد میں تعداد فروع بھی ہے سو ایسی صورت میں امام ابو یوسف قوت قرابت کا اعتبار کرتے ہوئے کل مال حقیقی بھائی بہن کی اولاد میں تقسیم کرتے ہیں چنانچہ مسئلہ چار سے ہوا جن میں سے دو حصے بہن کے بیٹے کو اور ایک حصہ اس کی بیٹی کو ملا جبکہ باقی ماندہ ایک حصہ حقیقی بھائی کی بیٹی کو حاصل ہوا، ان کے علاوہ باقی ورثاء محروم ہو جائے گئے البتہ حقیقی بھائی بہن کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں علاتی بھائی بہن کی اولاد ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ قانون کے مطابق مذکورہ ترتیب سے وارث ہوگی اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر اخیافی بہن بھائی کی اولاد وارث ہوگی۔

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يُقْسَم ثلثُ المالِ بيْنَ فرُوْع بنِی الأخْيَافِ عَلٰى السَّوِيَّةِ أثلاثًا لِاسْتِوَاءِ أُصُولِهِم فِی القِسْمَةِ وَالبَاقِی بيْنَ فُرُوع بنِی الأعْيَان اِنْصافًا لِاعْتبَارِ عدَدِ الفُرُوْع فِی الأُصُولِ نصفُهٗ لبنتِ الأخ نصيبُ أبِيهَا والنّصفُ الآخِرُ بينَ ولَدَی الأخْتِ للذّكرِ مثلُ حظّ الأنْثيَيْن باعتِبَارِ الأبْدَانِ وتَصِحّ مِن تِسْعَةٍ

ترجمہ: اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مال کا ثلث تین حصے کر کے اخیافی بھائی بہن کی اولاد پر برابر برابر تقسیم کیا جائے گا اس لئے کہ ان کی فروع کا اصول تقسیم ترکہ میں برابر ہیں اور باقی ماندہ دوثلث حقیقی بھائی بہن کی اولاد پر اصول میں فروع کے عدد کا اعتبار کرتے ہوئے آدھا آدھا کر کے تقسیم کیا جائے گا پھر ان (دوثلث) میں سے نصف حقیقی بھتیجی کے لئے ہے جو اس کے باپ کا حصہ ہے اور دوسرا نصف حقیقی بہن کی اولاد پر باعتبار ابدان ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے مطابق تقسیم ہوگا اور یہ مسئلہ نو سے صحیح ہوگا۔

تشریح: ایک مرتبہ پھر متن کے مذکورہ نقشہ پر نظر ڈالتے ہوئے امام محمد کے اصول کے مطابق تقسیم ترکہ کا عمل دہراتے ہیں، چنانچہ امام صاحب کے نزدیک مسئلہ ۳ سے ہو کر ۹ سے صحیح ہوگا کیونکہ امام محمد اپنے قانون کے مطابق اولاً اصول یعنی اخیافی بھائی بہن اور حقیقی بھائی بہن کے درمیان کل مال تین حصے کر کے تقسیم کرتے ہیں، جبکہ علاتی بھائی بہن حقیقی بھائی بہن کے ہوتے ہوئے محروم کرتے ہیں، لہذا اب ۳ میں سے دو تہائی مال حقیقی بھائی بہن کو ملے گا جبکہ ایک تہائی اخیافی بھائی بہن کو حاصل ہوگا، بعد ازاں دو تہائی حقیقی بھائی بہن کے مابین نصف نصف کر کے تقسیم کیا گیا، بہن کو نصف دینے کی وجہ یہ ہے کہ فروع سے عدد لینے کے بسبب بہن بھائی کے برابر ہوگئی پھر بہن کا نصف اس کی اولاد یعنی بیٹے اور بیٹی پر ۳ حصے کر کے ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے مطابق تقسیم کرنا ہے لیکن چونکہ یہاں کسر واقع ہو رہی ہے لہذا ان کے عدد روس ۳ کو محفوظ کر لیا گیا کیونکہ بیٹا دو بیٹیوں کے برابر ہے اور ان کے ساتھ تیسری بیٹی ملانے سے یہ تین روس ہوئے، ادھر اخیافی بھائی بہن کے فروع میں بھی تین روس پر ایک تہائی برابر تقسیم نہیں ہو رہا، چنانچہ دونوں فریقوں کے روس میں مماثلت ہے اس لیئے ان میں سے کسی ایک کا عدد روس ۳ لے کر اصل مسئلہ ۳ میں ضرب دینے سے ۹ حاصل ہوئے اب مسئلہ اسی سے صحیح ہوگا، چنانچہ حقیقی بھائی بہن کو پہلے اصل مسئلہ ۳ سے ۲ ملے تھے، ان ۲ کو ۳ میں ضرب دی تو ۶ حاصل ہوئے جن میں سے نصف یعنی ۳ حقیقی بھائی کی بیٹی کو دیئے گئے جو درحقیقت اپنے باپ کا حصہ لے رہی ہے اور باقی ماندہ ۳ بہن کے بیٹے اور بیٹی کے درمیان تقسیم کیا تو دو بیٹے کو اور ایک بیٹی کو ملا، اور اخیافی بھائی بہن کو اصل مسئلہ سے ایک ملا تھا جسے ۳ میں ضرب دینے سے ۳ ہی حاصل ہوئے جو کہ ان کی اولاد پر برابر تقسیم کیا گیا کیونکہ اخیافی بھائی بہن کے درمیان امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کا قانون جاری نہیں ہوتا لہذا ہر ایک کو ایک ایک حاصل ہوا۔

وَلَوْ ترَكَ ثلثَ بناتِ بنِي اِخوةٍ مُتفرِّقِين بهٰذِهِ الصّورَةِ۔

مسئلہ ا

میت

بنت ابن الاخ لاب وام	بنت ابن الاخ لاب	بنت ابن الاخ لام
ا	م	م

المَالُ كلُّه لبنتِ ابنِ الأخِ لابِ وأمّ بالاتّفَاقِ لأنّها ولدُ العَصَبةِ ولهَا أيْضًا قوةُ القَرابةِ۔

ترجمہ: اور اگر میت نے ورثاء میں متفرق بھتیجوں کی تین بیٹیاں چھوڑیں اس (متن میں مذکور) صورت کے مطابق تو بالاتفاق کل مال حقیقی بھتیجے کو ملے گا کیونکہ یہ اولا دعصبہ میں سے ہے اور اسے قوت قرابت بھی حاصل ہے۔

تشریح: ایک میت تین متفرق بھتیجوں کی بیٹیاں یعنی حقیقی، علاتی اور اخیافی بھتیجوں کی بیٹیاں چھوڑ کر مر گیا جیسا کہ متن کے نقشہ سے واضح ہے تو ہمارے ائمہ کے نزدیک بالاتفاق کل مال حقیقی بھتیجے کی بیٹی کو دیا جائے گا کیونکہ ایک تو یہ اولا دعصبہ میں سے ہے اور دوسرا اقرب رشتہ داری بھی ہے کیونکہ یہ علاتی اور اخیافی بھتیجوں کی اولاد کے بنسبت زیادہ قریب ہے۔

فصل فى الصنف الرابع

الحُكْمُ فيهِم أنّه إذَا انفَرَدَ واحدٌ مّنهُم استَحقّ المالُ كلُّه لعدمِ المزاحِمِ وإنِ اجتَمَعُوا وَكانَ حيّزُ قرابتِهِم متّحِدًا كالعَمّاتِ والأعمَام لأمّ أو الاخوَال وَالخَالاتِ فالأقوٰى منهُم أولٰى بِالإجمَاع أعْني مَن كانَ لأبٍ وَأمٍ أولٰى ممّنْ كانَ لأبٍ وَمَنْ كانَ لأبٍ أولٰى ممّنْ كانَ لأمّ ذكورًا كانُوا أو إناثًا وإنْ كانُوا ذكورًا أو إناثًا وَاستَوَتْ قرابتُهُم فللذّكرِ مثلُ حظّ الأنثيَين كعَمّ وعمةٍ كلاهُمَا لأمّ أو خالٍ وخالةٍ كلاهُمَا لأبٍ وأمّ أو لأبٍ أو لأمّ

ترجمہ: چوتھی قسم یہ ہے کہ جب ان میں سے کوئی اکیلا وارث ہو تو کل مال کا وہی مستحق ہوگا کیونکہ اس کا بالمقابل کوئی نہیں اور اگر بہت سے جمع ہوں اور ان کی جہت رشتہ داری بھی متحد ہو جیسے خفی پھوپیاں اور خفی چچے یا ماموں اور خالائیں سو ان میں سے جو قرب رشتہ داری میں قوی ہوگا بالاجماع وہی وارث بننے میں اولیٰ ہوگا یعنی ان میں سے جو ماں، باپ کی طرف سے (حقیقی) ہوگا وہ باپ شریک (علاتی) سے اولیٰ ہوگا اور جو علاتی ہوگا وہ اخیافی سے اولیٰ ہوگا چاہے مذکر ہوں یا مونث اور اگر مذکر و مونث دونوں ہوں اور قوت رشتہ داری میں بھی برابر ہوں تو ﴿ لِلذّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأنْثَيَيْنِ ﴾ کے قانون موجب ترکہ تقسیم ہوگا جیسے مثلاً: پھوپی اور چچا کہ یہ دونوں اخیافی ہوں یا ماموں اور خالہ کہ یہ دونوں حقیقی ہوں یا محض علاتی ہوں یا پھر محض اخیافی ہوں۔

تشریح: ذوی الارحام کی چوتھی قسم میں ایسے رشتہ دار داخل ہیں جو دادا، دادی، نانا، نانی کی جانب منسوب ہوتے ہیں یعنی ان کی وہ اولاد مراد ہے جو ذوی الفروض اور عصبات میں سے نہیں ہے مثلاً دادا کی بیٹیاں یعنی پھوپیاں خواہ حقیقی، علاتی یا اخیافی ہوں اور ان سب کی اولاد اور نانی کی بیٹیاں یعنی خالائیں خواہ حقیقی، علاتی یا اخیافی ہوں اور ان سب کی اولاد، اسی طرح اخیافی چچے اور ان کی اولاد، (یاد رہے کہ حقیقی یا علاتی چچے عصبات میں سے ہیں) اور ماموں خواہ عینی ہو یا علاتی یا اخیافی ہوں اور ان کی اولادیں وغیرہ، ان سب کے وارث ہونے کی درج ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ مذکورہ رشتہ داروں میں سے صرف ایک ہی رشتہ دار ہو تو کل مال کا حقدار وہی ہوگا کیونکہ دوسرا کوئی مزاحم موجود نہیں۔

۲۔ اگر بہت سے رشتہ دار ہوں اور جہت رشتہ بھی ایک ہی ہو یعنی سب باپ کی جانب سے ہوں جیسے پھوپیاں اور اخیافی چچے یا پھر سب ماں کی جانب سے ہوں جیسے ماموں اور خالائیں، تو اب ایسی صورت میں قوت قرابت کی بنا پر ترجیح دی جائے گی مثلاً حقیقی پھوپی کو علاتی پھوپی پر ترجیح حاصل ہوگی اور علاتی کو اخیافی پر اسی طرح حقیقی ماموکو علاتی اور علاتی کو اخیافی پر ترجیح دی جائے گی علی ھذا القیاس

۳۔ اور اگر یہ متحدہ قرابت والے مذکر و مونث دونوں ہوں اور قوت رشتہ میں بھی سب برابر ہوں تو ترکہ ان کے مابین ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ کے مطابق تقسیم ہوگا مثلاً میت کے ورثاء میں ایک خیفی پھوپی اور ایک خیفی چچا ہیں یا ایک حقیقی ماموں اور ایک حقیقی خالہ ہے تو ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا۔

مثال: مسئلہ ۳
میت

خیفی پھوپی	خیفی چچا
۱	۲

وَاِنْ كَانَ حَيِّزُ قرابتِهِم مُختلِفًا فَلا اعتبارَ لقُوَّةِ القَرابةِ كعمةٍ لأبٍ وأمٍّ وخالةٍ لأمٍّ أو خالةٍ لأبٍ وأمٍّ وعمةٍ لأمٍّ فالثُلثَان لقَرابةِ الأبِ وهُوَ نصيبُ الأمّ ثُمّ مَا أصابَ كلَّ فريقٍ يُقْسَم بينَهُم كمَا لو اتّحدَ حَيّزُ قرابتِهِم۔

ترجمہ: اور اگر ان کی جہت رشتہ داری مختلف ہو تو اب قوت رشتہ کا لحاظ نہ کیا جائے گا مثلاً: حقیقی پھوپی اور خیفی خالہ یا حقیقی خالہ اور حقیقی پھوپی۔ ترکہ میں سے باپ کے قرابت دار کے لئے دو تہائی ہے جو کہ باپ کا حصہ ہے اور ایک تہائی ماں کی قرابتدار کو حاصل ہوگا جو کی ماں کا حصہ ہے بعد ازاں جس فریق کو جتنا حصہ حاصل ہوا ہے وہ ان کے درمیان تقسیم ہوگا جس طرح ان کے

متحد قرابۃ کی صورت میں ہوگا۔

تشریح: اگر ان ورثاء کی جہت رشتہ داری مختلف ہوں یعنی بعض باپ کی جانب سے ہوں اور بعض ماں کی جانب سے تو ایسی صورت میں قوت قرابت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ باپ کی جانب والوں کو دوتہائیاں اور ماں کی جانب والوں کو ایک تہائی دی جائے گی، بعدازاں اگر باپ کے قرابت داروں میں ایک سے زائد ورثاء ہیں تو جو دوتہائیاں ان کو حاصل ہوئی ہیں وہ ان کے درمیان تقسیم ہوں گی اور اسی طرح اگر ماں کے قرابت داروں میں بھی ایک سے زائد ورثاء ہیں تو ان میں بھی ایک تہائی تقسیم کی جائے گی۔

❁❁❁

اصولِ فتاوی

وههنا ضوابط محرره ☆ غدت لدى اهل النهى مقرره

فى كل ابواب العبادات رجح ☆ قول الامام مطلقا مالم تصح

عنه رواية بها الغير اخذ ☆ مثل تيمم لمن تمرا نبذ

وكل فرع بالقضا تعلقا ☆ قول ابى يوسف فيه ينتقى

و فى مسائل ذوى الارحام قد ☆ افتوا بما يقوله محمد

اوراس جگہ چند تنقیح شدہ ضوابط ہیں ☆ جو کہ عقل والوں کے نزدیک مقرر شدہ ہیں'

عبادات کے جمیع ابواب میں ترجیح دیا جاتا ہے ☆ امام اعظم کا قول مطلقا جب تک ثابت نہ ہو

آپ سے' وہ روایت جو آپ کے غیر نے لی ہے ☆ مثلاً: اس شخص کیلئے تیمم کا حکم جس کے پاس نبیذ تمر ہو'

اور ہر وہ جزئیہ جس کا تعلق قضاء سے ہے ☆ اس میں امام ابو یوسف کا قول لیا گیا ہے'

اور ذوی الارحام کے مسائل میں ☆ علماء نے امام محمد کے قول پر فتوی دیا ہے

(عقود رسم المفتی ،ص ۳۴)

فصل فی اولادهم

الـحُـكْـمُ فِيهِـمْ كَالحُكْمِ فِي الصِنَفِ الأوّل اَعْنِى اَوّلُهُمْ بالمِيراثِ أقْرَبُهم اِلى المَيّتِ مِنْ أى جهةٍ كَانَ وَاِنِ اسْتَوَوُا فِى القُرْبِ وَكَانَ حِيزُ قرابتِهم متحدًا فمَنْ كانتْ لهٗ قوةُ القرابةِ فهُو أوْلى بالاجْماع وَاِنِ اسْتَوَوْا فِي القُرْب والقرابةِ وكَان حِيزُ قرابتِهم متحدًا فولدُ العَصبةِ أوْلى كبنتِ العمّ وابنِ العَمّة كِلاهُمَا لاب وأمّ أو لابِ المالُ لبنتِ العَمّ لأنّها ولدُ العَصبةِ

ترجمہ: ان کا حکم بھی قسم اول کی مثل ہی ہے یعنی ان میں ترکہ کا زیادہ حقدار وہی ہوگا جو قریب تر ہوگا خواہ وہ کسی بھی جہت سے ہو اور اگر یہ قرب درجہ میں ایک جیسے ہوں اور جہت رشتہ داری بھی متحد ہو تو جو قوتِ قرابت میں زیادہ ہوگا بالا جماع میراث کا مستحق بھی وہی ہوگا اور اگر قوت درجہ وہ قوت قرابت میں ایک جیسے ہوں اور جہت رشتہ بھی متحد ہو تو اولا دعصبہ میراث کی زیادہ مستحق ہے جیسے چچا کی بیٹی اور پھوپی کا بیٹا خواہ دونوں حقیقی ہوں یا علاتی تو ایسی صورت میں کل مال چچا کی بیٹی کو ملے گا کیونکہ وہ اولا دعصبہ سے ہے۔

تشریح: حضرت فاضل مصنف رحمہ اللہ نے قسم رابع کی اولاد کو ایک علیحدہ مستقل فصل قائم کر کے ذکر کیا ہے، جبکہ پہلی تینوں اقسام کی اولاد کو الگ سے ذکر نہیں کیا ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ذوی الارحام کی پہلی تینوں اقسام میں ان کی اولاد بالواسطہ یا بلا واسطہ شامل ہے جبکہ قسم رابع کے فروع اپنے اصول میں شامل نہیں اور میراث میں بھی مختلف ہیں اس لیئے فروع یعنی اولاد کا ذکر علیحدہ کیا۔

قسم رابع کی اولاد مندرجہ ذیل صورتوں میں وارث ہوگی:۔

ا۔ قسم اول کی طرح جو وارث میت کے زیادہ قریب تر ہوگا وہی مستحق میراث ہوگا خواہ وہ باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب، مذکر ہو یا مؤنث مثلاً:۔

مثال: مسئلہ ا

میت

پھوپھی کی بیٹی	پھوپھی کی بیٹی کی بیٹی
ا	م

مثال: مسئلہ ا

میت

پھوپھی کی بیٹی	پھوپھی کی بیٹی کا بیٹا
ا	م

مثال: مسئلہ ا
میت
خالہ کی بیٹی | خالہ کی بیٹی کی بیٹی
ا | م

مثال: مسئلہ ا
میت
خالہ کی بیٹی | خالہ کی بیٹی کا بیٹا
ا | م

۲۔ اور اگر یہ سب قرب درجہ میں ایک جیسے ہوں اور جہت رشتہ داری میں بھی متحد ہوں یعنی یا تو سب باپ کی جانب سے ہوں یا پھر ماں کی جانب سے، تو ایسی صورت میں بالا جماع قوت قرابت کا اعتبار کیا جائے گا مثلاً:۔

مثال: مسئلہ ا
میت
حقیقی ماموں کا بیٹا | علاتی ماموں کا بیٹا | خیفی ماموں کا بیٹا
ا | م | م

مذکورہ پہلی صورت میں تینوں قسم کی پھوپیوں کی اولاد قرب درجہ میں برابر ہیں، تاہم حقیقی پھوپی کی اولاد نے قوت قرابت کی بنا پر باقیوں کو محروم کر دیا یہی حال دوسری صورت میں بھی ہے کہ تینوں قسم کے ماموں کی اولاد ماں کی جانب سے ہے جن میں وارث صرف حقیقی ماموں کی اولاد ہے۔

۳۔ اور اگر یہ سب قوت درجہ وقوت قرابت میں ایک جیسے ہوں اور جہت رشتہ داری بھی ایک ہی ہو یعنی سب باپ کی جانب سے ہوں یا ماں کی جانب سے ہوں لیکن ان میں سے ایک ولد العصبہ اور دوسرا ولد ذی الرحم ہو تو ولد العصبہ میراث کا مستحق ہوگا، مثلاً:۔

مثال: مسئلہ ا
میت
چچا کی بیٹی | پھوپی کا بیٹا
ا | م

وَإِنْ كَانَ احدُهُما لابٍ وأمّ والآخرُ لابٍ المالُ كلّه لمَنْ كانَ لهُ قوةُ القرابةِ فِي ظَاهِرِ الرِوايةِ قياسًا عَلى خـالةٍ لابٍ مـعَ كـونِهَـا ولـدَ ذِى رَحْـمٍ هِيَ أوْلى بقوةِ القَرابةِ مِن الخَالةِ لامٍ معَ كونِها ولدَ الوَارِثةِ لأنّ التَـرجيـحَ لـمـعـنًـى فيْـهِ وهُـوَ قوةُ القَرابةِ أوْلى منَ التَرجيْحِ لمعنًى فِى غيرِهِ وهُوَ الأدلاءُ بِالوَارِثِ وقَالَ بعضُهم المالُ كلّهٗ لبنتِ العَمّ لأبٍ لأنّها ولدُ العَصبةِ

ترجمہ: اور اگران میں سے ایک حقیقی ہواور دوسرا علاتی ہوتو ظاہر روایت کے مطابق کل مال اس کا ہوگا جو قوت قرابت میں زیادہ ہے علاتی خالہ پر قیاس کرتے ہوئے کہ یہ باوجود ذی رحم کی اولاد ہونے کے قوت قرابت کی بنا پر اخیافی خالہ سے زیادہ اولی ہے حالانکہ حنفی خالہ وارث کی اولاد سے ہے اس لئے کہ یہ ترجیح دینا اس اعتبار سے ہے جو علاتی خالہ میں موجود ہے اور وہ اعتبار قوۃ قرابت ہے جو زیادہ اولی ہے اس ترجیح کے اعتبار سے جو اس کے غیر میں یعنی حنفی خالہ میں ہے اور یہ اعتبار وارث کی جانب منسوب ہونا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کل مال علاتی چچا کی بیٹی کا ہے کیونکہ وہ ولد العصبہ ہے۔

تشریح: گزشتہ صورت میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ چچا کی بیٹی نے ولد العصبہ ہونے کی بنا پر پھوپی کے بیٹے کو محروم کر دیا لیکن اگر اسکے بجائے علاتی چچا کی بیٹی ہو اور اسکے بالمقابل حقیقی پھوپی کا بیٹا ہو تو اس میں دو روایات ہیں، ظاہر الروایت یہ ہے کہ کل مال اسی کو ملے گا جسے قوت قرابت حاصل ہوگی، اور یہاں یہ قوت قرابت حقیقی پھوپی کے بیٹے کو حاصل ہے چنانچہ اس کے ہوتے ہوئے علاتی چچا کی بیٹی ولد العصبہ ہونے کے باوجود محروم رہے گی، مصنف نے اس مسئلے کو علاتی خالہ اور اخیافی خالہ پر قیاس کیا ہے چنانچہ آپ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ باپ شریک خالہ ذی رحم کی اولاد میں سے ہیں کیونکہ ماں کی باپ شریک بہن اور نانا کی بیٹی ہے اور اخیافی خالہ ذوی الفرائض کی اولاد میں سے ہے کیونکہ ماں کی ماں شریک بہن یعنی نانی کی بیٹی ہے جو کہ ذوی الفرائض میں سے ہے اب ان دونوں میں سے حنفی خالہ اولاد فرائض ہونے کے باوجود باپ شریک یعنی علاتی بہن کے مقابلہ میں محروم ہو جاتی ہے، اس ترجیح کا سبب یہ ہے کہ علاتی خالہ میں باپ کی وجہ سے قوت قرابت موجود ہے جبکہ حنفی خالہ ولد الوارث کی جانب منسوب ہونے کے باوجود اس قوت قرابت سے محروم ہے، تاہم بعض مشائخ ایسے بھی ہیں جو مذکورہ صورت میں علاتی چچا کی بیٹی کو کل مال دینے کے حق میں ہیں کیونکہ وہ ولد العصبہ ہے جبکہ حقیقی پھوپی کا بیٹا ولد ذی الرحم ہے جو ولد العصبہ کے ہوتے ہوئے محروم ہو جائے گا۔

وَاِنِ اسْتَوَوْا فِی الْقُرْبِ وَلٰکِنْ اخْتَلَفَ حیزُ قرابتِهم فَلا اعتِبارَ لقوةِ القَرابةِ وَلا لِوَلَدِ العَصبةِ فِی ظَاهِرِ الرِّوَایةِ قیاسًا عَلٰی عمةٍ لابٍ واُمٍّ مَعَ کونِها ذاتَ القَرابتَین و ولدَ الوارثِ مِنَ الجِهتَین هِی لیستْ بأولٰی مِنَ الخَالةِ لابٍ أو اُمٍّ لکنّ الثُّلثَینِ لِمَنْ یُدلی بقرابةِ الأبِ فتُعتبرُ فیهِم قوةُ القرابةِ ثُمّ ولدُ العَصبةِ وَالثُّلثُ لِمَن یُدْلی بقرابةِ الامِّ وتُعتبرُ فیهِم قوةُ القَرابةِ

ترجمہ: اور اگر قوت قرابت میں سب ایک جیسے ہوں لیکن جہت رشتہ میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایت کے مطابق نہ قوت قرابت کا اعتبار کیا جائے گا اور نہ ہی ولد العصبہ کا لحاظ ہوگا حقیقی پھوپی پر قیاس کرتے ہوئے حالانکہ یہ دوہری قرابت اور دو جہتوں سے ولد الوارث ہونے کے باوجود علاتی یا اخیافی خالہ سے اولی نہیں ہوتی البتہ دو تہائی مال اس کے لئے ہے جو میت کی جانب

باپ کی قرابت سے منسوب ہو، چنانچہ ان میں قوت قرابت اور پھر ولد العصبہ ہونے کا اعتبار کیا جائے گا اور تہائی مال اس کے لئے ہے جو میت کی جانب ماں کی قرابت سے منسوب ہو اور ان میں بھی قوت قرابت کا اعتبار ہوگا۔

تشریح: ذوی الارحام کی قسم رابع کی کل اولاد درجہ میں تو برابر ہو لیکن جہت رشتہ متحد نہ ہو بلکہ بعض کی قرابت باپ کی جانب سے اور بعض کی ماں کی جانب سے تو ایسی صورت میں ایک روایت کے مطابق قوت قرابت اور ولد العصبہ دونوں کا اعتبار نہیں چلے گا چنانچہ حقیقی پھوپی کی اولاد کو علاتی یا اخیافی ماموں کی اولاد پر ترجیح نہ ہوگی کیونکہ مذکورہ ظاہر روایت کے مطابق حقیقی پھوپی کی اولاد میں قوت قرابت کا اعتبار نہ ہوگا اسی طرح چچا کی بیٹی کو علاتی یا اخیافی ماموں کی بیٹی پر ترجیح نہ ہوگی کیونکہ یہاں بھی ولد العصبہ کا اعتبار نہ ہوگا، مصنف نے اس مسئلہ کو حقیقی پھوپی پر قیاس کیا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ پھوپی اگر چہ میت کے ماں، باپ دونوں کی جانب سے قرابتدار ہے نیز ان دونوں جہتوں سے ولد الوارث بھی ہے کیونکہ اس کا باپ میت کا جد صحیح ہے جو کہ عصبہ ہے اور اس کی ماں میت کی جدہ صحیحہ ہے جو کہ ذی فرض ہے، لیکن اس کے باوجود یہ علاتی اور اخیافی خالہ سے اولیٰ نہیں ہے کیونکہ جہت رشتہ مختلف ہونے کی وجہ سے قوت قرابت کا اعتبار نہیں ہے، تاہم باپ کے قرابتدار کو دو تہائی اور ماں کی قرابتدار کو ایک تہائی ملے گا، چنانچہ اسی بنا پر پھوپی کو دو تہائی اور خالہ کو ایک تہائی حاصل ہوا، بعد ازاں ان کے حصے ان کے فروعات میں گزشتہ قانون کے مطابق تقسیم کیئے جائیں گے یعنی باپ کی قرابتداروں میں دو تہائیاں اسطرح تقسیم ہوگا کہ قوت قرابت والوں کو ترجیح دی جائے گی پھر ولد العصبہ کا اعتبار ہوگا جیسے حقیقی پھوپی کی بیٹی علاتی یا اخیافی پھوپی سے قوت قرابت کی بناء پر اولیٰ ہے، اسی طرح حقیقی پھوپی کی بیٹی علاتی یا اخیافی پھوپی کے بیٹے سے ولد العصبہ ہونے کی بنا پر اولیٰ ہے ،اور ماں کے قرابتداروں میں بھی یہی اصول جاری ہوگا جیسے حقیقی خالہ کی بیٹی علاتی یا اخیافی خالہ کی بیٹی سے قوت قرابت کی بنا پر اولیٰ ہے۔

ثُمّ عِنْدَ أبي يُوسفَ رَحْمةُ اللّٰهِ تعالى مَا أَصَابَ كُلَّ فريقٍ تُقْسمُ على الأبْدان فروعِهِم مَعَ اعتبارِ عددِ الجِهاتِ فِي الفُروْعِ وعِنْدَ مُحَمّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعالى عليهِ تُقْسم المالُ عَلى أوّل بطنٍ اختُلِفَ مع اعتِبارِ عددِ الفُروعِ وَالجِهَاتِ فِي الأصُول كَمَا فِي الصِنفِ الأوّل ثُمّ ينْتقِلُ هذَا الحُكْمُ اِلى جِهةِ عُمُومةِ أبويْهِ وخُؤلتِهما ثُمّ اِلى أولادِهِمْ ثُمّ اِلى جِهةِ عُمُومَةِ أبَوى أبَوَيْه وخُؤلتِهم ثُمّ اِلى أوْلادِهِم كَمَا فِي العَصبَاتِ۔

ترجمہ: پھر امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک ہر فریق کو جتنا حاصل ہوا ہے وہ ان کی فروع کے ابدان پر تقسیم کیا جائے گا ساتھ ہی جہات رشتہ کے عدد کا بھی اعتبار ہوگا اور امام محمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک اولاً مال اس بطن پر تقسیم ہوگا جس میں اختلاف

واقع ہوا ہے ساتھ فروع کے عدد اور جہات رشتہ کا بھی اعتبار ہوگا جیسا کہ ذوی الارحام کی قسم اول میں گزر چکا ہے پھر یہ حکم منتقل ہوگا میت کے والدین کے چچاؤں اور ماموؤں کی جانب بعدازاں ان کی اولاد کی جانب پھر میت کے دادا، دادی کے چچاؤں اور ماموؤں کی جانب اور پھر ان کی اولاد کی جانب جیسا کہ عصبات میں طریقہ کار ہے۔

تشریح: ذوی الارحام کی قسم اول میں یہ اختلاف تفصیلاً ذکر ہو چکا ہے کہ امام ابو یوسف علیہ رحمہ اپنے قانون کے مطابق فروع کے ابدان پر جہات کا لحاظ کرتے ہوئے ترکہ تقسیم کرتے ہیں جبکہ امام محمد علیہ رحمہ اپنے قانون کے مطابق تقسیم ترکہ کا عمل اس بطن سے شروع کرتے ہیں جہاں سب سے پہلے مذکر ومؤنث کا اختلاف واقع ہوا ہو. اور آپ فروع کے عدد کے ساتھ جہات رشتہ کا بھی لحاظ رکھتے ہیں. چنانچہ مصنف علیہ رحمہ یہاں بھی اسی اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ باپ کے قربتداروں کو جو دو تہائی اور ماں کے قربتداروں کو جو ایک تہائی میں سے ان کے ہر فریق کو پہنچا ہے وہ ان کے فروع پر ان دونوں بزرگوں کے اپنے اپنے اصول کے مطابق تقسیم کیا جائے گا. نیز مصنف نے "ثم ینتقل" سے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ جب میت کے اپنے چچے، ماموں، خالائیں اوران کی اولادیں موجود نہ ہوتو پھر میت کے ماں باپ کے قرابتدار وارث ہونگے جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ میت کے والدین کے چچے　　۲۔ والدین کے ماموں　　۳۔ ان کی اولادیں

۴۔ میت کے دادا، دادی کے چچے　　۵۔ دادا، دادی کے ماموں　　۶۔ ان کی اولادیں

عصبات کی طرح ان کے وارث بننے کی ترتیب بھی یہی رہے گی یعنی اولاً میت کے والدین کے چچے پھر ماموں پھر ان کی اولادیں، علی ہذا القیاس۔ نیز اگر مذکورہ ورثاء میں صرف ایک وارث ہے تو کل مال کا وہی مستحق ہوگا اور اگر ایک سے زائد ہوں اور جہت رشتہ بھی ایک ہی ہو مثلاً: سب باپ کی جانب سے ہوں یا سب ماں کی جانب سے ہوں تو جو قوت قرابت میں قوی ہوگا وہی وارث ہوگا اور اگر سب قوت درجہ وقوت قرابت میں برابر ہوں تو ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے مطابق تقسیم ہوگی اور اگر جہت رشتہ مختلف ہے تو باپ کے قرابتداروں کو دو تہائی اور ماں کے قرابتداروں کو ایک تہائی ملے گا۔

❀❀❀

فصل فی الخنثی

للخُنثٰی المُشکل أقلّ النّصِیبیْن أعنِی أسوءَ الحالیْن عندَ أبِی حنِیفَة رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعالی وأصحابِهٖ وھُوَ قولُ عـامّةِ الصّحابةِ رَضِی اللّٰهُ تَعالی عنهُم وَعلیهِ الفَتوٰی کمَا اِذا تَرَكَ ابنًا وبنتًا و خُنثٰی للخُنثی نصیبُ بنتٍ لأنّه مُتیقّنٌ

ترجمہ: خنثیٰ مشکل کے لئے دوحصوں میں سے کمتر حصہ ہے یعنی خنثیٰ کو مرد اور عورت فرض کرنے کی صورت میں جو بری صورت ہو وہی خنثیٰ کے لئے ہے امام اعظم اور آپ کے اصحاب کے نزدیک اور جمہور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اسی کے قائل ہیں اور فتویٰ بھی اس پر ہی ہے جیسا کہ جب کوئی شخص بیٹا، بیٹی اور ایک خنثیٰ چھوڑ کے مرا تو خنثیٰ کے لئے ایک بیٹی جتنا حصہ ہے کیونکہ یہی حصہ یقینی ہے۔

تشریح: خنثیٰ بروزن فعلی "خنث" سے مشتق ہے اس کی جمع خناثی آتی ہے جس طرح حبلی کی جمع حبالی آتی ہے، اس کا لغوی معنی نرمی، تکسر اور انعطاف یعنی کپڑے کی طرح تہہ کر کے موڑنا ہے، اور اصطلاح میں اس سے وہ انسان مراد ہے جس میں مذکر و مؤنث دونوں کے مخصوص اعضاء پائے جاتے ہوں یا پھر دونوں موجود نہ ہوں تو ایسے انسان کو مخنث کہا جاتا ہے، چونکہ میراث کے باب میں مخنث کے احکام دیگر عام انسانوں سے کچھ مختلف ہوتے ہیں اس لیئے مصنف نے خالص مرد اور خالص عورتوں کے احکام سے فارغ ہونے کے بعد اسے علیحدہ سے ذکر کیا ہے، البتہ مصنف نے یہاں مخنثین میں سے صرف خنثیٰ مشکل کے احکام ذکر کیئے ہیں، کیونکہ اگر کسی مخنث میں دونوں طرح کے اعضاء موجود ہوں لیکن وہ مردانہ عضو سے پیشاب کرتا ہے تو وہ مرد کے حکم میں ہے اور اگر زنانہ عضو سے پیشاب کرتا ہے تو عورت کے حکم میں ہے اور اگر دونوں سے کرتا ہے تو پھر جس عضو سے پہلے کرتا ہے اسی کا حکم دیا جائے گا، لیکن اگر دونوں عضو سے بیک وقت ایک ساتھ کرتا ہے تو اس کو خنثیٰ مشکل کہا جاتا ہے کیونکہ ایسے مخنث کے مرد اور عورت ہونے کا فیصلہ مشکل ہے چنانچہ اسکے احکام مختلف ہونے کی وجہ سے مصنف نے صرف اسی کا ذکر کیا ہے، جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کے تلامذہ کے نزدیک اگر خنثیٰ مشکل کو مرد اور عورت مان کر حصہ دیا جائے تو جس صورت میں وہ کمتر حصہ پائے گا وہی دیا جائے گا یعنی اگر وہ مرد ہونے کی صورت میں زیادہ حصہ پاتا ہے تو اسے عورت کا حصہ دیا جائے گا اور اگر عورت ہونے کی صورت میں زیادہ حاصل کرتا ہے تو مرد کا حصہ دیا جائے گا لیکن اگر ایک صورت میں حصہ پاتا ہے اور ایک میں محروم رہتا ہے تو اسے محروم کر دیا جائے گا، جیسا کہ درج ذیل صورت سے واضح ہے۔

مثال: مسئلہ ۴

میت

بیٹا	بیٹی	خنثی مشکل
۲	۱	۱

مذکورہ صورت میں خنثی مشکل کو اگر مذکر تسلیم کرلیا جاتا تو بیٹے ہونے کی صورت میں مسئلہ ۵ سے ہوتا اور یہ ۲ کا حقدار ہوتا، لیکن بیٹی کی صورت میں مسئلہ ۴ سے نکلتا ہے اور اسکے حصے میں محض ایک آتا ہے لہذا اسی صورت کو اختیار کیا گیا، مصنف کے اقل النصیبین اور اسوء الحالین کے کلمات کا یہی مفہوم ہے، نیز مصنف فرماتے ہیں کہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے اور فتویٰ بھی اسی قول پر دیا گیا ہے۔

وعِنْدَ الشَّعْبِی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَهُوَ قَوْلُ ابنِ عباسٍ رَضِیَ اللّٰه تَعَالٰی عَنْهُمَا للخُنْثٰی نصفُ نَصِیْبَیْنِ بِالْمُنَازَعَةِ

ترجمہ: حضرت امام شعبی کے نزدیک اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی قول ہے کہ خنثیٰ کے لئے منازعت کی وجہ سے دونوں (مذکر و مؤنث) حصوں سے نصف حصہ ہے۔

تشریح: حضرت امام عامر شعبی رضی اللہ عنہ جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شیخ الحدیث اور جلیل القدر تابعی ہیں ان کا کہنا ہے کہ خنثیٰ مشکل کو مرد اور عورت کے حصہ کا نصف نصف دیا جائے یعنی جو مرد کا حصہ ہے اس کا نصف اور جو عورت کا حصہ ہے اس کا نصف دونوں ملا کر خنثی کو دیا جائے، امام شعبی اس کی وجہ خنثیٰ اور دیگر ورثاء کے درمیان تنازعہ بتاتے ہیں، وہ اس طرح کہ تقسیم ترکہ کے وقت خنثیٰ اپنے آپ کو مردوں میں شمار کر کے حصہ لینا چاہے گا جبکہ دیگر ورثاء اسے عورت کا حصہ دینے پر بضد ہونگے لہذا اس تنازع کو حل کرنے کے لیئے امام شعبی نے یہ صورت اختیار کی کہ خنثیٰ کو ذکورت و انوثت دونوں حالتوں میں سے نصف نصف دے دیا جائے تا کہ یہ جھگڑا رفع ہو جائے، یاد رہے امام شعبی اس مسئلہ میں تنہا نہیں ہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، امام ثوری، امام اوزاعی اور دیگر کئی علماء بھی اسی کے قائل ہیں، تاہم امام اعظم اور آپ کے تلامذہ نے یہ کہہ کر امام شعبی کے مذہب سے اختلاف کرلیا کہ اگر خنثیٰ کو مرد اور عورت کا نصف حصہ دیا جائے تو پھر ایک ہی حکم یعنی مستحق میراث ہونے میں دو متضاد صفات یعنی ذکورت و انوثت جمع ہو جائیں گی حالانکہ یہ محال ہے اس لیئے اسے اقل النصیبین ہی دینا چاہئے جو کہ یقینی ہے۔

وَاختَلفَا فِى تَخرِيج قولِ الشّعبى قالَ أبويوسُفَ رَحِمَه اللّٰهُ تعالى لِلابنِ سِهُمٌ ولِلبنتِ نصفُ سِهمٍ وللخُنثى ثلثةُ اربَاع سِهم لأنّ الخُنثى يستحِقّ سِهمًا اِنْ كان ذكرًا أو نصفَ سِهمٍ اِن كان أنثى وهذَا مُتيقّنٌ فياخذُ نصفَ النّصِيبَيْنِ أو النّصفَ المُتيقّن مَعَ نصفِ النصفِ التنازُع فِيْه فصَارت لهٗ ثلثةُ اربا ع سِهم ومجموعُ الأنصباء سِهمان ورُبع سهمٍ لأنه يَعتبرُ السِّهامَ والعَولَ تَصِحّ مِن تِسعةٍ أو نَقولُ لَو كَانَ الخُنثى مُنفَرِدًا يستحِقّ جميعَ المالِ اِنْ كانَ ذكرًا ونِصفَ المَالِ اِن كانَ أنثى فلهٗ نصفُهُما وهُوَ ثلثةُ أرباع المالِ وَلِلابنِ مالٌ وللبِنتِ نصفُ مالٍ مجمُوعُهما مَالان ورُبع مالٍ عَولًا ومُضارَبةً تَصِحّ مِنْ تسعةٍ أو نَقولُ لِلابنِ سِهمَان وللبنتِ سهمٌ وللخُنثى نصفُ النَصِيبَينِ وهُوَ سِهمٌ ونِصفُ سِهمٍ

ترجمہ: اور قول شعبی کی تخریج میں صاحبین نے اختلاف کیا ہے امام ابو یوسف فرماتے ہے بیٹے کا ایک حصہ اور بیٹی کا نصف حصہ ہے جبکہ خنثیٰ کے لئے چار میں سے تین حصے ہیں اس لئے کہ خنثیٰ اگر مذکر ہوتا تو پورا ایک حصے کا مستحق ہوتا اور اگر مؤنث ہوتا تو نصف لیتا اور یہ حصہ تو یقینی طور پر ہے چنانچہ دونوں حصوں میں سے نصف لے گا یا نصف یقینی ایسے نصف کے نصف کے ساتھ لے گا جو متنازعہ فیہ ہے لہذا اس کے لئے چار میں سے تین حصے حاصل ہونگے مجموعی طور پر کل حصے دو اور چوتھائی یعنی (سوا دو حصے) ہیں اس لئے امام ابو یوسف حصوں اور عمل دونوں کا اعتبار کرتے ہیں چنانچہ مسئلہ نو سے تصحیح ہوگا یا بالفاظ دیگر ہم یوں کہتے ہیں کہ بیٹے کے لئے دو اور بیٹی کے لئے ایک حصہ ہے جبکہ خنثیٰ ان دونوں حصوں کا نصف لے گا جو کہ ڈیڑھ حصہ بنتا ہے۔

تشریح: چونکہ امام شعبی کے قول: للخنثیٰ نصیبین بالمنازعة میں کچھ ابہام تھا اس لیئے اس کی تخریج وتفصیل صاحبین نے بیان کی ہے تاہم دونوں بزرگوں کی تخریج میں کچھ اختلاف ہے، امام ابو یوسف اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں کہ مثلاً: میت کے ورثاء میں ایک بیٹا، ایک بیٹی اور ایک خنثیٰ مشکل ہیں، ان میں سے بیٹے کو ایک، بیٹی کو نصف اور جبکہ خنثیٰ کو ایک حصے کو چار حصے کر کے ان میں سے تین حصے دیئے جائیں گے۔

کیونکہ خنثیٰ اگر مرد ہوتا تو پورے ایک حصے کا مالک ہوتا ہے اور اگر عورت ہوتا تو نصف کا یقینی مستحق بنتا لہذا گزشتہ مذکورہ تنازعہ سے بچتے ہوئے اسے دونوں کا نصف، نصف دے دیا گیا، یا اسکو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ خنثیٰ نصف کا تو یقینی طور پر مستحق ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ذکورت خواہ انوثت کی حالت میں اس سے کم کا مستحق نہیں ہے، البتہ بقیہ نصف جس میں خنثیٰ اور دیگر ورثاء کا اختلاف ہے اس میں سے بھی خنثیٰ کو نصف دیا جائے گا، تا کہ اختلاف رفع ہو جائے چنانچہ اب خنثیٰ کو نصف یقینی اور باقی ماندہ کے نصف کا نصف دیا گیا، یہ کل ملا کر تین ربع ہوئے کیونکہ اس مسئلے میں نصف النصف کی کسر اور نصف النصف ربع ہوتا ، اب اس صورت میں تمام ورثاء کے مجموعی طور پر کل سوا دو حصے ہوئے جن میں سے بیٹے کا

ایک بیٹی کو نصف اور خنثیٰ کو بقیہ تین حصے ملے، جس کی صورت یہ ہے۔

مثال: مسئلہ ۹

میت

بیٹا	بیٹی	خنثیٰ
۲/۴	۱/۲	۱/۲/۳

چونکہ امام ابو یوسف کے نزدیک حصوں اور عول (کسور) کا اعتبار ہوتا ہے لہذا مسئلہ کی تصحیح ۹ سے ہوگی، یاد رہے یہاں اصطلاحی عول مراد نہیں بلکہ ہر حصے کے کسور مراد ہیں جیسے بیٹے کا ایک حصہ ہے جس کے چار کسور ہیں، بیٹی کے نصف کے دو اور خنثیٰ کے تین ہیں کل ملا کر یہ نو ۹ ہوئے ان میں ہر کسر کو کامل ایک حصہ مان کر ۹ سے تصحیح کی، جن میں سے ۴ بیٹے، ۲ بیٹی اور ۳ خنثیٰ کو ملے، یا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بیٹی کے مقابل بیٹا ۲ اور بیٹی ایک حصہ لے گی جبکہ خنثیٰ ان دونوں کا نصف نصف لے گا جو کہ ڈیڑھ بنتا ہے۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى يَاخذُ الخُنثى خُمُسَى المالِ اِنْ كان ذكرًا أو رُبعَ المالِ اِنْ كانَ أنثى فياخُذُ نصفَ النصيبَين وذَالِك خُمُسٌ وثُمنٌ باعتبارِ الحَالَين وتَصِحُّ مِن أربعِين وهُوَ المُجتَمعُ مِن ضربِ اِحدَى المَسْئَلتين وهِيَ الأربَعةِ فِي الأُخرىٰ وهُوَ الخَمسَةُ ثُمّ فِي الحَالَتَين فمَنْ كانَ لهُ شئٌ مِن الخَمسَةِ فمَضرُوبٌ فِي الأربعةِ ومَنْ كان لهُ شئٌ مِن الأربعةِ فمَضروبٌ فِي الخَمسةِ فصَارتُ للخُنثى مِنَ الضَّربَين ثلثةَ عشرَ سِهمًا ولِلابنِ ثمانيةَ عشرَ سِهمًا وللبنتِ تسعةُ أسهمٍ۔

ترجمہ: اور امام محمد مذکورہ صورت میں فرماتے ہیں کہ خنثیٰ مال کے دو خمس لیتا اگر مذکر ہوتا اور مال کا ربع لیتا اگر مؤنث ہوتا چنانچہ خنثیٰ ہونے کی صورت میں دونوں حصوں کا نصف لے گا اور یہ خمس اور ثمن ہے جو دونوں حالتوں کے اعتبار سے ہے اور مسئلے کی تصحیح چالیس سے ہوگی اور یہ چالیس کا مجموعہ ہے جو دو مسئلوں کو ایک دوسرے میں ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے یعنی ایک مسئلہ چار ہے جس کو دوسرے مسئلہ پانچ میں ضرب دی جائے گی پھر یہ ضرب دو حالتوں میں ہے چنانچہ جس کو پانچ سے ملا ہے اسے چار میں ضرب دی جائے اور جس کو چار سے ملا ہے اسے پانچ میں ضرب دی جائے لہذا دونوں ضربوں سے خنثیٰ کے لئے تیرہ حصے ہو جائیں گے اور بیٹے کے اٹھارہ جبکہ بیٹی کے نو حصے ہونگے۔

تشریح: حضرت امام محمد امام شعبی کے قول کی تخریج و تفصیل یوں فرماتے ہیں کہ اگر خنثیٰ کو مذکر مان لیا جائے تو ایسی

صورت میں کل مال کے دوخمس کا حقدار ہوگا کیونکہ ورثاء میں ایک بیٹے کے بجائے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہو جائیں گے، لہذا مسئلہ ۵ سے ہوگا، جن میں سے ۲ ایک بیٹے، ۲ (خمس) خنثیٰ (جسے بیٹا تسلیم کیا گیا ہے) کو ملے اور ایک بیٹی کو حاصل ہوا۔

اور اگر خنثی کو مؤنث مان لیا جائے تو کل مال کا ربع لے گا کیونکہ ایسی صورت میں ورثاء میں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہونگیں چنانچہ مسئلہ ۴ سے ہوگا بیٹے کو دو اور بیٹی کو ایک یعنی ربع ملے گا یعنی خنثی یہاں ربع لے گا اب دونوں صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے خنثی کو خنثی ہی کی حیثیت میں دونوں یعنی مذکر و مؤنث کا نصف نصف ملے گا چنانچہ مذکر کے دوخمس میں سے نصف یعنی ایک خمس اور مؤنث کے ربع کا نصف یعنی ثمن دیا جائے گا، اب خمس کا مخرج ۵ اور ثمن کا مخرج ۸ ہے ۵ کو ۸ میں ضرب دینے سے ۴۰ حاصل ہوئے، اسی سے مسئلے کی تصحیح ہوگی جس کی تفصیل یوں ہے کہ خنثی کو مذکر اور مؤنث ماننے کی صورت میں اسے جو کچھ ملا ہے اسے ایک مرتبہ پھر نقشوں کی صورت میں ملاحظ کیجئے۔

نقشہ مذکر مثال: مسئلہ ۵ تصـ من ۴۰

میت

بیٹا	خنثی	بیٹی
۲	۲	۱
۸	۸	۴

نقشہ مؤنث مثال: مسئلہ ۴

میت

	بیٹا	خنثی	بیٹی
	۲	۱	۱
	۱۰	۵	۵
کل مجموعہ:	۱۸	۱۳	۹

مذکورہ صورت میں خنثی کو مذکر فرض کرنے کی صورت میں اصل مسئلہ ۵ میں سے دو (خمس) ملے جبکہ مؤنث فرض کرنے سے اصل مسئلہ میں سے ایک یعنی ربع ملا بسواب خمس کے ۵ کو ربع کے مخرج ۴ میں ضرب دینے سے ۲۰ حاصل ہوئے پھر ۲۰ کو ذکورۃ وانوثت کی ۲ حالتوں میں ضرب دینے سے ۴۰ حاصل ہوئے جس سے مسئلے کی تصحیح ہوئی چنانچہ نقشہ مذکر میں اصل مسئلہ ۵ سے بیٹے کو ۲ حاصل ہوئے تھے ان ۲ کو نقشہ مؤنث کے اصل مسئلے ۴ میں ضرب دیا تو ۸ ہوئے خنثی کو بھی ۲ ملے تھے اسے بھی ۴ میں ضرب دینے سے ۸ حاصل ہوئے جبکہ بیٹی کو ایک حاصل تھا چنانچہ اسے ۴ حاصل ہوئے اور نقشہ مؤنث میں بیٹے کو ۲ ملے ہیں جسے نقشہ مذکر کے اصل مسئلہ ۵ میں ضرب دینے سے ۱۰ ہوئے، جو اسے دیئے گئے جبکہ خنثیٰ اور بیٹی کو ایک ایک ملا تھا جنھیں

۵ میں ضرب دینے کے بعد دونوں کو ۵۔۵ حاصل ہوئے بعد ازاں جب دونوں حالتوں (نقشوں) کے حصے جمع کیئے گئے تو بیٹے کو ۱۸ خنثی کو ۱۳ اور بیٹی کو ۹ حاصل ہوئے جن کا مجموعہ ۴۰ ہوا۔

اب اگر آپ غور سے ملاحظ فرمائیں گے تو جو خنثیٰ کو ۴۰ سے ۱۳ حاصل ہوئے ہیں یہ وہی ۴۰ کا خمس ۸ اور ثمن ۵ ہیں جو درحقیقت ذکورت اور انونث دونوں حالتوں کا نصف نصف ہے کیونکہ ذکورت میں خنثیٰ کو دو خمس ۱۶ مل رہے ہیں جس کا نصف ۸ بنتا ہے اور انونث میں ۱۰ حاصل ہو رہے ہیں جن کا نصف ۵ ہے۔

فصل فی الحمل

اَکْثَرُ مدةِ الحَمْلِ سَنَتَانِ عِنْدَ أبی حنیفةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وعندَ لیثِ ابنِ سعدٍ ثَلٰثُ سِنِیْنَ وعِنْدَ الشَّافعی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی أربعُ سنِیْنَ وعِنْدَ الزُّهْری سبْعُ سِنِیْنَ وأقَلُّها ستةُ أشْهُرٍ ویُوْقَفُ للحَمْلِ عندَ أبی حنیفة رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نصیبُ أربعةِ بنِیْنَ أو أربعِ بناتٍ أیُّهُمَا أکْثَرُ ویُعْطٰی لبَقیةِ الوَرِثَةِ أقلُّ الأنْصباء وعندَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی یُوْقَفُ نصیبُ ثلثةِ بَنِیْنَ أو ثلثِ بناتٍ أیُّهُمَا أکْثَرُ رَوَاه لیثُ بنُ سعدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وفِی روایةٍ أُخرٰی نصیبُ ابنَیْنِ وهُوَ قولُ الحَسَنِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی و اِحْدَی الرِّوایتَیْنِ عَنْ أبی یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی رَوَاه عَنْهُ هشّام رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی و روٰی الخَصّافُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْ أبی یُوْسفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی أنّه یُوْقَفُ نصیبُ ابنُ واحدٍ أو بنتٍ واحدةٍ وَعلیهِ الفَتْوٰی

ترجمہ: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے، لیث بن سعد کے نزدیک تین سال، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چار سال اور زہری کے نزدیک سات سال ہے، اور حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور امام اعظم کے نزدیک حمل کے لئے چار بیٹوں یا چار بیٹیوں کے حصوں میں سے جو زیادہ ہوگا وہی رکھا جائے گا. اور باقی ماندہ کمتر حصے ورثاء کے لئے ہیں اور امام محمد کے نزدیک وہ حصہ رکھا جائے گا جو تین بیٹوں یا تین بیٹیوں کے حصوں میں سے زیادہ ہوگا، امام محمد کے اس قول کو لیث بن سعد نے روایت کیا ہے جبکہ امام محمد کی ایک اور روایت میں ہے کہ حمل کے لئے دو بیٹوں کا ہی حصہ رکھا جائے گا یہی قول امام حسن کا بھی ہے اور امام ابو یوسف کی روایتوں میں سے ایک روایت بھی یہی ہے جسے ہشام نے روایت کیا ہے اور خصاف نے امام ابو یوسف سے روایت کیا ہے کہ حمل کے لئے ایک بیٹے اور ایک بیٹی کا حصہ رکھا جائے گا فتوی اسی قول پر ہے۔

تشریح: متن میں دو باتیں مذکور ہیں اولاً حمل کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کیا ہے چنانچہ کم از کم چھ ماہ کی مدت پر تمام ائمہ کا اتفاق منقول ہے جبکہ زیادہ سے زیادہ مدت میں اختلاف ہے جو متن سے واضح ہے ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ اور

آپ کے اصحاب کے نزدیک یہ مدت دو سال ہے جس کی دلیل بیہقی میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے کہ **ما تزید المرأة فی الحمل علی سنتین**[1] یعنی ''عورت دو سال سے زیادہ حاملہ نہیں ہوتی''

ثانیاً اس بات کا ذکر ہے کہ تقسیم ترکہ کے وقت حمل میں کتنے بچے مان کر حصہ موقوف کیا جائے نیز انہیں مذکر فرض کیا جائے یا مؤنث چنانچہ اس میں خود ائمہ احناف کے مابین اختلاف واقع ہوا ہے، امام اعظم کے نزدیک حمل کے لیئے چار بیٹوں یا چار بیٹیوں کا حصہ موقوف رکھا جائے یعنی اگر چار بیٹے فرض کرنے سے زیادہ حصہ حاصل ہوتا ہے تو بیٹے مان لیئے جائیں گے اور اگر چار بیٹیاں فرض کرنے سے زیادہ حصہ مل رہا ہے تو بیٹیاں فرض کی جائیں گی، جبکہ امام محمد کے نزدیک یہ تعداد تین ہے لہذا اگر تین بیٹوں کی صورت میں زیادہ حصہ پائیں گے تو بیٹے فرض کر لیئے جائیں گے اور اگر تین بیٹیوں کی صورت میں زیادہ حصہ مل رہا ہے تو تین بیٹیاں فرض ہونگیں اور امام محمد ہی سے ایک اور روایت میں تین کے بجائے دو کی تعداد منقول ہے یہی قول امام حسن بصری رحمہ اللہ کا بھی ہے، نیز ہشام نے جو امام ابو یوسف سے روایت نقل کی ہے اس میں بھی دو بیٹوں اور دو بیٹیوں کا ذکر ہے البتہ امام ابو یوسف سے خصاف نے جو روایت نقل کی ہے اس میں حمل کے لیئے ایک بیٹے اور ایک بیٹی جتنا حصہ رکھنے کا ذکر ہے کیونکہ اکثر وبیشتر ایک حمل سے ایک ہی بچہ پیدا ہوا کرتا ہے لہذا احناف کے نزدیک مفتی بہ قول بھی یہی ہے۔

فائدہ: امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک حمل کے لئے چار بچوں کی تعداد اس لئے ہے کہ ایک ہی حمل سے چار بچوں کا پیدا ہونا ممکن ہے بلکہ واقع ہے جیسا کہ آئے دن اخبارات میں اس طرح کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں، کتاب الفرات میں ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے استاذ کے بیس بیٹے تھے جو صرف پانچ حمل میں پیدا ہوئے تھے یعنی ہر مرتبہ چار بیٹے پیدا ہوئے[2]

وَيُؤخَذُ الكَفِيلُ عَلى قَوْلِهٖ

ترجمہ: اور امام ابو یوسف کے قول پر دیگر ورثاء سے ضامن لیا جائے گا۔

تشریح: پہلے معلوم ہو چکا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک حمل کے لئے ایک بیٹے اور ایک بیٹی کا حصہ موقوف کیا جائے گا تاہم ایک سے زیادہ بچے پیدا ہونے کے امکانات بھی ہوتے ہیں اس لئے آپ کے نزدیک دیگر ورثاء سے اس بات کی ضمانت لی جائے گی کہ اگر ایک سے زائد بچے ہوئے یا موقوف حصے سے زیادہ کا حقدار بچہ پیدا ہوا تو یہ لوگ اپنے حصے واپس کر دینگے تاکہ نومولود کو ان کے ساتھ ملا کر دوبارہ سے ترکہ تقسیم کیا جائے۔

[1] سنن کبری بیہقی، باب ماجاء فی اکثر الحمل، ج ۷ ص ۴۴۳

[2] شریفیہ، ص ۱۳۱

فائدہ: ایک قول کے مطابق احتیاطاً ضمانت کے مسئلہ میں طرفین کے نزدیک بھی ضامن لیا جائے گا کمافی شریفیہ شرح سراجیہ [1]

فَاِنْ كَانَ الحَمْلُ مِنَ المَيِّتِ وجاءَتْ بِالوَلَدِ لِتَمامِ أكثرِ مدةِ الحَمْلِ أو أقَلّ منهُمَا ولَمْ تَكُنْ أقَرّت بِانْقِضَاءِ العِدّة ويُوْرَثُ عنهُ وَاِن جاءَتْ بالوَلَدِ لأكثرَ مِن أكثرِ مدةِ الحَمل لا يَرِثُ ولا يُوْرثُ اِنْ كَانَ مِنْ غَيرِهِ وجاءَتْ بِالوَلَدِ لِسِتّةِ أشهُرٍ أو أقَلَّ منهَا يَرِثُ وَاِنْ جاءَتْ بِهِ لأكثرَ مِنْ أقَلِّ مدةِ الحَمْلِ لَا يَرِثُ

ترجمہ: اگر حمل میت سے ہو اور عورت نے بچہ جن لیا اکثر مدت حمل میں یا اس سے کمتر میں اور عورت نے مدت گزرنے کا اقرار نہیں کیا تو یہ بچہ وارث ہوگا اور دوسرے اس بچے کے وارث ہونگیں اور اگر اکثر مدت حمل کے بعد بچہ جنا تو نہ بچہ وارث ہوگا اور نہ اس کا کوئی وارث ہوگا. اور اگر حمل میت کے علاوہ کسی اور کا ہو اور عورت نے چھ ماہ یا اس کمتر میں بچہ جنا تو بچہ وارث ہوگا اور اگر کمتر مدت حمل سے زیادہ میں جنا تو وارث نہ ہوگا۔

تشریح: حمل کی دو صورتیں ہیں:۔

۱۔ حمل میت سے ہوگا بایں طور کہ میت حاملہ بیوی چھوڑ کر انتقال کر گیا۔

۲۔ میت کے علاوہ کسی دوسرے رشتہ دار کا حمل ہوگا جو میت کا وارث بن سکتا ہو۔

پہلی صورت میں عورت نے دو سال یا کم مدت میں بچہ جن لیا اور ابھی تک عدت گزرنے کا اقرار بھی نہیں کیا تو یہ بچہ میت اور دیگر رشتہ داروں کا وارث ہوگا اور اس کے مرنے کے بعد دوسرے لوگ بھی اس کے مال کے وارث ہونگے، اور اگر مدت حمل یعنی دو سال پورے ہونے کے بعد بچہ پیدا ہوا تو نہ یہ کسی کا وارث ہوگا اور نہ کوئی دوسرا اس کا وارث ہوگا۔

دوسری صورت (حمل میت کے علاوہ) میں اگر عورت نے چھ ماہ یا اس سے کم تر مدت میں بچہ جنا تو یہ بچہ وارث بنے گا البتہ چھ ماہ کی مدت گزرنے کے بعد جنا تو وارث نہیں ہوگا۔

فَاِنْ خَرجَ أقَلُّ الولدِ ثُمّ مَاتَ لا يَرِثُ وإن خرجَ أكثرُهُ ثُمّ مَاتَ يَرِثُ فَاِنْ خَرجَ الولدُ مُسْتَقِيمًا فالمُعتَبَرُ صَدْرُه يَعْنِي اِذا خرجَ الصدرُ كلُّهُ يَرِثُ وَاِنْ خَرَجَ مَنْكوسًا فالمُعْتَبرُ سرتُهُ

ترجمہ: اگر بچہ تھوڑا سا نکلا پھر مرگیا تو وارث نہیں بنے گا اگر اکثر نکلا پھر مرگیا تو وارث بنے گا. اور اگر بچہ سیدھا (سر کی جانب

[1] شریفیہ، ص ۱۳۲

سے) نکلا تو اس کے سینے کا اعتبار ہوگا۔ یعنی جب اس کا پورا سینہ نکل آیا تو وارث ہوگا۔ اور اگر الٹا (پاؤں کی جانب سے) نکلا تو اس کی ناف کا اعتبار ہوگا۔

تشریح: حمل سے پیدا شدہ بچہ اس وقت وارث کہلائے گا جب وہ زندہ پیدا ہو، امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بچے کے زندہ ہونے کی علامات میں سے یہ ہے کہ وہ روئے، آنکھیں کھولے، جمائی لے، چھینکے، اعضاء کو حرکت دے یا ماں کے پستان لے وغیرہ، اسی کے قائل امام شافعی، امام ثوری اور امام اوزاعی رحمہم اللہ ہیں جبکہ امام حسن بصری، امام شعبی اور امام نخعی رحمہم اللہ پیدائش کے وقت رونے کو شرط قرار دیتے ہیں۔

اور اگر دوران پیدائش بچہ ابھی پورا خارج نہیں ہوا تھا کہ مر گیا تو احناف کے نزدیک اسے زندہ تسلیم کرنے کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر سر کی جانب سے نکلا تو سینے کا اعتبار ہوگا، اس سے پہلے مرنے کی صورت میں وارث نہیں ہوگا اور اگر پاؤں کی جانب سے نکلا تو ناف کا اعتبار ہوگا لہذا پہلے بھی مرنے کی صورت میں وارث نہیں ہوگا۔

الأَصلُ فِی تصحِیح مسائلِ الحمْلِ اِن تصِحّ المسئلةُ عَلى تقدِيرَين أعْنِى عَلى تقديرِ أنّ الحملَ ذكرٌ و عَلى تقديرِ أنّه أنثى ثُمّ يُنظر بيْنَ تصحِيْحَى المَسْئلتَين فاِنْ توافُقًا بجزءٍ فاضرِبْ وفقَ أحدِهما فِى جَمِيعِ الآخرِ واِنْ تبايُنًا فاضرِبْ كلَّ واحدٍ منْهُمَا فِى جمِيعِ الآخرِ فالحَاصلُ تصحِيْح المسئلةِ ثُمّ اضرِبْ نصيبَ مَنْ كانَ لهُ شئٌ مِن مسئلةِ ذكورتِهٖ فِى مسئلةِ أنوثتِهٖ أو فِى وفقِها ومَنْ كانَ لهُ شئٌ مِن مسئلةِ أنوثتِهٖ فِى مسئلةِ ذكورتِهٖ أو فِى وفقِهَا كمَا فِى الخُنثٰى ثُمّ انْظُرْ فِى الحَاصِلَين مِن الضّربِ اَيّهُمَا أقلُّ يُعطٰى لِذَالكَ الوَارثِ والفَضلُ الّذى بَيْنَهما مَوْقُوفٌ مِن نصيبِ ذَالِكَ الوارثِ فاِذَا ظَهَر الحملُ فاِنْ كانَ مستحِقًّا لجمِيعِ المَوقوفِ فبِهَا واِنْ كانَ مستحِقًّا لِلْبعضِ فيَاخذُ ذَالِكَ وَالبَاقِى مقْسُومٌ بيْنَ الوَرثَةِ يُعْطٰى لِكُلّ واحدٍ مِن الوَرثَةِ مَا كَان مَوْقُوفًا مِن نصِيبِهٖ

ترجمہ: مسائل حمل کی تصحیح میں اصل یہ ہے کہ مسئلہ کی تصحیح دونوں تقدیروں پر کی جائے یعنی ایک اس تقدیر پر کہ حمل مذکر ہے اور دوسرا اس تقدیر پر کہ حمل مؤنث ہے بعد ازاں دونوں مسئلوں کی تصحیح میں نظر کی جائے چنانچہ دونوں میں اگر کسی جزو کے ساتھ نسبت توافق ہو تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کے جمیع میں ضرب دو اور اگر دونوں میں تباین ہو تو دونوں میں سے ایک کے کل کو دوسرے کے جمیع میں ضرب دو، پس حاصل ضرب مسئلہ کی تصحیح ہوگی. پھر جس کو مذکر کی تقدیر پر جتنا ملا ہے. اسے مسئلہ (تباین کی صورت میں انوثت یا توافق کی صورت میں) اسکے وفق میں ضرب دو۔ اور جس کو مؤنث کی تقدیر پر جتنا ملا ہے اسے (تباین کی صورت میں) مسئلہ ذکورت یا (توافق کی صورت میں) اسکے وفق میں ضرب دو جیسا کہ مسئلہ خنثیٰ میں ہوتا

ہے پھر دونوں حاصل ضرب میں نظر کی جائے کہ ان میں سے کون سا کمتر ہے وہی اس وارث کو دیا جائے۔ اور جو ان دونوں سے زائد بچا ہوا سے موقوف رکھا جائے پھر جب حمل ظاہر ہو جائے تو اگر وہ جمیع موقوف رکھے ہوئے مال کا مستحق ہے تو وہ اسی کا ہے اور اگر وہ بعض کا مستحق ہے تو صرف اتنا ہی لے گا اور باقی ماندہ باقی ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگا۔ چنانچہ پر وارث کو اتنا ہی دیا جائے گا جتنا اس کے حصے سے موقوف رکھا گیا تھا۔

تشریح: صاحب کتاب حضرت علامہ سجاوندی رحمہ اللہ نے یہاں مسائل حمل کی تصحیح کر کے حمل کا حصہ نکالنے کا قاعدہ بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً حمل کو مذکر فرض کر کے مخرج مسئلہ محفوظ کیا جائے، ثانیاً حمل کو مؤنث فرض کر کے مخرج مسئلہ نکالا جائے بعد ازاں دونوں مخرج مسئلوں کی تصحیح میں دیکھا جائے کہ نسبت توافق ہے یا تباین، اگر توافق ہے تو دونوں میں سے کسی ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دی جائے اور اگر نسبت تباین ہو تو کسی ایک کے کل کو دوسرے کے کل میں ضرب دی جائے، اب دونوں ضربوں کا ماحاصل دونوں کی تصحیح کہلائے گی، پھر ہر وارث کا حصہ نکالنے کا طریقہ کار یہ ہے کہ حمل کو مذکر فرض کرنے کی حالت میں جس وارث کو جتنا حصہ ملا ہے اسے تباین کی صورت میں مسئلہ انوثت کے کل میں ضرب دی جائے اور توافق کی صورت میں مسئلہء انوثت کے وفق میں ضرب دی جائے، اسی طرح حمل کو مؤنث فرض کرنے کی حالت میں جس وارث کو جتنا ملا ہے اسے تباین کی صورت میں مسئلہ ذکورت کے کل میں ضرب دی جائے اور توافق کی صورت میں مسئلہ ذکورت کے وفق میں ضرب دی جائے جیسا کہ خنثیٰ میں گزر چکا ہے، پھر دونوں ضربوں کے ماحاصل میں نظر کی جائے کہ ان میں سے کونسا حصہ کم ہے وہ اس وارث کو دیا جائے گا اور جو حصہ زائد بچ جائے اسے وضع حمل تک موقوف رکھا جائے پھر جب بچہ پیدا ہو جائے تو دیکھا جائے کہ وہ کل موقوف مال کا مستحق ہے یا نہیں اگر ہے تو فبہا سب اسی کا ہے اور باقی ورثاء جتنا لے چکے ہیں ان کے لئے بس اتنا ہی ہے اور اگر بچہ موقوف مال کے بعض کا مستحق ہے تو اسے اتنا ہی دیا جائے گا اور باقی ماندہ مال دیگر ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا چنانچہ جس وارث سے جتنا حصہ روک دیا گیا تھا اسے اتنا پورا کر کے دیا جائے گا۔

كَمَا إذا تَرَكَ بنتًا وأبوَيْن وامرأةً حاملًا فالمسئلةُ مِن أربعةٍ وَعِشْرِيْن على تقديرِ أنَّ الحمْلَ ذكرٌ ومِن سبعةٍ وعِشْرِيْن على تقديرِ أنّه أنثى فَاذا ضُرِبَ وفقُ أحدِهما فِي جَمِيعِ الآخرِ صَار الحَاصِلُ مِأتينِ وستّةَ عشرَ إذ عَلَى تقديرِ ذكُورَتِهِ لِلْمَرْأَةِ سبعةٌ وّعِشْرُون وللأبوَيْنِ لِكُلّ واحدٍ ستةٌ وعِشْرُوْنَ وَعلى تقديرِ أنُوثَتِهِ لِلْمَرأةِ أربعةٌ وّعِشرون ولِكُل واحدٍ مِن الأبَوَيْن اِثْنَان وّثَلثُونَ فتُعْطَى للمرأةِ أربعةٌ وّعِشرون وتُوقَفُ مِن نصيبِها ثلاثةُ أسْهمٍ ومِنْ نصيبِ كلّ واحدٍ مِنَ الأبوَيْن أربعةُ أسْهمٍ وتُعْطَى للبِنْتِ ثلثةَ عشرَ سهمًا لانَّ المَوقوفَ فِي حقّها نصيبُ أربعةِ بنينَ عِنْدَ أبِي حنِيفةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تعالىٰ

ترجمہ: جیسا کہ ایک میت کے ورثاء میں بیٹی، والدین اور حاملہ بیوی ہیں تو مسئلہ چوبیس سے ہوگا حمل کو مذکر فرض کرنے کی صورت میں اور مسئلہ ستائیس سے ہوگا حمل کو مؤنث فرض کرنے کی صورت میں پھر جب دونوں میں سے کسی ایک کے وفق کو دوسرے کے جمیع میں ضرب دی جائے تو حاصل ضرب دوسوسولہ ہوں گئے۔ چنانچہ حمل مذکر ہونے کی صورت میں بیوی کے لئے ستائیس حصے ہیں والدین میں سے ہرایک کو چھبیس ملیں گے اور حمل مؤنث ہونے کی صورت میں بیوی کے چوبیس اور ماں باپ میں سے ہرایک کے لئے بتیس ہوں گے۔ پھر بیوی کو چوبیس دیئے جائیں گے اور تین اس کے حصے سے موقوف رکھے جائیں گے۔ اور والدین میں سے ہرایک کے حصے سے چار موقوف رکھے جائیں گے۔ اور بیٹی کو تیرہ دئے جائیں گے اس لئے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بیٹی کے حق میں چار بیٹوں کے حصے موقوف رکھے جاتے ہیں۔

تشریح: متن میں دی ہوئی مثال کا نقشہ یہ ہے:۔

مسئلہ ۲۴×۹/۲۱۶ — برتقدیر مذکر

میت

بیوی	ماں	باپ	بیٹی	حمل (بیٹا)
۳	۴	۴	۱۳	
۲۷	۳۶	۳۶	۳۹	(۱۱۷) ۷۸

مسئلہ ۲۴ تعول الی ۲۷×۸/۲۱۶ — برتقدیر مؤنث

میت

بیوی	ماں	باپ	بیٹی	حمل (بیٹی)
۳	۴	۴	۸	۸
۲۴	۳۲	۳۲	۶۴	۶۴

صورت مذکورہ میں برتقدیر مذکر مسئلہ ۲۴ سے ہوا کیونکہ ثمن وسدس کا اجتماع ہے ۲۴ میں سے بیوی کو ۳ ماں، باپ کو ۴۔۴ ملے جنکا مجموعہ ۱۱ ہوا باقی ماندہ ۱۳ بیٹی اور حمل (فرضی لڑکا) کے لیے ہیں اور برتقدیر مؤنث بھی مسئلہ ۲۴ سے ہوکر ۲۷ تک عول ہوا جن میں سے بیوی کو ۳ ماں، باپ کو ۴۔۴ جبکہ اس صورت میں بیٹی کو حمل فرض کیا گیا ہے لہذا اب گویا کہ دو بیٹیاں ہیں جن میں سے ہرایک کو ۸۔۸ دیئے گئے، پھر چونکہ دو مسئلوں یعنی ۲۴ اور ۲۷ میں نسبت توافق بالثلث ہے اس لیے ۲۴ کے وفق ۸ کو ۲۷ میں ضرب دینے سے ۲۱۶ حاصل ہوئے، اور ۲۷ کے وفق ۹ کو ۲۴ میں ضرب دی تو پھر بھی ۲۱۶ حاصل ہوئے سو اب دونوں مسئلوں کی تصحیح ۲۱۶ سے ہوئی۔ بعدازاں دونوں صورتوں میں ورثاء کو اس طرح حصے دیے گئے کہ حالت ذکورت میں ہر وارث کے حاصل شدہ حصے کو حالت انوثت کی تصحیح کے وفق ۹ میں ضرب دی گی اور حالت انوثت میں ہر وارث کے حاصل شدہ حصے کو

حالت ذکورت کے وفق ۸ میں ضرب دی گئی مثلاً: بیوی کو حالت ذکورت میں ۳ ملے تھے جنہیں انوثت کی تصحیح کے وفق ۹ میں ضرب دینے سے ۲۷ حاصل ہوئے، پھراسی طرح ضرب دینے سے ماں، باپ کو ۳۶-۳۶ جبکہ بیٹی اور حمل (لڑکے) کو مشترکہ ۱۱۷ حصے حاصل ہوئے، جن میں سے بیٹی کو ۳۹ اور حمل (لڑکے) کو ۷۸ ملے۔ ایسے ہی حالت انوثت میں بیوی کو ۳ ملے تھے جنہیں حالت ذکورت کی تصحیح کے وفق ۸ میں ضرب دینے سے ۲۴ ہوئے پھر اس طریقے پر ضرب دینے سے ماں، باپ کو ۳۲-۳۲ جبکہ بیٹی اور حمل (لڑکی) میں سے ہر ایک کو ۶۴-۶۴ حاصل ہوئے، پھر دونوں حالتوں میں ہر وارث کے حصے کو دیکھا تو جس حالت میں کم تر حصہ پایا ہے وہی اسے دیا گیا مثلاً: بیوی کو حالت ذکورت میں ۲۷ اور حالت انوثت میں ۲۴ حاصل ہوئے تو ان میں سے کم تر حصہ ۲۴ بیوی کو دیا گیا جبکہ ۳ حصے موقوف رکھے گئے اسی طرح باقی ورثاء پر نظر ڈالی تو ماں، باپ کو ۳۲-۳۲ دیے اور ۴-۴ حصے موقوف رکھے گئے جبکہ بیٹی کو ۱۳ ملے، یاد رہے بیٹی کو ۱۳ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق دیئے گئے ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

وإذا كانَ البَنُونَ أَرْبعةً فنصِيبُها سِهمٌ وأربعةُ اتسَاعِ سهمٍ مِن أربعةٍ وَعشرِينَ مضروبٌ فِي تسعةٍ فصَارَ ثلاثةَ عشرَ سهمًا وهِيَ لها والبَاقِي مَوقوفٌ مِائةٌ وّخمسةَ عشرَ سهمًا فانُ ولدتُ بنتًا واحدةً أو أكثرَ فجميعُ المَوقوفِ للبَنَاتِ وإنُ ولدتُ ابنًا واحدًا أو أكثرَ فيُعْطَى لِلْمرأةِ وَالأبَوينِ مَا كَانَ مَوْقُوفًا مِن نصيبِهِمْ فَمَا بَقِيَ تُضَمّ اِلَيْه ثلثةَ عشرَ ويُقْسَم بينَ الأولادِ وَإن ولدتُ ولدًا ميتًا فيُعْطَى لِلْمَرأةِ والأبَوين مَا كَانَ مَوْقُوفًا مِن نصِيبِهمْ وللبنتُ اِلى تمامِ النّصفِ وهُوَ خمسةٌ وتِسْعُونَ سِهمًا والبَاقِي لِلأَبِ وهُوَ تسعةُ أسْهمٍ لانّه عصبةٌ۔

ترجمہ: اور جب بیٹے چار ہوں تو (چوبیس میں سے) بیٹی کا ایک حصہ ہے اور ایک حصے کے نو حصوں میں سے چار حصے ہیں جسے وفق ۹ میں ضرب دیا تو تیرہ حاصل ہوئے چنانچہ تیرہ بیٹی کے ہیں اور باقی ماندہ ایک سو پندرہ موقوف رکھے جائیں گے پھر اگر حاملہ نے ایک یا ایک سے زائد بیٹیاں جنی تو جمیع موقوف شدہ مال بیٹیوں کا ہوگا اور اگر ایک یا ایک سے زائد بیٹے جنے تو بیوی اور والدین کے حصوں سے جو کچھ موقوف کیا گیا تھا وہ انھیں دیا جائے گا بعد ازاں باقی ماندہ کے ساتھ تیرہ ملا کر بیٹا بیٹی پر ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ﴾ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ اور اگر حاملہ نے مردہ بچہ جنا تو بیوی اور والدین کا موقوف شدہ حصہ انھیں واپس دے دیا جائے گا۔ اور بیٹی کے لئے نصف پورا کیا جائے گا۔ جو پچانوے حصوں سے ہوگا اور باقی باپ کے لئے ہے جو نو حصے ہیں کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ بیٹی کو ۱۳ حصے ملیں گے کیونکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیٹی کے حق میں چار بیٹوں کا

حصہ موقوف رکھا جائے گا، جس کی وجہ یہ ہے کہ حالت ذکورت میں بیوی، ماں، باپ کو ۳۔۴۔۴ حصے ملے تھے جن کا مجموعہ ۱۱ ہوا لہذا اب ۲۴ میں سے ۱۳ بچے جو حمل اور بیٹی کے لئے ہے، اب اگر حمل کو چار بیٹے فرض کریں تو یہ چار بیٹے آٹھ بیٹیوں کے برابر ہوئے پھر اگر ان کے ساتھ مذکورہ بیٹی کو بھی ملایا جائے تو یہ کل نو بیٹیاں ہوئیں، سو اب ۲۴ سے ۱۳ بچے ہوئے حصے گویا ان نو بیٹیوں پر تقسیم کرنے ہیں جو اس طرح تقسیم ہوئے۔

یعنی بیٹی کو ۱ ۴/۹ حصہ ملا جسے حالت انوثت کی تصحیح کے وفق ۹ میں ضرب دینے سے ۱۳ ہوئے جو بیٹی کا حصہ ہے۔ ۱ ۴/۹ ‏ ۱۳/۹ ‏ ۴ ‏ ۹

ان ۱۳ کے ساتھ باقی تقسیم شدہ حصے یہ ہیں ۲۴۔۳۲۔۳۲۔۱۳ جن کا مجموعہ ۱۰۱ ہے، ۲۱۶ میں سے ۱۰۱ نکالنے کے بعد ۱۱۵ بچے جو موقوف شدہ حصے ہیں، اب اگر حاملہ بیوی نے ایک یا ایک سے زائد بیٹیاں جنیں تو تمام موقوف حصے بیٹیوں کے ہوں گے کیونکہ جب بیوی کو ۲۴ اور والدین کو ۳۲۔۳۲ حصے دیئے گئے جن کا مجموعہ ۸۸ ہوتا ہے، اس کے بعد حمل مؤنث ظاہر ہوا تو مذکورہ ورثاء کے ۸۸ حصے ۲۱۶ میں سے نکالنے کے بعد ۱۲۸ بچے جو بیٹیوں کے لئے ہے۔ اور اگر حاملہ نے ایک یا ایک سے زائد بیٹے جنے تو ماں کے ۳ اور والدین کے ۴۔۴ روکے ہوئے حصے انہیں واپس دیئے جائیں گے جن کا مجموعہ ۱۱ ہے، پھر ۱۱ اور ۸۸ کو جمع کیا تو ۹۹ ہوئے اور ۲۱۶ سے ۹۹ نکالنے کے بعد ۱۱۷ بچے جو اولاد پر ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ کے مطابق تقسیم ہوں گے، یہاں چونکہ اولاد میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے سو بیٹے کو ۷۸ اور بیٹی کو ۳۹ حاصل ہوئے۔

مذکورہ تفصیل بچہ زندہ پیدا ہونے کی صورت میں تھی لیکن اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو بیوی اور والدین کے موقوف شدہ حصے انہیں واپس دیئے جائیں گے جبکہ بیٹی کو نصف ملے گا اس لئے اس کو پہلے سے دیئے ہوئے ۱۳ کے ساتھ ۹۵ ملا کر دیئے جائیں گے جن کا مجموعہ ۱۰۸ بنتا ہے جو ۲۱۶ کا نصف ہے، ۱۱۷ میں سے ۱۰۸ نکالنے کے بعد ۹ بچے جو بطور عصبہ باپ کو دیئے جائیں گے۔

❀❀❀

ایک عجیب مسئلہ

چند عورتیں ایک بچہ کی نسبت مدعی ہوں ہر ایک کہے یہ میرا بیٹا ہے میرے بطن سے پیدا ہوا ہے' اور اس کا حال معلوم نہ ہو' اور وہ سب مدعیات اپنے اپنے دعوے پر شہادات شرعیہ قائم کر دیں اور کسی کو دوسری پر کوئی ترجیح نہ ہو تو قاضی مجبوراً ان سب کی طرف اسے منتسب کر دے گا' اور جب وہ مرے اور یہ عورتیں باقی رہیں تو بحکم تنازع وعدم ترجیح سب ایک سدس یا ثلث میں کہ سہم مادر ہے شریک ہو جائیں گی۔

(فتاوی رضویہ، ج ۲۶، ص ۲۴۰)

فصل فى المفقود

اَلْمَفْقُوْدُ حيٌّ فِي مالِهٖ حَتّٰى لايرِثُ مِنْهُ احدٌ وميتٌ فِي مالِ غيْرِهٖ حَتّٰى لايرِثُ مِن أحدٍ ويُوْقَفُ مالُهٗ حتّٰى يصِحّ موتُه أو تَمْضِي عليْهِ مدةٌ واخْتُلفَ الرّواياتُ فِي تِلكَ الْمُدّة ففِي ظاهِرِ الرّوايةِ أنّه اِذا لَمْ يَبْقَ احدٌ مِن اقْرانِه حُكِم بموتِهٖ و روٰى الحسنُ بنُ زيادٍ عنْ أبي حَنيفةَ رحمهُمَا اللّٰهُ تَعالى اِنّ تلكَ المدةَ مائةٌ وّعشرُوْنَ سنةً مِنْ يَوْمٍ وُلِدَ فِيْهِ المَفْقُوْدُ وقَالَ محَمّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِائةٌ وّعشرُ سنِيْنَ وقَالَ أَبُوْيوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مائةٌ وّخمسُ سِنِيْن وقَالَ بعضُهُمْ تِسْعُوْنَ سنةً وعليْهِ الفَتْوٰى وقَالَ بعضُهُمْ مالُ المَفْقُودِ مَوْقُوفٌ اِلى اجْتِهادِ الإمَامِ

ترجمہ: مفقود اپنے مال کے حق میں زندہ ہے یہاں تک کہ کوئی اس کا وارث نہ ہوگا اور دوسرے کے مال میں مردہ ہے یہاں تک کہ وہ کسی کا وارث نہیں کہلائے گا اور اس کا مال موقوف کر دیا جائے گا یہاں تک کہ اسکی موت درست خبر سے ثابت ہو جائے یا اس پر متعین مدت گزر جائے اور اس مدت کے تعین میں مختلف روایات منقول ہیں چنانچہ ظاہر الروایۃ میں ہے کہ جب مفقود کے ہم عمروں میں سے کوئی باقی نہ رہے تو اس پر موت کا حکم لگایا جائے گا اور حضرت حسن بن زیاد امام اعظم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ مدت مفقود کی یوم پیدائش سے لے کر ایک سو بیس سال تک ہے اور امام محمد نے فرمایا ایک سو دس سال اور امام ابو یوسف کے بقول ایک سو پانچ سال اور بعض علماء فرماتے ہیں یہ مدت نوے سال ہے اور فتویٰ بھی اسی قول پر ہے اور جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مفقود کا مال امام (حکمران) کے اجتہاد پر موقوف ہے۔

تشریح: مفقود ایسے غائب شخص کو کہا جاتا ہے جس کی حیات و ممات کا کچھ علم نہ ہو، احکام میراث میں اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اپنے مال کے حق میں زندہ سمجھا جائے گا جبکہ دوسروں کے مال میں مردہ تصور کیا جائے گا، اپنے مال میں زندہ ہونے کی دو شرائط ہیں یا تو اسکی موت کی تصدیق صحیح اور درست خبر سے ہو جائے یا اس پر معین مدت گزر جائے، معین مدت میں روایات مختلف ہیں جو متن میں مذکور ہیں البتہ مفتیٰ بہ قول، کے مطابق نوے سال تک مفقود کا انتظار کیا جائے گا[1] جبکہ عصر حاضر کے بعض علمائے احناف نے امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر زوجہ مفقود کی طرح میراث مفقود میں بھی چار سال کی مدت کا فتوی دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

نیز فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک مفقود کا مال امام وقت یعنی حکمران یا قاضی کے اجتہاد پر چھوڑ دیا جائے گا۔

[1] یعنی یوم پیدائش سے لے کر، چنانچہ اگر کوئی پچاس سال کی عمر میں غائب ہوا تو چالیس سال تک مزید اسکا انتظار کیا جائے گا۔۱۲ منہ عفی عنہ

وَمَوْقُوفُ الحُكْمِ فِي حقّ غيرِهٖ حتّٰى يُوْقَفُ نصيبُهٗ مِن مالِ مُوْرِثِهٖ كمَا فِي الحَمْلِ فإذَا مضَتِ المُدّةُ فمالُهٗ لِوَرَثِهِ المَوْجُوْدِين عندَ الحُكْمِ بمَوْتِهٖ ومَا كانَ مَوْقُوفًا لأجلِهٖ يُرَدّ إلى وارثِ مُوْرِثِهِ الّذِى وُقِفَ مالُهٗ

ترجمہ: اور مفقود دوسروں کے مال میں موقوف الحکم ہے یہاں تک کہ اس کا حصہ اس کے مورث کے مال سے موقوف رکھا جائے گا جیسا کہ حمل میں ہوتا ہے پھر جب مدت مکمل ہو جائے تو اس کا مال اس کے ورثاء کے لئے ہے جو موت کا حکم نافذ کرنے کے وقت زندہ موجود تھے اور جو حصہ اس کے لئے (بطور میراث) موقوف رکھا گیا تھا اس کو مورث کے ان ورثاء کی طرف لوٹا دیا جائے گا جن کے حصے سے کاٹ کر موقوف رکھا گیا تھا۔

تشریح: پہلے معلوم ہو چکا کہ مفقود دوسروں کے مال میں مردہ شمار ہوتا ہے یعنی اپنے اقارب میں سے کسی کا وارث نہیں بنے گا لیکن چونکہ اسکی موت کا حتمی علم نہیں، لہذا اس کے واپس آنے کا بھی احتمال باقی ہے، اس لئے مفقود دوسروں کے حق میں موقوف الحکم ہے، چنانچہ اس کا مورث سے ملنے والا حصہ مفتیٰ بہ قول نوے سال یا بعض عصر حاضر کے علماء کے بقول چار سال تک محفوظ رکھا جائے گا جیسا کہ حمل میں محفوظ رکھا جاتا ہے، پھر اگر دوران مدت معینہ واپس آ جائے یا اس کا ٹھکانہ معلوم ہو جائے تو اس کا اپنا موقوف شدہ مال اس کو لوٹا دیا جائے گا ورنہ مدت یعنی نوے سال گزر جانے کے بعد قاضی یا حاکم موت کا حکم دے دیگا اور اس حکم دینے کے وقت جتنے اس کے ورثاء زندہ ہونگے صرف وہی اسکے ذاتی مال کے مستحق ہونگے اس سے پہلے انتقال کر جانے والے ورثاء محروم رہیں گے اور جو مال مفقود کے لئے رکھا گیا تھا یعنی جو اسے بطور میراث ملا تھا وہ مورث کے ورثاء کو واپس لوٹا دیا جائے گا مفقود کے ورثاء اس سے محروم رہیں گے۔

وَالأصلُ فِي تصْحِيح مسائلِ المَفْقُوْدِ أنْ تُصَحّحَ المسئلةُ عَلى تقديرِ حياتِهٖ ثُمّ تُصَحّحَ عَلى تقدِيرِ وفاتِهٖ وبَاقِي العَمَل مَاذَكرْنا فِي الحَمْلِ۔

ترجمہ: اور مسائل مفقود میں تصحیح کا قاعدہ یہ ہے کہ مسئلہ کی تصحیح ایک مرتبہ بر تقدیر حیات کی جائے اور ایک مرتبہ بر تقدیر وفات کی جائے اور باقی عمل اسی طرح کیا جائے جس طرح ہم حمل میں بیان کر چکے ہیں۔

تشریح: مسائل حمل کی طرح مسائل مفقود میں بھی مسئلہ کی تصحیح دو تقدیروں پر ہوگی، ایک مرتبہ زندہ مان کر مسئلہ نکالا جائے گا اور ایک مرتبہ مردہ مان کر مسئلہ نکالا جائے گا۔ بعد ازاں دونوں مسئلوں میں نظر کی جائے گی اگر دونوں کے درمیان نسبت توافق ہو تو ہر ایک کے وفق کو دوسرے کل میں ضرب دی جائے اور اگر تباین ہو تو ہر ایک کے کل مسئلے کو دوسرے کے کل میں ضرب دی جائے، بعد ازاں دونوں صورتوں سے حاصل شدہ ضرب دونوں مسئلوں کی تصحیح ہوگی پھر زندہ فرض کیئے ہوئے مسئلے

میں ہر وارث کو جتنا حصہ مل رہا ہو اسے مردہ فرض کیئے ہوئے مسئلے کی کل تصحیح یا وفق تصحیح میں ضرب دی جائے، اسی طرح مردہ فرض کیئے ہوئے مسئلہ میں ہر وارث کو جتنا مل رہا ہو اسے زندہ فرض کیئے ہوئے مسئلہ کی کل تصحیح یا وفق تصحیح میں ضرب دی جائے، پھر دونوں صورتوں میں نظر کی جائے کہ کس صورت میں وارث کو کم تر حصہ مل رہا ہے وہی اسے دیا جائے گا باقی بچہ ہوا حصہ مفقود وارث کے لئے موقوف رکھا جائے گا یہاں تک کے مفقود کا حال ظاہر ہو جائے، چنانچہ اگر زندہ واپس لوٹ آیا تو موقوف شدہ حصہ اسے دیا جائے گا اور اگر موت کا حکم نافذ ہو گیا تو جن ورثاء کے حصے کاٹ کر دیئے گئے تھے انہیں واپس دے دیئے جائیں گے تا کہ انکے حصے پورے ہو جائیں، اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے حمل کی پیش کردہ مثال کو ملاحظہ کیجئے دونوں میں کوئی فرق نہیں صرف حمل کی جگہ مفقود کو رکھا جائے۔

فصل فی المرتد

إذَا مـاتَ الـمُرتَدّ عَلى ارتِدادِهِ أو قُتِل أو لَحِقَ بدارِ الحَرْبِ وحَكَمَ القاضِي بلِحاقِهِ فما اكتسبَهُ فِي حالِ إسْلَامِهِ فهـو لـوَرَثتِـهِ المُسْلِمِينَ ومَا اكتسبَهُ فِي حَالِ رِدّتِهِ يُوْضَعُ فِي بيتِ المَالِ عندَ أبي حنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعالى وعِندَهُمَا الكسبَان جميعًا لوَرَثتِهِ المُسلمِيْن وعِندَ الشّافعي رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعالى الكسبَان جميعًا يُـوضَعَـان فِـي بيـتِ المالِ ومَا اكتسَبَهُ بعدَ اللحُوقِ بدارِ الحَرْبِ فهُوَ فَئٌ بالاجْمَاعِ و كَسْبُ المُرْتَدّةِ جَـمِيعًـا لوَرَثتِها المُسْلِمِينَ بلاخِلَافٍ بيْنَ أصْحَابِنا وأمّا المُرتَدّ فلا يرِثُ مِن احدٍ لا مِن مُسْلِمٍ ولا مِنْ مرتدٍ مثلَهُ و كذالِك المُرتَدّةُ إلا إذَا ارْتَدّ أهل ناحيةٍ بأجْمَعِهِم فحِيْنئِذٍ يَتوارثُوْنَ۔

ترجمہ: جب مرتد اپنے ارتداد پر مرجائے یا قتل کیا جائے یا دارالحرب چلا جائے اور قاضی نے اس کے دارالحرب چلے جانا کا حکم نافذ کر دیا تو جو مال اس نے حالت اسلام میں کمایا تھا وہ اس کے مسلمان ورثاء کے لئے ہے اور جو مال اس نے حالت ارتداد میں کمایا ہے وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیت المال میں رکھا جائے گا۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک دونوں حالتوں میں کمایا ہوا مال اسکے مسلمان ورثاء کے لئے ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں حالتوں کا مال بیت المال میں رکھا جائے گا۔ اور جتنا مال اس نے دارالحرب چلے جانے کے بعد کمایا ہے وہ بالاجماع مال فی ہے۔ اور مرتدہ عورت کی دونوں حالتوں کا مال ہمارے علماء کے درمیان بغیر کسی اختلاف کے اس کے مسلمان ورثاء کے لئے ہے اور بہر حال مرتد کسی کا بھی وارث نہیں بن سکتا نہ مسلمان کا اور نہ ہی اپنے جیسے دوسرے مرتد کا۔ اسی طرح مرتدہ عورت بھی وارث نہیں بن سکتی۔ البتہ جب ایک ہی علاقہ کے تمام لوگ مرتد ہو جائیں تو وہ ایک دوسرے کے وارث بنیں گے۔

تشریح: امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مرتد کا حالت ارتداد میں کمایا ہوا مال بیت المال میں رکھا جائے گا، لیکن چونکہ آج کل بیت المال کا شرعی تقاضوں کے مطابق وجود نہیں ہے لہذا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

اور مرتد نے جتنا مال دارالحرب میں کمایا ہے وہ مالِ فئ کے حکم میں ہے چنانچہ اسے بیت المال میں عام مسلمانوں پر خرچ کرنے کے لئے جمع کیا جائے گا، یادر ہے مالِ فئ اس مال کو کہا جاتا ہے جو کفار سے بغیر جنگ کیئے حاصل ہو جائے برخلاف مال غنیمت کے جو کفار سے جنگ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، اس میں سے پانچواں حصہ نکالا جاتا ہے، باقی چار حصے مجاہدین اسلام میں تقسیم کیئے جاتے ہیں۔

اور مرتد کے برخلاف مرتدہ عورت کا اسلام اور ارتداد دونوں حالتوں میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم ہو گا، البتہ شوہر اس مال سے محروم رہے گا کیونکہ عورت مرتد ہوتے ہی اس کے نکاح سے نکل جائے گی، تاہم اگر حالت مرض میں مرتد ہوئی اور ابھی عدت پوری نہ ہوئی کہ مرگئی تو اس صورت میں شوہر وارث ہوگا۔ اور مرتد مرد وعورت نہ تو کسی مسلمان کے وارث ہونگے اور نہ ہی اپنے جیسے کسی دوسرے مرتد کے وارث ہونگے، لیکن اگر نعوذ باللہ تعالیٰ منہا پورا علاقہ یا قبیلہ یا گاؤں مرتد ہو گیا تو پھر سب ایک دوسرے کے وارث ہونگے کیونکہ اب یہ علاقہ یا گاؤں دارالحرب بن جائے گا چنانچہ اولاً ان پر اسلام پیش کیا جائے گا، انکار کی صورت میں ان کے مردوں کو قتل کیا جائے گا اور عورتیں و بچے کنیزیں اور غلام بنائے جائیں گے۔[1]

❀❀❀

حرام مال کا ترکہ ورثاء کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

سوال: ایک شخص نے سودی کاروبار اور لین دین کر کے بہت سا مال اکٹھا کیا پھر دارِ دنیا سے دارِ آخرت کی طرف کوچ کر گیا، لہذا جو مال سودی کاروبار سے جمع کیا گیا وہ اس کے وارثوں کے لئے جائز اور حلال ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر ورثاء جانتے ہیں کہ اس قدر مال فلاں فلاں سے بطور سود لیا گیا تو ضروری ہے کہ انکے مالکوں کو واپس کر دیں، لیکن اگر وہ مالکان وفات پا چکے ہوں تو انکے ورثاء کو لوٹا دیں، اگر ورثاء موجود ہی نہ ہوں یا انکی تفصیل معلوم نہ ہو سکے اور سودی رقم کی مقدار معلوم ہو تو اس مال معینہ کو فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیں، اگر مذکورہ امور میں سے کوئی بات انکے علم میں نہ ہو تو ایسی صورتِ حال میں ورثاء کیلئے اس میت کا ترکہ حلال ہے۔

- (فتاوی رضویہ، ج ۲۳، ص ۵۵۰) -

[1] شریفیہ، ص ۱۴۱

فصل فی الاسیر

حُکْمُ الأَسِیرِ کَحُکْمِ سائِرِ المُسْلِمِینَ فِی المِیراثِ مَالَمْ یُفَارِقْ دِینَهٗ فَاِنْ فارقَ دینَهٗ فَحُکْمُهٗ حکمُ المُرْتَدِّ فَاِنْ لَمْ تُعْلَمْ رِدَّتُهٗ ولا حیاتُهٗ ولا موتُهٗ فحکمُهٗ حکمُ المَفْقُوْدِ۔

ترجمہ: احکام میراث میں قیدی کا حکم دیگر مسلمانوں کی طرح ہے۔ جب تک وہ اپنے دین سے جدا نہ ہو چنانچہ اگر وہ دینِ اسلام سے جدا ہو گیا تو مرتد کے حکم میں ہوگا۔ اور اگر اس کے مرتد ہونے کا علم نہ ہو اور نہ ہی حیات و ممات کا پتہ ہو تو اس کا حکم مفقود کی طرح ہے۔

تشریح: جو مسلمان کفار کی قید میں ہو مصنف نے اس کے میراث پانے یا نہ پانے کی تین صورتیں ذکر کی ہیں:۔

۱۔ جب تک حالت قید میں اسلام پر قائم ہے میراث میں اس کا حکم دیگر عام مسلمانوں کی طرح ہے، وہ دوسروں کا وارث ہوگا بعد از انتقال دوسرے اس کے وارث ہونگے۔

۲۔ اور اگر نعوذ باللہ دوران قید دین اسلام ترک کر دیا تو مرتد کے حکم میں ہے۔

۳۔ اور اگر اس کے حال کا کچھ پتا نہ ہو، نہ ارتداد کا نہ ہی زندگی و موت کا تو یہ مفقود کی طرح ہے، چنانچہ اس پر مفقود کے احکام لاگو ہونگے۔

فصل فی الغرق والحرقی والهدمی

اِذَا مَاتَتْ جَمَاعَةٌ وَلا یُدْرٰی أَیُّهُمْ مَاتَ أَوَّلًا جُعِلُوا کَأنّهم ماتُوا معًا فمالُ کُلِّ واحِدٍ مِنْهُم لِوَرَثَتِهٖ الأَحْیَاءِ ولا یرِثُ بعضُ الأَمْوَاتِ مِنْ بعضٍ هُوَ المُخْتَارُ وقَالَ عَلی وابنُ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا یرِثُ بعضُهُمْ عَنْ بعضٍ اِلَّا فِی مَا ورَثَ کلُّ واحِدٍ منْهُمْ مِنْ صَاحِبِهٖ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوابِ وَاِلَیْهِ المَرْجِعُ وَالمَآب۔

ترجمہ: اگر ایک جماعت ہلاک ہو جائے اور یہ پتہ نہ چل رہا ہو کہ ان میں سے پہلے کون ہلاک ہوا تو یہ سمجھا جائے گا کہ گویا یہ سب ایک ساتھ ہلاک ہوئے ہیں چنانچہ ان میں سے ہر ایک کا مال ان کے زندہ ورثاء کے لئے ہے اور یہ ہلاک شدگان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے یہ قول مختار ہے اور حضرت علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، البتہ اس چیز میں وارث نہ ہوں گے جس چیز میں ان میں سے ہر ایک اپنے مرنے والے ساتھی کا وارث ہوا ہو۔

تشریح: غرقی اس جماعت کو کہا جاتا ہے جوڈوب کر مرگئی، حرقی وہ جماعت جو جل کر مرگئی اور ھدمیٰ دب کر مرنے والوں کو کہا جاتا ہے، لہذا اگر چند رشتہ دار دریاء میں ایک ساتھ ڈوب کر مرگئے، جہاز یا کسی دوسری کے حادثے میں ہلاک ہو گئے، ایک ساتھ جل گئے، مکان میں مردہ پائے گئے یا دب کر جاں بحق ہو گئے تو ان تمام صورتوں میں امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک یہ ایسا ہی ہے جیسے سب ایک ساتھ انتقال کر گئے ہوں چنانچہ ان مرنے والوں میں سے ہر ایک کا مال اس کے زندہ ورثاء میں تقسیم ہوگا، تاہم یہ خود ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے، ایسا ہی حضرت ابوبکر وعمر وزید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے جبکہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے نزدیک فوت شدگان کو ان کے ذاتی مال میں ایک دوسرے کا وارث بنایا جائے گا البتہ جو حصہ ان کو بطور میراث ایک دوسرے سے حاصل ہوگا اس میں پھر ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے، اس لئے کہ اگر اس میں بھی وارث بنیں گے تو گویا اپنا ہی مال ان کے پاس واپس آجائے گا جو باطل ہے، دونوں مذاہب کو سمجھنے کے لئے درج ذیل مثال میں غور کیا جائے۔

ایک زید نامی شخص اپنے بکر نامی بیٹے کے ساتھ کسی حادثے کا شکار ہو گیا، دونوں میں سے پہلے مرنے والے کا کچھ پتا نہیں، زید کا ایک زندہ بیٹا بھی ہے جس کا نام طاہر ہے اور بکر کا بھی ایک زندہ بیٹا موجود ہے جس کا نام خالد ہے، دونوں مرنے والے باپ بیٹے کے الگ الگ ترکہ میں ۶۰۔۶۰ روپے ہیں، امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک باپ، بیٹے کا ترکہ اسطرح تقسیم ہوگا:۔

مثال ۱: زید ترکہ ۶۰ روپے
میت

بیٹا طاہر
۶۰

مثال ۲: بکر ترکہ ۶۰ روپے
میت

بیٹا خالد
۶۰

باپ یعنی زید کا کل ترکہ ۶۰ روپے اسکے زندہ بیٹے طاہر کو ملے جبکہ بیٹے یعنی بکر کا کل ترکہ ۶۰ روپے اسکے بیٹے خالد کو ملے اور یہ فوت شدہ باپ، بیٹا ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوئے۔

حضرت علی وابن مسعود رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ تقسیم اس طرح ہوگی:۔

مثال ۱: مسئلہ ۲ باپ زید ترکہ ۶۰ روپے
میت

بیٹا	بیٹا
بکر	طاہر
۳۰	۳۰

مثال ۲: بکر ترکہ ۳۰
میت

باپ	بیٹا	بھائی
زید	خالد	طاہر
۱۰	۵۰	م

مذکورہ صورت میں بکر کو اپنے باپ زید سے ۳۰ روپے بطور میراث حاصل ہوئے جن میں سے باپ کو کچھ نہیں دیا جائے گا بلکہ یہ سب اس کا بیٹا لے گا جیسے:۔

مثال: بکر ترکہ ۳۰ روپے
میت

بھائی طاہر	بیٹا خالد
م	۳۰

اسی طرح زید کو اپنے بیٹے بکر سے بطور میراث ۱۰ روپے حاصل ہوئے جن میں سے بیٹے بکر کو کچھ نہیں ملے گا بلکہ اس کے زندہ بیٹے طاہر کو ملے گا:۔

مثال: زید ترکہ ۱۰ روپے
میت

بیٹا طاہر
۱۰

الحاصل مذکورہ وضاحت سے معلوم ہوا کہ زید و بکر ایک دوسرے کے وارث تو ہوئے تاہم جو حصہ انہیں ایک دوسرے سے بطور میراث ملا وہ انہیں دوبارہ ایک دوسرے سے بطور میراث نہیں ملا بلکہ ان کی اولادوں کی جانب منتقل ہوا۔

وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصِّدْقِ وَالصَّوَابِ اِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ

قَدْ تَمّ شَرْحُ الْكِتَابِ الْمُسَمّٰى السِّرَاجِى لِلشَّيْخ سِرَاجِ الدِيْنِ محمدِ بْنِ عَبْدِ الرَّشِيد السَّجَاوَنْدِى حَنفِي تَغَمَّدَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالرَّحْمَةِ وَالرِّضْوَانِ عَلٰى مَذْهَبِ أَبِى حَنِيْفَةَ النُّعْمَان رَضِىَ اللّٰهُ عنهُ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَهَبَ التَّوْفِيْقَ لِإتْمَامِ شَرْحِ الْكِتَابِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِدِنَا مُحَمَّدٍ خَيْرِ مَنْ نَطَقَ بِالصَّوَابِ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْحِسَابِ عَلٰى يَدِ أَضْعَفِ العِبَادِ الْفَقِيْرِ الحَقِيْرِ الْمُعْتَرِفِ بِالذَّنْبِ وَالتَّقْصِيْرِ الرَّاجِى رَحْمَةَ اللّٰهِ البَارِىْ مُحَمَّدٍ فَارُوق الرَّضَوِى الْحُسَيْنِى الخَاصْخَيْلى الْمُدَرِّس وَخادِمِ الافْتَاءِ بدَارِالْعُلُوم مُحَمَّدِيَّهْ غَوْثِيَّهْ كَرَاتَشِى غَفرَاللّٰهُ لَهٗ وَلِوَالِدَيْهِ فِىْ سَبْعَةِ أَيَّامٍ خَلَتْ مِنْ ذى القعدة ١٤٢٨هـ موافقاً ٢٠٠٧/١١/١٧ء

تمت بحمد اللہ

ضمیمہ

۱۔ میراث کے چند اہم مسائل

۲۔ فرائض متشابہ (میراث کی پہیلیاں)

۳۔ مسائلِ ملقبات

میراث کے چند اہم مسائل

از معلم الفرائض (سندھی)

تالیف لطیف سراج السندھ فقیہ اعظم پیر محمد قاسم محقق مشوری قدس سرہ العزیز

۱۔ وراثت ایک جبری وضروری حق ہے یہاں تک کہ اگر کوئی وارث اپنے دعوے سے دست بردار ہوکر پھر مطالبہ کریگا تو اس کا حق اسے دلایا جائے گا۔ کمافی عقود الدریہ

اسباب الملک علیٰ قسمین اختیارية كالبيع و الشراء و غيرهما و ضرورية كالارث و لهذا صرحوا بان الارث لا يسقط بالاسقاط بل هو جبري حتى لوقال وارث بعد موت مورثه لا اخذ حصتي من التركة ثم ادعاها صحت دعواها (عقود الدریہ، ج۴، ص۵۴)

۲۔ وارث اپنا حق چھوڑ کر دوبارہ لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ کمافی نور الھدیٰ

الورث اذا قال تركت حقيي لا يبطل حقه لان الملك لا يبطل بالترك و الحق يبطل بالترك حتىٰ ان واحد من الغانمين لو قال قبل القسمة تركت حقي يبطل حقه (نوری الھدی، ص۲۹۴)

۳۔ مشترکہ جائداد سے جو وارث جتنا خرچ کرے گا وہ اتنا اس کے حصے سے منہا کیا جائے گا کمافی کنز الدقائق

شركة الملك ان يملك اثنان عينا ارثاوشراءً وكل اجنبيي فيي قسط صاحبه (کنزالدقائق، ص۲۲۱)

۴۔ وقف اور ورثہ کے دعویٰ کے لئے مدت کی کوئی شرط نہیں

قلت فلا تسمع (الدعوىٰ) الان بعدها الا بامر الا في الوقف والارث ووجود عذر شرعي و به افتي مفتي ابو السعود فليحفظ (ردالمحتار، ج۴، ص۳۷۸)

وتصح الدعوىٰ من المدعي وان مضى تسعون سنة اذا كان المدعي به وقفا اوميراثا

(نورالھدی، ص ۲۸۴)

۵۔ ورثاء میں اگر کوئی صغیر وارث ہو تب بھی ترکہ تقسیم کیا جائے گا اور صغیر کا مال کسی امین کے ہاتھ دیا جائیگا

ولو بر هنا على الموت وعدد الورثة وهو اى العقا ر معهما و فيهم صغير او غا ئب قسم بينهم و نصب قا بض لهما (الدرالمختار، ج۵، ص ۱۸۲)

۶۔ تقسیم ترکہ کے وقت ورثاء سے ضامن نہیں لیا جائے گا۔

واذا اقسم الميراث بين الغر ما ء والورثة فانه لا يو خذمنهم كفيل ولا من وارث (هداية، ج۳، ۱۷۵)

۷۔ اگر بعض ورثاء غائب ہوں تب بھی ترکہ موجود ورثاء پر تقسیم کیا جائے گا، غائبین کا حصہ امین لوگوں کے ہاتھ میں دیا جائے گا

واذا كا نت الدار في يد رجل واقا م الا خر البينة ان ابا ه ما ت و تر كها ميراثا بينه و بين اخيه فلا ن الغائب قضى له با لنصف و تر ك النصف الا خر في يد الذى هى فى يديه ولا يستوثق منه بكفيل و هذا عند ابى حنيفة رحمه الله تعا لىٰ و قالا ان كا ن الذى فى يديه جا حدا اخذ منه فى يد امين وان لم (هداية، فصل قضاء المواريث)

۸۔ امین یا وارث نے صغیروں کا مال واپس کرنے سے انکار کیا تو تب بھی مال کے ضامن ہونگے

و الو ارث اذا طو لب منه ما ل الصغا ر ليسلم الى يد امين آخر فا بى ان يد فع اليه ثم ضا ع ما كان فى يد ه يصير ضا منا و كذالك كل امين و مودع. (هداية، ج۳، ص ۱۷۵)

۹۔ ام ولد مولا یا اپنی اولاد کی وارث نہیں ہوتی۔

ام الو لد لا تر ث من تر كة ولدها الخ. (عقود، ج۲، ص ۲۷۰)

۱۰۔ قصاص کے عوض یا دیت میں تمام ورثاء کو بقدر فرض حصے دے جائیں گے

والقصا ص مو روث على فر ائض الله تعا لىٰ فير ثه الزوجا ن كالا مو ال (اشبا ه) اقول و كذا دية المقتو ل خطا كسا ئر امو اله حتى يقضى ديو نه منها و ينفذ و صا يا ه و يو رثها كل من ير ث امو اله حموى. (نورالهدى، ۴۵۰)

۱۱۔ کتابیں ورثاء میں تقسیم نہیں کی جائیں گی تا کہ سبھی اس سے استفادہ حاصل کریں لیکن اگر سب راضی ہو کر تقسیم

کریں تب بھی ٹھیک ہے۔

ولا يقسم الكتب بين الورثة ولكن ينتفع كل واحد بالمها باة ولو اراد واحد من الورثة ان يقسم بالاوراق ليس له ذالك ولا يسمع هذا لكلام منه ولا يقسم بوجه من الوجوه الى قوله ولو ترضيا ان يقسم الكتب و يا خذ كل واحد بعضها بالقيمة بالتراضى يجوز والا فلا. (نورالھدی، ص ۳۷۸)

۱۲۔ چند ورثاء نے مشترکہ ملکیت سے مال میں اضافہ کیا تو وہ سب ورثاء کا مشترکہ مال کہلائے گا۔

مات رجل و ترک اولادا صغارا و كبارا و امراة والكبار منها اومن امراة غيرها فحرث الكبار و زرعوا فی ارض مشتركة او فی ارض الغير كما هو المعتاد و الا ولاد كلهم فی عيال المراة تتعاهدهم و هم يزرعون و يجمعون الغلات فی بيت و احد و ينفقون من ذالک جملة صارت هذه واقعة الفتوىٰ و اتفقت الا جوبة انهم ان زرعوا من بذر مشترک بينهم باذن البالغين لو كبارا او اذن الوصی لو صغارا فالغلة مشتركة وان من بذر انفسهم او بذر مشتركة بلا اذن فالغلة للذارعين. (ردالمحتار، ج۵، ص۱۹۷)

۱۳۔ بیٹا باپ سے رہن سہن کھانے پینے میں الگ ہے تو اس کا مال باپ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ وہ اس کا اپنا مال کہلائے گا۔

وفی الفتاوی الخيرية سئل فی ابن كبير ذی زوجة و عيال له كسب مستقل حصل بسببه اموالا ومات .هل هی لوالده خاصة ام تقسيم بين ورثته. (عقود، ح۲، ص۱۷)

۱۴۔ بیٹا باپ کے یا بھائی بھائی کے عیال میں رہ کر کام کاج میں مددگار رہو تو پیدا شدہ ملکیت باپ یا سنبھالنے والے بھائی کی ہوگی نہ کہ مددگار کی۔

و اجاب الخيرالرملی عن سوال آخر بقوله ان ثبت كون ابنه و اخوية عائلة عليه و امرهم فی جميع ما دغعلونه اليه و هم معينونله فالمال كله له و انقول قوله فيمالديه بيمينه وليتق الله فالجزاء امامه و بين يديه الخ.و فيه ايضا فمدار الحكم على ثبوت كون معينا له فيه اه و فيه ايضا و الحكم دائر مع علته باجماع اهل الدين الحاملين لحكمته (عقود، ح۲، ص۱۷)

۱۵۔ باپ نے اپنے بیٹوں کی شادی کرا کے انہیں ان کے حصے دے کر جدا کر دیا تاہم ایک بیٹے کو اپنے ساتھ رکھا تو

باپ کی وراثت میں یہ بیٹا دیگر بیٹوں کے برابر حصہ لے گا نہ کہ زیادہ۔

رجل له بنو ن فزوج كلو احد ا مراة و اعطى كل وا حد منهم ما لا وفر قهم من عيا له ابنا واحد ا ثم ما ت ذالک الرجل فهو اسو ة لهم فى الا رث فلا يزاد له شيء منهم وما يكسب الصغير يصير ملكا له اه ماوهب الا ب للا بن فهو ملک له ليس لبقية الو رثة فيه خصو مة و فى تر كة المو رث كلهم سوا ء (نورالهدی، ص ۱۵۳)

۱۶۔ بچہ زندہ پیدا ہونے میں ورثاء کے حق میں محض عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔

اما شها دتهن على استهلا ل الصبيى لا تقبل عند ابى حنيفة رحمه الله عليه فى حق الارث لا نه مما يطلع عليه الرجل الا فى حق الصلو ة لا نها من امو ر الدين و عند هما تقبل فى حق الارث ايضا الخ. (هداية، ج۳، ص ۱۸۵، کتاب الشهادت)

۱۷۔ اگر میت پر قرضہ ہو تو قاضی تقسیم ترکہ روک دے گا، جب تک قرض ادا نہ کیا جائے اور اگر ورثاء میں ادائیگی قرض کیلئے کوئی چیز الگ کر کے رکھی، پھر ترکہ تقسیم کیا لیکن بعد میں وہ چیز گم ہوگئی تو تقسیم ترکہ باطل ٹھرے گی البتہ اگر ورثاء اپنے اپنے حصوں سے قرض ادا کریں تو درست ہے۔ اسی طرح اگر تقسیم ترکہ کے بعد ثلث وصیت ظاہر ہوئی تو وہ ورثاء کو ادا کرنی ہوگی۔ ورنہ تقسیم باطل ٹھرے گی۔

رجل ما ت تر ک ميراثا فبطلب ور ثته من القا ضى القسمة واقامو ا البينة على المو ت و المير اث كما هو الشر ط و على الميت دين لغا ئب فا ن القا ضى لا يقسم شيا ء من اجنا س التر كة و ان كا ن الدين اقل من التر كة و سا ئلو ا من القا ضى ان يعزل شيا ء لا جل الدين ويقسم البا قى قا ل ابو حنيفة رحمه الله تعالىٰ فى القيا س لا يفعل وهو قوله الاول ثم استحسن و قاقل با ن القا ضى يفعل ذالک فا ن فعلو ا ذالک و اقتسمو ا الميراث فهلک ما عزل لا جل الدين ردت القسمة الا ان يقضو ا الدين من حصصهم و كذا لو لم يكن الدين ظا هر ا وقت القسمة ثم ظهر بعد القسمة كا نت القسمة مر دودة الا ان يقضو الدين و كذا لو ظهر فى التر كة و صية با لثلث او بعين من الا عيا ن . فا لو صية بمنزلة الدين. (عقود، ج۲، ص ۱۹۶)

۱۸۔ تقسیم ترکہ کے بعد اگر کوئی وارث میت پر قرض کا دعوی کریں تو سنا جائے گا لیکن اگر کسی خاص چیز کہ ملک پر دعوی کرے تو غیر مسموع ہے۔

ادعی بعض الورثة بعد الاقتسام دینا علی المیت یقل ولا یکون الاقتسام ابراءً عن الدین لان حقه غیر متعلق بالغیر فلم یکن الرضا بالقسمة اقرارا بعدم لاتعلق بخلاف ما اذا ادعی بعد القسمة عینا من اعیان الترکة حیث لا تسمع لان حقه متعلق بعین الترکة صورة و معنی فانتظمت القسمة دانقطاع حقه عن الترکة صورة و معنی لان القسمة تستدعی عدم اختصامه به. (ردالمحتار، ج۴، ص۵۰۶)

۱۹۔ اگر مفلس آدمی مقروض ہوکر مرا تو اس کی اولاد پر قرض کی ادائیگی لازم نہیں البتہ باپ کا قرض کسی اور پر ہے تو اولاد لیکر آپس میں تقسیم کرے گی۔

و اذا مات الاب مفلسا لا یطلب دینه من اولاده او ان کان دینه علی غیره ورثوه (نورالھدی، ص۱۵۳)

۲۰۔ باپ نے یا کسی اور نے صغیر کا مال کسی کو قرض دیا تو وہ اس کے ضامن ہونگے۔

و ان افرض الوصی مال الیتامی ضمن لانه لا یقدر علی الاستخراج و الاب بمنزلة الوصی فی اصح الروایتین لعجزه عن الاستخراج. (ھدایة، ج۳، ص۱۶۸)

۲۱۔ اگر کسی شخص نے مقروض کی اجازت کے بغیر اس کا قرض ادا کردیا تو اب وہ مقروض سے قرض کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

المتبرع لا یرجع بما تبرع به علی غیره کما لو قضی دون غیره امره (عقود، ح۲، ص۲۶۸)

۲۲۔ صغیر کی پرورش کرنے والے کے حکم پر کسی شخص نے صغیر پر اپنا مال خرچ کیا تو وہ اپنا خرچہ واپس لے سکتا ہے۔

اجنبی انفق علی بعض الورثة فقال انفقت بامر الوصی و اقر به الوصی ولا یعلم ذاک الا بقول الوصی بعد ما انفق یقبل قول الوصی او المنفق علیه صغیرا (ردالمحتار، ج۲، ص۶۹۲)

۲۳۔ باپ یا کوئی اور پرورش کرنے والا اپنی جانب سے صغیر پر خرچ کریں گے تو وہ تبرع کہلائے گا لیکن اگر واپس لینے پر گواہ بنائیں گے تو لے سکتے ہیں۔

فهو ای الوصی کالاب متطوع (فی انفاته علی الصغیر) الا ان یشهد انه قرض علیه. تنویر باب الوکالة بالخصومة و القبض (ردالحمتار، ج۱، ص۴۵۶)

۲۴۔ مال صغیر کی نگہداشت کا حق باپ یا اس کے مقرر کردہ وصی کو حاصل ہے۔ پھر دادا اور اس کے مقرر کردہ وصی۔ پر قاضی کے مقرر کردہ وصی کو حاصل ہے اگر یہ نہ ہوں تو ماں کے مقرر کردہ شخص کو یہ ذمہ داری دی جائے گی نیز نگہداشت کرنے والے کو صغیر کا مال منقول فروخت کرنا درست ہوگا نہ کہ غیر منقول کا۔

الولا یتہ فی ما ل الصغیر الی الا ب ثم و صیه ثم وصی وصیه ثم الی اب الاب ثم الی و صیه ثم و صی وصیه ثم الی القاضی ثم الی من نصبه القا ضی ثم وصی او وصیه و لیس لو صی الام ووصی الاخ و لا یة التصرف فی تر کة الا م مع حضرة الا ب او وصیه اووصی و صیه او الجد وان لم یکن واحد مما ذکر نا فله ای لو صی الام الحفظ و له بیع المنقول لا العقا ر . ولا یشتر ی الا الطعا م و الکسو ة لا نهما من جملة حفظ الصغیر (ردالمحتار، ج۴، ص ۴۵۲)

۲۵۔ ماں یا اس کے وصی کو صغیر کی نگہداشت کا حق حاصل ہے۔

وقد صرحو ا بام لا م و لا یة الحفظ و کذا وصیها (فتاوی واحدی، ج۴، ص ۱۵۲)

۲۶۔ اگر نگہداشت کرنے والے نے صغیر کی غیر منقول جائیداد کو فروخت کیا تو یہ بیع باطل ہوگی اور خریدنے والے کی ملک بھی ثابت نہ ہوگی ہاں اگر کسی شرعی عذر کی بناء پر فروخت کریگا تو درست ہے مثلاً ضروری اخراجات یا قرض کی ادائیگی زمین فروخت کرنے کے بغیر پورے نہیں ہو رہے یا کوئی ظالم زمین پر قابض ہونا چاہتا ہے یا زمین کے پیداوار کے اخراجات پورے نہیں ہو پا رہے یا اپنی قیمت سے دوگنی تگنی فروخت ہو رہی ہے تو جائز ہے۔

للو صی بیع العقا ر لحا جة النفقة لو دیم لا یقضی الا منه او وقع فی ید متغلب او کا نت لا تفیئی بموء نة او بیع بضعف قیمته الخ .امابیع العقا ر بلا مسو غ شرعی فبا طل لا فا سد لا یفید الملک الخ (عقود، ج۲، ص ۳۲۳)

۲۷۔ معتوہ (کم عقل) اور صغیر کا ایک ہی حکم ہے یوں ہی وصی اور وقف کے ناظر بھی ایک ہی حکم میں ہیں

المعتو ه بمنزلة الصبی والو صی کا لنا ظرفی الو قف لا ن الو صیة والو قف اخوان خیر یه من الو صا یا (عقود، ج۲، ص۳۱۸)

۲۸۔ اگر باپ صغیر کے مال کو ضائع کر رہا ہو تو مال اس سے لے کر امین لوگوں کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔

لو کا ن الا ب مبذر متلفا ما ل ابنه الصغیر فا لقا ضی ینصب و صیا ینز ع مال الا بن من یده و یحفظه (عقود، ج۲، ص۳۱۷)

۲۹۔تہائی مال سے زائد وصیت اس وقت نا جائز ہوگی جب پورے ترکہ کا کوئی وارث موجود ہولہذا اگر خاوند نے کسی کے لئے اپنے کل مال کی وصیت کی اور جبکہ اس کے وارثاء میں فقط ایک بیوی ہے تو کل مال کا سدس بیوی کو دیا جائیگا اور باقی ماندہ پانچ حصے موصی لہ کو دے جائینگے۔

الوصية بما زاد على الثلث غير جائزة اذا كان هناك وارث يجوز ان يستحق جميع المال (ابتداء اورداً) اما اذا كان لا يستحق جميع الميراث كالزاوج والزوجة فانه يجوز ام يوصى بما زاد على الثلث فحيث لم يجز الزوجة الوصية ترث سدس تركة وللموصى له (بكل ماله) خمسة اسداسها لانها لا تستحق من الميراث شيئا حتى يخرج ثلث الوصية فاذا خرج الثلث استحقت ربع الباقي وما بقي بعد ذلك يكون للموصى له بالجميع واصله من اثنا عشر الخ (عقود، ج۲، ص ۳۰۹)

۳۰۔اگر کوئی عورت اپنے مال کے نصف کی وصیت کسی اجنبی کے لئے کر کے مرگئی اور اس کے ورثاء میں فقط خاوند ہے تو نصف مال اجنبی کو دیا جائے گا اور خاوند کو تہائی ملے گی جبکہ چھٹا حصہ بیت المال میں رکھا جائے گا۔

واذا ماتت المراة وتركت زوجها واوصيت بنصف مالها للاجنبيى كان للاجنبيى نصف مالها والزوج ثلث المال وسدس المال لبيت المال لان الاجنبيى ياخذ ثلث المال بلامنازع ويبقى ثلثا المال ياخذ الزوج نصف ما بقي وهو الثلث يبقى ثلث المال ياخذ الاجنبيى تمام وصية وهو السدس يبقى السدس فيكون لبيت المال (عقود، ج۲، ص ۳۰۹)

۳۱۔ اگر باپ کسی ایک بیٹے کو اپنی جائداد میں سے کچھ دے کر باقی ماندہ سے دست بردار کردے بایں طور کہ میرے مرنے کے بعد بقیہ جائداد میں تیرا کوئی حصہ نہیں ہے تو شرعا اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے لیکن ترجیح عدم صحت کو دی گئی ہے کیونکہ ظاہر الروایت میں اس کا باطل ہونا صراحتا موجود ہے ہاں اگر مورث کے بعد از وفات تمام ورثاء نے ہنسی خوشی اس تقسیم کو قبول کرلیا تو درست ہے لیکن اگر یہ رضامند نہ ہوں تو اس لڑکے سے وہ حصہ لے کر ترکہ میں شامل کیا جائے گا اور پھر سے حسب دستور تقسیم ترکا کا عمل دہرایا جائے گا۔

رجل جعل لاحد بنيه دارا بنصيبه على ان لا يكون له بعد موت الاب ميراث جاز الخ اشياه ولكم قاقل الحموى يتامل في وجه صحة ذالك فانه خفى اه وروى عن محمد رحمه الله تعالى انه باطل كما في جامع الفضوليم معزيا الى جامع الفتاوى ان المريض لو اعطى عينا من اعيان التركة بعض ورثته ليكون بحصيته من الميراث بطل اه (جامع الفصولين، ج۲، ص ۱۹۰)

۳۲۔باپ نے حالت صحت میں کسی ایک بیٹے کوکوئی چیز ہبہ کی تو خالصتاوہ بیٹے کی کہلائے گی اور باقی ماندہ ترکے میں دیگرورثاء کے ساتھ یہ بھی حصہ دار رہے گا۔

فی نو رالهدی معزیا الی خزاية المفتين صفه ۳۲۲ ما و هب الا ب للا ين فهو ملک له ليس لبقية الو رثة فيه خصو مة و فی تر كة المو رث كلهم سواء (ص ۱۵۴)

۳۳۔ اگرکوئی وارث اپنے مورث کے کفن دفن پرخرچ کرے گا تو وہ اس کوترکہ سے علیحدہ کرکے دیا جائے گا لیکن اگرکوئی اجنبی بغیراذن ورثاء کے خرچ کرے گا تو وہ واپس نہیں لے سکتا۔

الو رث اذا كفن المو رث من ما ل نفسه فله ان یر جع فی التر كة و الا جنبيى اذ اكفنه لم يكن له ان یر جع فی التر كة (نورالهدی، ص ۳۲۲)

۳۴۔باپ نے بیٹے کوکوئی چیز دی پھر یہ کہہ کرواپس لینا چاہتا ہے کہ میں نے وہ چیز نہ تو بیٹے کو ہبہ کی ہے اور نہ ہی اسکی ملک میں دی ہے تو باپ کا قول معتبر ہوگا۔

دفع لا بنه ما لا ثم اراد الا ستر داد كا ن القو ل قو له انه دفع قر ضا لا نه الما لک (نورالهدی، ص ۳۲۲)

۳۵۔مشترکہ زمین میں ایک شریک نے درخت لگائے بعدازاں جب زمین تقسیم کی گئی تو وہ درخت دوسرے شریک کے حصے میں اگئے اب ایسی صورت میں جس کے حصے میں درخت آئیں ہیں اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ درختوں کی قیمت لگا کرشریک کودے اور درخت اپنی زمین میں رہنے دے یا پھراسے اپنے زمین سے درخت اکھاڑ کرلے جانے کو کہے۔

ارض بین رجلین غر س احد الشر يكين فيها اشجارا ثم اقتسما فو قع الاشجار فی نصيب الاخر يخير صاحب الارض ان شا ء دفع قيمة الا شجار مقلوعا و یتر كها لنفسه وان شاء امر الغارس با لقلع حسب المفتين (نورالهدی، ص ۱۵۶)

فرائض متشابہ

یعنی وہ مسائل فرائض جو امتحاناً پوچھے جاتے ہیں۔

از فتاویٰ عالمگیریہ

سوال: دو مرد ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے چچا ہیں۔ بتائیے یہ کیسے؟

جواب: عمرو و زید میں سے ہر ایک نے دوسرے کی ماں سے نکاح کیا اور ہر ایک سے ایک بیٹا پیدا ہوا، سو ہر ایک بیٹا دوسرے کا چچا ہوا۔

سوال: دو مرد ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے ماموں بھی ہیں۔ بتائیے کیا ایسا ہو سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں! عمرو اور زید میں سے ہر ایک نے دوسرے کی بیٹی سے نکاح کیا جن میں سے ہر ایک کا ایک ایک بیٹا پیدا ہوا، پس یہ دونوں ایک دوسرے کے ماموں ہوئے۔

سوال: میت نے ۲۴ دینار چوبیس عورتوں کیلئے چھوڑے جن میں سے ہر ایک نے ایک ایک دینار پایا۔ بتائیے یہ کون کونسی عورتیں ہیں؟

جواب: ورثاء کی میت میں تین بیویاں، چار دادیاں، ۱۶ بیٹیاں اور ایک علاتی بہن ہے۔

سوال: ورثاء میراث تقسیم کر رہے تھے، اچانک ایک وارث آیا اور اس نے کہا کہ جلدی مت کرو میری عورت غائب ہے اگر وہ زندہ ہوگی تو وہی وارث ہوگی اور میں وارث نہ ہوں گا، اور اگر وہ مرگئی ہے تو میں ہی وارث ہوں گا۔ بتائیے یہ کس طرح ہوگا؟

جواب: ایک عورت کوچ کر گئی اور اس نے دو حقیقی بہنیں، ماں، ایک اخیافی بہن اور ایک علاتی بھائی چھوڑا، اور اس علاتی بھائی نے اس کی اخیافی بہن سے نکاح کیا ہے اور یہی شخص مذکورہ بات کہنے والا ہے کیونکہ اس کی بیوی میت کی اخیافی بہن ہے جو غائب ہے، لہٰذا اگر وہ زندہ ہوگی تو دو تہائی دونوں حقیقی بہنوں اور چھٹا حصہ ماں اور باقی چھٹا حصہ اس اخیافی بہن کو ملے گا اور یہ علاتی بھائی محروم رہے گا۔ اور اگر وہ مرچکی ہو تو، باقی چھٹا حصہ علاتی بھائی کو ملے گا۔

سوال: ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میراث تقسیم کرنے میں جلدی نہ کرو کیونکہ میں حاملہ ہوں چنانچہ اگر مجھے لڑکا ہوا تو وہ وارث نہ ہوگا لیکن اگر لڑکی ہوگی تو وارث ہوگی۔ بتائیے یہ کس طرح ممکن ہے؟

جواب: ایک عورت ورثاء میں شوہر، ماں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑ کر مرگئی پھر اس کے باپ کی بیوی آئی جو کہ اسکی سوتیلی ماں ہے، کہنے لگی اگر مجھ کو لڑکا ہوا تو اس میت کا علاتی بھائی ہوگا تو پھر وارث نہ ہوگا، اور اگر لڑکی ہوئی تو میت کی علاتی بہن ہوگی، چنانچہ اسکے ساتھ نصف کی وارث ہوگی اور مسئلہ کا عول ۹ تک ہوگا۔

سوال: ایک شخص انتقال کر گیا ورثاء میں حقیقی بھائی اور بیوی کا بھائی یعنی سالہ موجود ہیں لیکن کل ترکہ کا وارث حقیقی بھائی کے بجائے شرعا بیوی کا بھائی بنتا ہے بتائیے اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

جواب: ایک شخص نے اپنے باپ کی ساس سے نکاح کیا تھا جبکہ اسکا باپ بھی زندہ تھا جس سے اسکو ایک بیٹا پیدا ہوا بعد ازاں یہ شخص انتقال کر گیا اس کے بعد اسکا باپ بھی چل بسا اور اس نے ورثاء میں اپنے بیٹے کا بیٹا چھوڑا جو کہ اسکی بیوی کا بھائی بھی ہے اور ایک حقیقی بھائی بھی چھوڑا تو اس کے کل ترکہ کا وارث بیٹے کا بیٹا ہوگا جو کہ اسکی بیوی کا بھائی بھی ہے اور حقیقی بھائی محروم رہے گا۔

سوال: ایک شخص مرگیا اس نے ورثاء میں حقیقی چچازاد بھائی اور علاتی بھائی کا بیٹا چھوڑا لیکن مال کا وارث اس کا چچا کا بیٹا ہوا اور اسکا علاتی بھائی کا بیٹا محروم رہ گیا۔ بتائیے کیوں؟

جواب: اس وجہ یہ ہے کہ دو بھائی تھے اور دونوں میں سے ایک کا ایک بیٹا تھا پھر دونوں نے ایک باندی خریدی اور اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا اور اسکا نسبی دعوی دونوں نے ساتھ ہی کیا کہ وہ دونوں کا بیٹا ہے، پھر یہ باندی آزاد ہوگئی پھر اس باندی سے دونوں میں سے کسی ایک نے نکاح کیا جس کا پہلے سے ایک بیٹا موجود ہے پھر اس سے دوسرا بیٹا پیدا ہوا، بعد ازاں دونوں بھائی مرگئے، پھر وہ لڑکا مرا جو باندی سے پیدا ہوا تھا اور اس نے ایک بھائی چھوڑا جو اس کے چچا کا بیٹا بھی ہوا اور اپنا باپ کی جانب سے بھائی چھوڑا، اس کی میراث کا مستحق اسکے چچا کا بیٹا ہوگا جو کہ اسکا حقیقی بھائی بھی ہے۔

سوال: ایک شخص مرگیا اور اس نے تین دختر چھوڑیں ان میں سے ایک کو سب مال کی تہائی ملی اور دوسری کو سب مال کی دو تہائی ملی اور تیسری کو کچھ نہ ملا تو اس کی کیا صورت ہے؟

جواب: ایک شخص کسی کا غلام تھا اور اس کی تین بیٹیاں تھیں پس ایک نے اپنے باپ کو خریدا اور دوسری نے اپنے باپ کو قتل کیا پس قاتلہ محروم ہوئی اور جن دونوں نے نہیں قتل کیا ان کو دو تہائی ترکہ ملا کہ ہر ایک کے لئے ایک تہائی ہوا پھر باقی ایک تہائی مال اس کو بحکم ولاء ملا جس نے خرید کیا تھا۔

سوال: ایک مرد اور اس کی ماں اور اس کی خالہ کسی مال ترکہ کی باہم تین تہائی وارث ہوئیں تو اس کی کیا صورت ہے؟

جواب: زید کی دو بیٹیاں ہیں کہ ایک بیٹی سے اس کے بھائی کے بیٹے مسمی عمرو نے نکاح کیا جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا پھر عمرو مر گیا پھر اس کے بعد زید مرا اور اس نے دو بیٹیاں اور ایک بھتیجے کا بیٹا چھوڑا پس دونوں بیٹیوں کو دو تہائی مال یعنی تہائی تہائی ہر ایک کو ملا اور اس بھتیجے کے لڑکے کو باقی مال ایک تہائی ملا پس بچے کو ایک تہائی اور اس کی ماں کو تہائی اور اس کی خالہ کو تہائی ملا۔

سوال: تین بھائی ایک ہی ماں باپ سے ہیں لیکن ایک کو کل مال سے دو تہائی ملا اور باقی ماندہ میں سے دونوں کو چھٹا چھٹا حصہ ملا۔ بتایئے ایسا کیوں؟

جواب: ایک عورت ہے جس کے تین چچازاد بھائی ہیں جن میں سے ایک نے اس سے نکاح کیا بعدازاں اس عورت کا انتقال ہوگیا، اب اصل مسئلہ ۶ سے ہوگا، جس میں سے تین اسکے شوہر کو نصف حصے کے طور پر ملے گا اور باقی تین حصے ان تینوں چچازاد بھائیوں پر برابر تقسیم ہوئے چنانچہ اب شوہر کے پاس دو تہائی ہوگئے اور باقی دو چچازاد بھائیوں کو ایک ایک حصہ ملا۔

سوال: ایک شخص مر گیا اور اس نے اپنی بیوی کے سات بھائی چھوڑے، لیکن اسکی بیوی اور ساتوں بھائیوں میں سے ہر ایک نے برابر برابر مال پایا، اسکی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

جواب: زید نے اپنے باپ عمرو کی بیوی یعنی اپنے سوتیلی ماں کی ماں سے نکاح کیا جس سے اسکو سات لڑکے پیدا ہوئے پھر زید مر گیا بعدازاں عمرو بھی چل بسا اور اپنی بیوی چھوڑی اور اپنے لڑکے کے ساتھ لڑکے چھوڑے تو مسئلہ ۸ سے ہوا کہ اسکی بیوی کو ایک حصہ ملا اور باقی سات حصے ان لڑکوں میں برابر تقسیم ہوئے کہ ہر لڑکے کو ایک ایک حصہ ملا، جبکہ یہ ساتوں اس میت کی بیوی کے مادری بھائی ہیں۔

سوال: ایک شخص مر گیا اس نے بیس دینار چھوڑے تو اس کی عورت کو ایک دینار ملا اسکی کیا وجہ ہے؟

جواب: ایک شخص مر گیا اس نے بیس دینار چھوڑے اور ورثاء میں دو حقیقی بہنیں، دو علاتی بہنیں اور چار بیویاں چھوڑیں، چنانچہ اصل مسئلہ ۱۲ سے ہوکر ۱۵ تک عول ہوا جن میں سے ہر بیوی کو تین حصے ملے اور یہ ۱۵ کا پانچواں حصہ ہے، پس بیس دینار میں سے پانچواں حصہ یعنی چار، چاروں بیویوں کو ملے، جن میں سے ہر بیوی کو ایک ایک ملا۔

مسائلِ ملقبات

از فتاویٰ عالمگیریہ

مسئلہ مشترکہ

مسئلہ ۶
میت

شوہر	ماں	ماں شریک بھائی ۲	حقیقی بھائی ۲
۳	۱	۲	م

مذکورہ صورت میں شوہر کو نصف، ماں کو سدس ملا جبکہ حقیقی بھائی محروم رہے کیونکہ ان کے لئے بطور عصبہ کچھ نہیں بچا۔ اسی طرح اگر بجائے ماں کے نانی یا دادی ہو تو بھی یہی حکم ہے یہی قول حضرت ابو بکر حضرت عمر اور حضرا بن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے اور یہی ہمارے علماء کا مذہب ہے اور حضرت ابن مسعود و حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حقیقی بھائی ماں شریک بھائی کے ساتھ ثلث میں شریک ہوتے ہیں اور یہی حضرت عمر رضی اللہ کا دوسرا قول ہے چناں چہ انھوں پہلے اسی طرح فیصلہ فرمایا تھا جس طرح ہمارا مذہب ہے پھر دوسرے سال ایک ایسا ہی دوسرا مسئلہ پیش ہوا آپ نے چاہا کہ پہلے فیصلے کی طرح حکم صادر فرمائیں یعنی حقیقی بھائیوں کو محروم کر دیں تو حقیقی بھائیوں میں سے ایک نے کہا یا امیر المومنین فرض کریں کہ ہمارا باپ گدھا تھا لیکن کیا ہم سب ایک ماں کی اولاد نہیں ہیں؟ یعنی حقیقی بھائی جس طرح حقیقی بھائی باپ کے وسیلے سے ایک دوسرے سے رشتہ رکھتے ہیں اسی طرح ماں کے وسیلے سے بھی رشتہ رکھتے ہیں تو پھر صرف ماں کے ذریعے رشتہ رکھنے والوں کی وجہ سے ہمیں کیوں محروم کیا جا رہا ہے؟ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو ماں شریک بھائیوں کے ساتھ تہائی میں شریک کر دیا اور فرمایا کہ ہمارا پہلا فیصلہ اپنے حال پر موجود رہے گا اور یہ فیصلہ اپنے حال پر رہے گا چناں چہ اس مسئلے کو مسئلہ مشترکہ کہا جانے لگا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ نے بھائیوں کو باہم شریک کر دیا نیز اس کو حماریہ بھی کہتے ہیں کیونکہ دوران گفتگو ایک بھائی نے: هب ان ابانا كان حمارا کہا تھا۔

مسئلہ خرقاء

اس مسئلہ کو خرقاء اور مثلثہ عثمان رضی اللہ عنہ اور مربعہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مخمسۃ شعبی رحمۃ اللہ علیہ بھی کہتے ہیں

عندالجمہور اصل مسئلہ ۳ — عند زید اصل مسئلہ ۳ و تصح من ۹

میت

	ماں	دادا	بہن
عندالجمہور	۱	۲	م
عند زید	۳	۴	۲

اس مسئلہ کو خرقاء اس لئے کہتے ہیں کہ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو گویا خرق کر دیا ہے یعنی توڑ دیا ہے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ماں کو چھٹا حصہ اور باقی دادا کو ملے گا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ماں کو تہائی دادا و بہن کے درمیان تین حصے ہو کر تقسیم ہوگی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ماں کو تہائی اور بہن کو نصف اور باقی دادا کو ملے گا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو روائتیں ہیں ایک روایت میں بہن کو نصف اور باقی دادا و ماں کے درمیان آدھا تقسیم ہوگا اور دوسری روایت میں بہن کو نصف اور ماں کو تہائی اور باقی دادا کو ملے گا اور یہی قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے اور اس مسئلہ کو عثمانیہ بھی کہتے ہیں اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک قول اس میں منفرد ہے جس نے اجماع کو توڑ دیا آپ فرماتے ہیں کہ ماں کو تہائی اور باقی دادا اور بہن کے درمیان نصفا نصف ہو ہو کر تقسیم ہوگا اور علماء نے کہا کہ اسی وجہ سے اس کو خرقاء، مثلثہ عثمان رضی اللہ عنہ و مربعہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور مخمسۃ الشعبی بھی کہتے ہیں اس لئے کہ حجاج نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے اور اگر ان کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول بھی ملایا جائے تو مسدسہ ہوگا۔

مسئلہ مروانیہ

اصل مسئلہ ۶ تعول الی ۹

میت

شوہر	عینی بہنیں ۲	خفی بہنیں ۲	علاتی بہنیں ۲
۳	۴	۲	م

صورت یہ ہے کہ میت نے چھ بہنیں متفرقہ اور شوہر چھوڑے پس نصف شوہر کو اور حقیقی دو بہنوں کو دو تہائی اور خفی دو

بہنوں کو تہائی ملے گا اور علاتی دو بہنیں ساقط ہو جائیں گی چناں چہ اصل مسئلہ ۶ سے ہو کر ۹ تک عول ہوگا اور اس کو مروانیہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ مروان بن الحکم کے زمانہ میں واقع ہوا تھا اور اس کو غراء بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ مسئلہ ان کے درمیان مشہور ہو گیا تھا۔

مسئلہ حمزیہ

اصل مسئلہ ۶ وتصح من ۱۸

میت

دادیاں ۳	دادا	عینی بہن	علاتی بہن
۳	۱۵	م	م

مذکورہ صورت میں تین جدہ متحاذیات، ایک جد اور متفرقہ بہنیں ہیں۔ حضرت ابو بکر وابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جدات کو چھٹا حصہ اور باقی مال جد کو ملے گا سو اصل مسئلہ ۶ سے اور تصحیح ۱۸ سے ہوگی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حقیقی بہن کو نصف ملے گا اور دو تہائی پوری کرنے کے لئے علاتی بہن کو چھٹا حصہ ملے گا اور جدات و جد کو بھی چھٹا حصہ ملے گا اور یہی قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ وعنہ کا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک شاذ روایت یہ بھی ہے کہ جدہ جو ماں کی ماں ہے اس کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی سب جد کو ملے گا اور زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جدات کو چھٹا حصہ اور باقی مال دادا و حقیقی بہن کے درمیان چار حصوں میں تقسیم ہوگا پھر علاتی بہن نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ حقیقی بہن میت کو واپس دے گی چناں چہ اصل مسئلہ ۶ سے ہوگا اور اس کی تصحیح ۷۲ سے ہوگی اور اختصار ا ۳۶ سے ہوگی جس میں سے جدات کو ۲ حصے اور حقیقی بہن کو اس کے حصہ اور اس کے علاتی بہن کے حصہ کے سب ۱۵ حصے اور دادا کو ۱۵ حصے ملیں گے اور اس مسئلے کو حمزیہ اس لئے کہتے ہیں کہ شیخ حمزۃ الزیات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے اسی طرح سے جوابات دیئے جس طرح ہم نے ذکر کئے ہیں۔

مسئلہ دیناریہ

اصل مسئلہ ۲۴ وتصح من ۶۰۰

میت

بیوی	دادی	بیٹیاں ۲	عینی بھائی ۱۲	عینی بھائی
۷۵	۱۰۰	۴۰۰	۲۴	۱

میت مذکورہ ورثاء اور چھ سو دینار چھوڑ کر رحلت کر گیا ترکہ میں سے چھٹا حصہ یعنی ایک سو ۱۰۰ دینار دادی کے لئے ہیں اور ہر دو بہنوں کے لئے دو تہائی یعنی چار ۴۰۰ سو دینار اور بیوی کے لئے آٹھواں یعنی ۷۵ دینار ہیں جبکہ باقی ماندہ ۲۵ دیناروں میں سے ہر ایک بھائی کو دو، دو دینار اور بہن کو ایک دینار ملے گا۔ اسلئے اس مسئلہ کو مسئلہ دیناریہ کہا جاتا ہے۔ اور اسی طرح اسے مسئلہ داؤدیہ بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ مسئلہ حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ سے بھی دریافت کیا گیا تھا، تو آپ نے مذکورہ طریقے پر تقسیم فرمائی، لیکن میت کی بہن امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا بھائی انتقال کر گیا ہے اور ترکہ میں چھ سو دینار چھوڑیں ہیں جن میں سے سوائے ایک دینار کہ مجھے اور کچھ نہیں دیا گیا اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ترکہ کس نے تقسیم کیا ہے؟ عورت نے کہا کہ آپ کے شاگرد داؤد نے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ ایسا تو نہیں ہے جو ناحق ظلم کا فتویٰ دے، لیکن تو ایک بات بتا کہ کیا تیرے بھائی نے کوئی دادای چھوڑی ہے؟ اس نے کہا ہاں، پھر فرمایا کہ کیا دو بیٹیاں بھی چھوڑی ہیں؟ اس نے کہا کہ ہاں، پھر فرمایا کہ کیا بیوی بھی ہے؟ کہا کہ ہاں، پھر ارشاد فرمایا کہ کیا تیرے ساتھ تیرے بارہ بھائی بھی چھوڑے ہیں، اس نے کہا کہ ہاں، یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں تو تیرا حق ایک دینار ہی بنتا ہے۔

یہاں سے امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی علمی مقام وفضیلت کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ آپ نے کس طرح اس مسئلے کو حل فرمایا۔

مسئلہ امتحانیہ

اصل مسئلہ ۲۴/۳۰۲۴۰ — المضروب ۱۲۶۰

میت

بیویاں ۴	دادیاں ۵	بیٹیاں ۷	علاتی بہنیں ۹
۳	۴	۱۶	۱
۳۷۸۰	۵۰۴۰	۲۰۱۶۰	۱۲۶۰

مذکورہ صورت میں اعداد رؤس اور حصوں کے مابین نسبت تباین ہے اسی طرح رؤسوں کے مابین بھی تباین ہے لہذا رؤسوں کو آپس میں ضرب دینے کی ضرورت پیش آئی چنانچہ ۴ کو ۵ میں ضرب دی تو ۱۴۰ ہوئے پھر اس کو ۹ میں ضرب دینے سے ۱۲۶۰ ہوئے پھر ان ۱۲۶۰ کو اصل مسئلہ ۲۴ میں ضرب دی تو ۳۰۲۴۰ حاصل ہوئے اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی۔

اور اس صورت کا امتحان یوں لیا جاتا ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور اس نے چند قسم کے ورثاء چھوڑے ہر قسم کی تعداد دس سے کم کہے البتہ اس مسئلہ کی تصحیح ۳۰،۰۰۰ تیس ہزار سے زائد سے ہوتی ہے تو بتائے کہ میت نے کتنی قسم کے کتنے ورثاء چھوڑے؟

مسئلہ مامونیہ

اس کو مسئلہ مامونیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ مامون رشید نے ارادہ کیا کہ کسی کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا جائے تو اس کے سامنے یحییٰ بن اکثم کو پیش کیا گیا لیکن مامون نے انھیں کمتر جانا اور مذکورہ مسئلہ دریافت کیا اس پر یحییٰ بن اکثم نے جواباً کہا کہ حضور والا پہلے یہ بتائے کہ میت اول مرد تھا یا عورت؟ مامون یہ سن کر سمجھ گیا کہ یہ بزرگ واقعی عالم ہیں چنانچہ مامون نے یحییٰ بن آکثم کو عہدہ دے کہ بصرہ کا قاضی مقرر کیا۔

اور مسئلہ کی وضاحت یوں ہے کہ اس مسئلہ میں میت اول کے مرد ہونے اور عورت ہونے سے جواب مختلف ہو جاتا ہے۔

لہذا اگر میت اول مرد ہوگا تو مسئلہ ٦ سے ہوگا جن میں سے دونوں بیٹیوں کو دو تہائی اور ماں باپ کو چھٹا، چھٹا حصہ ملے گا۔ پھر جب ایک بیٹی کا انتقال ہو گیا تو اس نے ایک بہن، جد صحیح اور جدہ صحیحہ چھوڑے لہذا چھٹا حصہ جدہ کو ملے گا اور باقی ماند ہ دادا کو دے دیا جائے گا جبکہ بہن محروم ہو جائے گی. یہ صورت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ہے جبکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بقول دادی کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی ماندہ دادا اور بہن کے مابین تین تہائی ہو کر تقسیم ہوں گے۔ اور اگر میت عورت ہوگی تو اصل مسئلہ ۹ اور ۲۷ پھر بیٹی کا انتقال ہو گیا تو اس کے ورثاء میں ایک بہن، جدہ صحیحہ اور جد فاسد ہوں گے۔ چنانچہ جدہ صحیحہ یعنی نانی کو چھٹا حصہ ملے گا بہن نصف کی حقدار ہوگی اور باقی ماندہ بھی انہیں پر رد ہوگا جبکہ جد فاسد بالاجماع محروم ہو جائے گا جیسا کہ الاختیار شرح المختار میں ہے۔ (عالمگیریہ، کتاب الفرائض، باب المسائل الملقبات ج٦ ص ٨٢٥)

77

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنظیم المدارس (اہلسنت) پاکستان

سالانہ امتحان شہادۃ العالمیۃ فی العلوم العربیۃ والاسلامیۃ (سال اول) بابت سال ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء

وقت ـــــ تین گھنٹے　　دوسرا پرچہ ـــــ علم الفرائض　　کل نمبر ۱۰۰

نوٹ:۔ سوال نمبر ۵ لازمی ہے باقی سوالات میں سے کوئی تین حل کریں۔

سوال نمبر ۱:

(i) علم الفرائض کی تعریف، غرض اور موضوع تحریر کریں، نیز اس علم کی اہمیت پر نوٹ لکھیں۔ ۱۰

(ii) اس علم کا پڑھنا فرض ہے یا واجب ہے یا سنت؟ نیز علم الفرائض کی وجہ تسمیہ تحریر کریں۔ ۵

(iii) میت کے ترکہ کے ساتھ کتنے اور کون کونسے حقوق کا تعلق ہے؟ ترتیب وار تحریر کریں۔ ۱۰

سوال نمبر ۲:

(i) موانع ارث تحریر کریں، نیز شوہر اور بیوی کے حالات بیان کریں کہ کس حالت میں کس کو کتنا ملتا ہے؟ ۱۵

(ii) "من یرد علیھم" اور "من لا یرد علیھم" کی وضاحت کریں کہ یہ لوگ کون ہیں؟ ۱۰

سوال نمبر ۳: (الف) اصحاب فرائض کی کل تعداد کتنی ہے اس میں کتنے مرد ہیں اور کتنی خواتین؟

(ب) ماں کو چھٹا کب اور ثلث کب اور ثلث باقی کب ملتا ہے؟

(ج) ایسے کتنے اصحاب فرائض ہیں جن کو نصف ملتا ہے اور کب؟

(د) ایسے اصحاب فرائض بتائیں کہ ان کو کب کب سدس ملتا ہے؟

سوال نمبر ۴: (الف) عصبہ بنفسہ کی تعریف بیان کریں۔ ۵

(ب) ان عصبات میں کون کون اشخاص شامل ہیں؟ آیا سب مرد ہیں یا کوئی خاتون بھی؟ ۵

(ج) عصبہ بغیرہ اور عصبہ مع غیرہ میں کیا بنیادی فرق ہے حالانکہ دونوں ہی خواتین ہیں؟

(د) ایک بیٹی اور بہن وارث ہوں تو بہن عصبہ ہو جاتی ہے مگر کون سی عصبہ؟ ۵

سوال نمبر ۵: (الف) زید کا انتقال ہوا اس نے مندرجہ ذیل ورثا چھوڑے، زید کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ ۱۵

ماں ، اخ لاب وام ، اخ لام ، عم

یہ بھی بتائیں کہ مذکورہ بالا مسئلہ میں کون دو افراد محروم ہونگے کس وجہ سے اور کس اصول کے تحت؟

(ب) خالد نے اپنے انتقال پر ماں باپ ایک بیٹا اور دو بیٹیاں چھوڑے ترکہ تقسیم کریں اور مسئلہ کی صورت تحریر کریں۔ ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنظیم المدارس (اہلسنت) پاکستان

الاختبار السنوی النہائی لشہادۃ العالمیۃ فی العلوم العربیہ و الاسلامیۃ سنۃ ۱٤۲۹ھ الموافق ۲۰۰۸ء

وقت ـــــ تین گھنٹے دوسرا پرچہ ـــــ علم الفرائض (سال اول) کل نمبر ۱۰۰

نوٹ: پہلا اور آخری سوال لازمی ہیں باقی سوالات میں سے کوئی دو حل کریں۔

سوال نمبر۱: حجب نقصان کی تعریف کریں نیز حجب نقصان کتنے اور کونسے افراد کیلئے ہے؟ (۱۰)

سوال نمبر۲: (الف) اختلاف دار اور اس کی اقسام کی وضاحت کریں (۱۰)

(ب) عصبہ بنفسہ کی تعریف کریں نیز کونسی عورتیں عصبہ بن سکتی ہیں وضاحت کریں (۱۰)

(ج) ولاء کسے کہتے ہیں ولاء کو فروخت یا ہبہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں وضاحت کریں (۱۰)

سوال نمبر۳: **(الف)** العول ان یزاد علی المخروج شی من اجزائہ اذا ضاق عن فرض

عبارۃ مذکورہ بالا کا ترجمہ تحریر کریں۔ (۵)

(ب) مفقود کی تعریف کریں نیز مفقود کی مدت میں آئمہ کے اقوال تحریر کریں (۱۰)

(ج) مرتد، حد می، حرتی کی وضاحت کریں (۱۵)

سوال نمبر۴: (الف) زاہد کا انتقال ہو گیا اس نے اپنے ورثاء میں بیوی، خنثی بہن، باپ اور دو بیٹیاں اور ایک بیٹا چھوڑ ے جائداد کیسے تقسیم ہوگی؟ (۲۰)

(ب) عمر اقبال نے اپنی وفات پر سگی بہن والدہ اور دو پوتیاں اپنے ورثاء میں چھوڑے ان میں جائیداد کیسے تقسیم ہوگی؟ (۱۰)

سوال نمبر۵: درج ذیل صورتوں میں سے میت کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا تفصیلاً تحریر کریں۔

۱۔ میت ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

والد بیٹا خاوند (۱۰)

۲۔ میت ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

بیٹی پوتی چچا (۱۰)

۳۔ میت ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

خاوند سگا بھائی سگی بہن بیٹی (۱۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تنظیم المدارس (اہلسنت) پاکستان

سالانہ امتحان شہادۃ العالمیۃ فی العلوم العربیۃ والاسلامیۃ (سال اول) بابت سال ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء

وقت ــــــ تین گھنٹے　　دوسرا پرچہ ــــــ علم الفرائض　　کل نمبر ۱۰۰

نوٹ:۔ تینوں سوالات حل کریں، ہر سوال میں "یا" کے ساتھ اختیار دیا گیا ہے۔

سوال نمبر۱:۔(الف) مقرلہ بالنسب علی الغیر کی تشریح کریں۔ ۵

(ب) مولی الموالات سے کیا مراد ہے؟ ۵

(ج) حجب کی تعریف اور اقسام تحریر کریں۔ ۱۰

(د) محروم اور محجوب میں کیا فرق ہے؟ ۵

(ہ) ذی رحم وارث کی تعریف قلمبند کریں۔ ۵

(و) ذوی الارحام کی کتنی اور کونسی اقسام ہیں؟ ۱۰

یا

(الف) دوعددوں کے درمیان کونسی نسبت ہوسکتی ہے وضاحت کریں ۱۵

(ب) خیفی بھائی سدس اور ثلث حصہ کے کب مستحق ہوتے ہیں ۱۰

(ج) سگی بہن کی حالتیں بیان کریں ۱۵

سوال نمبر۲:۔(الف) تصحیح کی تعریف کریں نیز تصحیح مسائل میں سہام اور رؤس سے متعلق قوانین بیان کریں ۲۰

(ب) محروم اور محجوب میں نیز جد صحیح اور جد فاسد میں فرق واضح کریں ۱۰

یا

الرد ضد العول ما فضل عن فرض ذوی الفروض ولا یستحق له یرد علی ذوی الفروض بقدر حقوقهم الّا علی الزوجین

(الف) ترجمہ کریں؟ ۵

(ب) عصبات کی عدم موجودگی میں اصحاب فرائض کو ان کا حصہ دینے کے بعد اگر مال بچ جائے تو اس کا مصرف کیا ہونا چاہیے علماء کا اختلاف بالدلائل نقل کریں ۱۵

(ج) ردعلی ذوی الفروض کی صورت میں زوجین کو مستثنیٰ کیوں کیا گیا ہے؟ وضاحت کریں ۱۰

سوال نمبر۳:۔(الف) عمر کا انتقال ہوا اس نے اپنے ورثاء میں والد، والدہ، اور پانچ بیٹیاں چھوڑے ان میں جائیداد کیسے تقسیم ہوگی؟ ۲۰

(ب) قاسم نے اپنے انتقال پر پوتی، سگی بہن، بیوی، اور چچا چھوڑے ان میں سے ہر ایک کو جائیداد میں سے کتنا حصہ ملے گا وضاحت کریں؟ ۱۰

یا

(۱) میـــــــــت

خاوند ۲علاتی بہنیں ۲حقیقی بہنیں والدہ ۱۰

(۲) میـــــــــت

زوجہ بنتان اب ام ۱۰

(۳) میـــــــــت

ام زوجہ ۵ بیٹے بیٹی ۱۰

﴿صفحہ نمبر2، عالیہ اول علم الفرائض 2﴾